حنا
2020

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

حمد — تنویر پھول — 7
نعت — محمد زبیر — 7
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — ادارہ — 8

انشاء نامہ

جنوری کی سرد ہوائیں — ابن انشاء — 11

انٹرویو

پھر روشن یادوں کی شمع — فوزیہ شفیق — 13

مکمل ناول

اک لڑکی پاگل سی — ندا علی عباس — 158
ولی — مریم ماہ منیر — 48

سلسلے وار ناول

اُمید صبح جمال — اُم مریم — 28
اسیر عشق — سدرۃ المنتہیٰ — 192

افسانے

یہ رنگ محبت کا — حنا اصغر — 213
سال نو کی نوید — رمشا احمد — 221

ناولٹ

سرفروش — قرۃ العین سکندر — 184
خواب زیست — سارا انعم بھٹی — 122
شب الم کی سحر — حنا بشریٰ — 142

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — تحریم محمود — 228

میری ڈائری سے — صائمہ محمود — 236

رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 234

حنا کی محفل — نین نین — 232

بیاض — تسنیم طاہر — 230

حنا کا دستر خوان — افراح طارق — 238

کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق — 239

☆☆☆

امیدِ صبحِ جمال

ام مریم

تیسری قسط کا خلاصہ

دادی کے انتقال کے موقع پہ والد کے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونے کے باعث آیت اور اسد کو جنازے میں شریک ہونا پڑتا ہے، آیت دادی کی ناگہانی موت پہ افسردہ ہے، اسد اسے وہاں چند دن ٹھہرانا چاہتا ہے مگر آیت رضامند نہیں، اسی رات وہاں اسے سانپ ڈس لیتا ہے۔

سلمان کی والدہ اس کا رشتہ عمامہ کے لئے پرپوزل لے کر جاتی ہیں مگر سلمان کو خبر ہونے پہ وہ طوفان اٹھا دیتا ہے اور امی کو فی الفور انکار کا حکم دیتا ہے، امی بے حد شرمسار اور پریشانی کے عالم میں عمامہ کی ماں کو انکار کا فون کرتی ہیں تو انہیں بے حد غصہ آتا ہے۔

حمہ اپنی دوست کی شادی میں شریک ہے، وہاں اسے اس کی ماں کے حوالے سے ذلیل کیا جاتا ہے، حمہ مایوسی کی انتہا پہ جا پہنچتی ہے۔

زینیہ عین اس وقت شادی سے انکار کرتی ہے جب گھر میں ان کی شادی کی تاریخ طے کرنے کا پروگرام بن رہا ہے، اس کا اصرار ہے اشعر جہاد یا اس سے کسی ایک کو چنے۔

آفاق کے بڑے بھائی ان کی شادی کے خواہاں ہیں، اسی غرض سے انہوں نے عمامہ کے بابا سے بھی بات کی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چوتھی قسط

لمبے ڈگ بھرتا وہ ایشل کے کمرے میں آیا تو وہاں گویا تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی، شاید اسے خبر ہونے سے قبل ساری حویلی کو اطلاع ہوگئی تھی۔

''پیچھے ہٹیں...... راستہ دیں مجھے۔'' اس کا لہجہ بھنچا ہوا تھا، اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ اس وقت کس درجہ ڈسٹرب ہو چکا ہے، اسے دیکھتے ہی ایک کھلبلی سی مچ گئی، اسے بستر تک جانے کا راستہ مہیا کر دیا گیا، سامنے وہ جو ایک سراپا قیامت تھی، ہوش ربا حسن لئے بیڈ پہ بے سدھ پڑی دکھائی دی، ٹخنے سے ذرا اوپر سفید پنڈلی پہ بہت واضح سرخ نشان تھا، آس پاس سے جگہ نیلی پڑتی جا رہی تھی جو زہر پھیلنے کا واضح اشارہ کر رہی تھی۔

''سانپ اندر کیسے آ گیا؟ آپ سب لوگ کہاں تھے؟'' اس نے آیت کے سرہانے ٹھہر کر پہلے اس کی کلائی تھام کر نبض چیک کی، پھر گال سہلایا، وہ بالکل بے خبر تھی، ناراضگی سے کہہ کر سائیڈ پہ پڑے ایشل کے دوپٹے سے عجلت میں ایک حصہ پھاڑ کر سب سے پہلے آیت کی ٹانگ کو زخم سے ذرا اوپر کس کر پٹی باندھ دی۔

''سرفراز سے کہو گاڑی جلدی اسٹارٹ کرے، انہیں شہر لے کے جانا پڑے گا۔'' وہ زور سے بولا تھا۔

''جماعت علی جوگی کو بلانے گیا ہے، ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہے ہیں۔'' چچی کو اس کی اس عجلت پسندی اور سب کو سخت سست سنانے پہ غصہ آ گیا تھا، تبھی وہ تنک کر بولیں، معیز نے پلٹ کر انہیں سرد نظروں سے دیکھا۔

''اور اگر اس چکر میں اس کی جان چلی گئی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا، اس کی ماں کا پتا ہے نا سب کو؟'' وہ بے حد ٹھنڈے انداز میں کہہ کر جھک کر آیت کو بازوؤں میں اٹھا چکا تھا، ایک بار پھر مجمع میں کھلبلی مچ گئی، کسی نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھا تو کسی نے نظر چرا لی، وہ عجلت میں اسے لئے باہر نکلا تھا، سرفراز تک اس کا پیغام پہنچ چکا تھا، گاڑی اسٹارٹ تھی۔

''معیز بھائی آپ چلائیں گے یا میں ڈرائیو کروں؟'' وہ مستعد تھا۔

''چلاؤ یار، ہری اپ۔'' معیز نے آیت کو پچھلی سیٹ پہ لٹا دیا تھا، خود سرفراز کے مقابل آ گیا۔

''دعا کرنا اسے کچھ نہ ہو، ورنہ کسی کی خیر نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑایا تھا، سرفراز کے اندر پھلجڑی کسی نے چھوڑ دی، اس کا جی چاہا تھا پوچھے کس سے، آپ کے ہاتھوں، مگر ادب ملحوظ خاطر رکھا اور چپکا ہو رہا۔

☆☆☆

میں بہت اکیلا کھڑا رہا تیرا منتظر
سبھی چھوڑ چھاڑ کر چل دیئے تیرا راستہ
مجھے آرزوؤں پہ شک گزرتا ہے رات دن
کسی لمحہ ڈس ہی نہ لیں مزاج کی تازگی
مجھے اپنے آپ زمیں ہی نہ دبوچ لے
مرے اردگرد کھڑے رہو نہ مرے لئے

شب بے قرار کا خوف تھا کہ میں شام تک
تیرے راستے سے پلٹ کے شہر نہ آ سکا
یہ جو آنکھ پر ہے تنا ہوا تیرا جال سا
یہ ہٹے تو تیرے علاوہ کوئی دکھائی دے

کئی دن گزر گئے مگر اس کے اندر سے وہ یاسیت ختم نہیں ہو سکی، رد ہونے کا توہین بھرا سلگتا احساس دل کے آس پاس کی زمینوں کو جھلساتا ہی رہا، وہ مما کی طرح اندر کی بھڑاس ان لوگوں کو برا بھلا کہہ کر نہیں نکال سکتی تھی، جبھی دل میں سلگن کا احساس بھی ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، دن میں کئی بار آئینے کے آگے کھڑی ہو کر خود کو بغور دیکھتی، کہیں کوئی کمی نہ تھی بلکہ وہ اگر یہ کہتی کہ اس کا شمار خوب صورت لوگوں میں کیا جانا چاہیے تو غلط نہ تھا، مگر ریجکشن پھر بھی حصے میں آ گئی تھی تو وجہ ڈھونڈے نہ ملتی۔

رات بھر بادل گرجتے برستے رہے، برسات شروع ہو چکی تھی، صبح وہ اٹھی تو سلین کا احساس پورے گھر پہ پھیلا ہوا تھا، کام والی کے آنے پہ مما تو اس کے سر پہ کھڑے ہو کر صفائی ستھرائی کرانے لگیں، ایسے میں اس نے کچن سنبھال لیا، سب کو ناشتہ کرانے کے بعد ابھی کچن سمیٹ رہی تھی کہ آزر پکوڑوں کی فرمائش لئے چلا آیا تھا۔

''ڈیئر سس موسم دیکھو کیا آفت ہو رہا ہے، ایسے میں پکوڑے نہ ہوں تو بہت بدمزگی سی لگتی ہے۔'' وہ اسے مکھن لگا رہا تھا، عمامہ مسکرا دی۔

''ابھی تو ناشتہ کر کے ہٹے ہو، پیٹ ہے یا کنواں؟''

''ابھی بھی کہہ رہا ہوں، دوپہر ہو ہی جائے گی تمہیں بناتے۔'' وہ سر کھجانے لگا۔

''مل جائیں گے پکوڑے، اور کچھ؟'' دودھ کا ڈبہ فریج میں رکھتے ہوئے اس نے لاڈلے بھائی کو پیار سے دیکھا۔

''ذرا زیادہ بنانا، ہو سکتا ہے میرے دوست بھی آ جائیں۔'' وہ اب پھیل رہا تھا، عمامہ نے باقاعدہ آنکھیں دکھائیں۔

''ہرگز نہیں، تمہارے دوستوں کی تو ایک بڑی فوج ہے، اوپر سے سب کے سب اتنے پیٹو، ان کی دعوت کا ارادہ ہے تو کسی ہوٹل کا رخ کرو۔'' عمامہ نے بالکل رعایت نہیں دی تو آزر سر کھجانے لگا۔

''سب کہاں، ایک ہی ہوگا، بس میرا حصہ ڈبل کر لینا، چلا لیں گے گزارہ۔'' اس نے مسکین شکل بنائی، عمامہ نے محض سر ہلا دیا تھا۔

دوپہر کے لئے دال چاول کا ارادہ تھا اس نے دال بھگوئی اور خود چاول صاف کرنے لگی۔

''ہر وقت کچن میں نہ گھسی رہا کرو بیٹے، اپنی پڑھائی پہ بھی توجہ دو، فائنل ایئر ہے یہ تمہارا۔'' تب ہی مما آ گئی تھیں، کام مکمل ہو چکا تھا اب وہ چھینا کو ناشتہ دے رہی تھیں۔

''میں رات کو اسٹڈی کرتی ہوں مما، ڈونٹ وری۔'' چاول صاف ہو چکے تھے، اس نے بھگوتے ہوئے انہیں اطمینان دلایا۔

''بہر حال...... اب تم جاؤ...... باقی کام میں دیکھ لوں گی، اگر کہتی ہوں پارلر کا چکر لگا لو تب یہ لڑکی نہیں سنتی، اسکن کا ناس مار کر باز آئے گی حد ہو گئی۔'' مما کو جانے کیا ہوا، اسے سخت سست سنانے لگیں۔

''اتنی تو پیاری ہیں عمامہ باجی، انہیں بھلا پارلر جانے کی کیا ضرورت۔'' چھینو اسے کیسی توصیفی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، اس نے تفاخر سے مما کو دیکھا۔

''سن لیا آپ نے، میری بات کا تو آپ کو یقین نہیں آ سکتا۔'' اس کا انداز شرارتی تھا، مما اسے گھورنے لگیں۔

''ہاں ٹوبے کا گواہ مینڈک ہی ہوا کرتا ہے۔'' انہوں نے جل کر کہا تو عمامہ نے بے ساختہ ہنسی کو بامشکل کنٹرول کیا تھا۔

''چھینو دیکھ لو، مما تمہیں مینڈک کہہ رہی ہیں۔'' اب وہ چھینو کو بھڑکانے میں مصروف ہوئی۔

''کوئی بات نہیں جی خیر اے، میری اماں مجھے پتا نہیں کیا کچھ کہتی ہیں۔'' چھینو کو ذرا جو پرواہ ہو، عمامہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی، کچھ کپڑے اس نے علیحدہ کیے تھے، چھینو کو دینے کو وہ چپکے سے اسے لا تھمائے۔

''باجی جی، آپ مجھے نئے کپڑے نہ دیا کریں، پرانے ہی دے دیا کریں، ہمیں کہاں اتنے مہنگے اور اچھے کپڑے جچتے ہیں جی، پھر لوگ بھی باتیں کرتے ہیں، کوئی یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا کہ یہ کسی لڑکی نے دیئے ہیں۔'' چھینو افسردہ لگنے لگی، اس سے بڑھ کر عمامہ کا دل غمگین ہو گیا، معاشرتی لحاظ سے ہم کن برائیوں میں مبتلا ہو چکے ہیں، ذہن ایسی پستیوں کا شکار ہو گئے اب تو کہ اسلام جو بلند مقام کا دین ہے اس کے اعلیٰ درجے کے احکامات بھی ہمیں دکھائی دیتے ہیں نہ سجھائی۔

''اسلام کہتا ہے غریب کے ساتھ بھلائی کرو ہم نے غریب کو سب سے حقیر مخلوق سمجھ کر اس سے بدتر سلوک کرنا شروع کر دیا۔''

''اسلام کہتا ہے، نیکی کا آغاز اپنے گھر سے کرو، ہم اپنے مستحق رشتوں کو نظر انداز کر کے نیکی باہر کرنے کو مارے مارے پھرتے ہیں۔''

''رب چاہتا تو کسی کو بھوکا ننگا نہ رکھتا اس کے پاس کس چیز کی کمی ہے مگر اس نے ایسا کیا کسی کو بھوکا رکھا کسی کو لباس کی تنگی دے کر دوسرے کو انہی دونوں نعمتوں کی بہتات مہیا کر دی، مقصد یہی کہ جو محروم رہ گئے ان کا حصہ ان کا حق نوازے گئے لوگوں کے پاس امانتاً رکھوا دیا، کیوں؟ سامنے کی بات ہے، رب اپنے بندے سے دلوانا چاہتا ہے، ادھر سے نیکی کروانا چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے دائیں ہاتھ سے دو بائیں کو خبر نہ ہو پائے، مگر بہت کم ہیں جو حکم ربی کے فرمانبردار ہیں، ہوتا تو یہ ہے کہ اول تو حکم سے انحراف برتا جاتا ہے، اگر تعمیل کر بھی دی تو احسان رکھتے ہوئے، خود سے کمتر سمجھتے ہوئے اور جتلاتے ہوئے، اس نے تو یہاں تک دینے والوں کو کہتے سنا تھا، کہ ہمارا کھا کر ہمیں ہی آنکھیں دکھاتے ہو۔''

''استغفر اللہ، ایسا کلمہ، کیا رب کی ناراضگی کا باعث نہیں؟ جب عطا فرمانے والا رب ہے،

رازق مالک ذات اس کی ہے تو انسان کو یہ زیبا کیسے ہو سکتی ہے بات، مگر یہ بھی المیہ ہے، اسلام سے مذہب سے دوری اور تکبر کا باعث ہے۔''

''تم پریشان نہ ہو، ایسی باتوں پہ دھیان نہ دیا کرو، انسان ہمیشہ ایک مقام پہ نہیں رہتا، یہ باری کے دن ہوتے ہیں اچھے برے ہر کسی پہ آتے ہیں، لازم نہیں کہ تم جو آج دوسروں کے گھر محنت ضروری کر کے کما رہی ہو ہمیشہ ایسی ہی رہو، دن پھر جائیں گے، بس یہ ذہن میں رکھنا کہ کسی کا دل نہ دکھے، حق نہ غصب ہو اور حقوق کی ادائیگی میں کمی نہ رہ جائے، باقی اللہ وارث ہے۔'' اس نے اس کا دل بڑھایا تھا، چھینو کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''آپ تو بہت اچھی باتیں کرتی ہو باجی جی، ایسی باتیں تو ملانی جی کو کرنی چاہیے، مگر وہ تو جی بہت گالیاں بکتی رہتی ہے ہر وقت اپنے بچوں کو۔'' چھینو نے متاثر ہو کر کہتے آخر میں منہ برا سا بنا لیا۔

''اللہ اسے بھی ہدایت دے اور اب تم جاؤ، دیر ہو رہی ہو گی تمہیں۔'' اس نے اسے بھگایا اور خود نہانے چلی گئی، اس کے بعد اسے پکوڑوں کی تیاری بھی کرنی تھی۔

☆☆☆

اتنی مدت بعد تو گھر آتا ہے
اس کے پیروں کے چھالوں کی کچھ نہ پوچھو
ہاتھوں کے زخموں کی بات بھی چھوڑ ہی دو
آنکھوں کی تحریریں پڑھنا آتی ہیں تو
اک لمحہ بھی دیر نہ کرنا
ان آنکھوں کو اپنے دل کا حال چھپانا آتا ہے

یہ.........
پل میں حال چھپا جائیں گی

ایک افراتفری اور بھاگ دوڑ کی محنت کے بعد اسے بہر حال بروقت ٹریٹمنٹ مل گیا، زخم کے اوپر پٹی بندھی ہونے کے باعث زہر جسم میں پھیلنے سے بچ گیا تھا، خاصی تاخیر سے ہوش میں آئی تو کچھ دیر تک اس کا ذہن تاریکی میں ہی غوطے کھاتا رہا۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' کوئی اس پہ جھکا تھا، خاکہ دھندلا تھا، نظر میں شناسائی نہ سما سکی۔

''میں.........'' اس نے کچھ بولنا چاہا مگر نقاہت نے ہمت تمام کر دی۔

''تم بالکل محفوظ ہو، ڈرو نہیں۔'' مہربان ہاتھ اس کے سر پہ آن ٹھہرا، اس نے ذہن پہ زور دیا، وہ سمجھ سکی، اس کے اردگرد کھڑے اشخاص محسن اور اسد تھے۔

''اسد.........'' وہ ایک دم اٹھ کر اس کے بازو سے لپٹ گئی۔

''سانپ......'' وہ پھر سے لرزنے لگی تھی، اسد نے اسے بازو کے حصار میں بھینچ لیا۔

''ڈرو نہیں، سانپ نے تمہیں نہیں کاٹا، بالکل محفوظ ہو تم مائی ڈیئر۔'' وہ اسے تھپک رہا تھا مگر وہ گھٹ گھٹ کر رو دی گئی۔

''میں نے خود دیکھا تھا سانپ کو، اسد...... اگر سانپ ڈس لے تو انسان زندہ نہیں بچتا۔'' اس پہ خوف کا غلبہ ہنوز تھا۔

''اگر ڈس لے تب...... اس نے تمہیں نہیں ڈسا آیت، تم بالکل ٹھیک ہو۔'' اسد اسے بہلا رہا تھا۔

''مگر اس نے میرے پیر پہ......''

''تمہارے پیر کو صرف چھو کر گزرا تھا۔'' اسد نے اس کا سر سہلایا، تسلی دی، آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو سکی تھی، اسد نے اس کا سر تکیے پہ رکھا مگر وہ پھر سے اٹھ بیٹھی، خوف زدہ نظروں سے اپنے پاؤں کے اوپر موجود ٹخنے پہ سفید بینڈ یج کو دیکھتے اس کی آنکھوں سے وحشت چھلکنے لگی، اس نے مضطرب انداز میں گردن موڑی۔

''تم تو کہہ رہے تھے نہیں ڈسا سانپ نے مگر یہ......''

''یہ محض احتیاطاً دوا لگا کر پٹی باندھی گئی ہے آیت، ڈونٹ یو وری، آپ کو کچھ نہیں ہوگا، یو نو واٹ سانپ کے چھونے کی یہی احتیاطی تدابیر ہوتی ہیں، جو ہم نے کروائی ہیں۔'' اب کے معیز آگے بڑھا تھا اور بیڈ کے کنارے ٹک کر اس کا ہاتھ ہاتھ میں تھام کر اتنی رسانیت سے تسلی دی کہ وہ اسے دیکھتی رہ گئی، نظروں کی غیر یقینی میں الجھن کا تغیر آیا پھر بتدریج اطمینان کا ہلکا سہی مگر رنگ چھلکنے لگا تھا۔

''میں یہاں نہیں ٹھہروں گی، مجھے واپس لے کر چلو اسد، ابھی اسی وقت۔'' اپنا ہاتھ معیز کے ہاتھ سے چھڑواتی وہ اسد کو پھر سے مخاطب کر گئی۔

تو تو برف جیسا رہا ہمیشہ سلوک میں
تیرے پرتپاک تکن پہ پھیلی ہیں حسرتیں

معیز کے لئے اس کے ہر نقش سے یہی تاثر ملتا تھا۔

''ہم واپس آ گئے ہیں شہر آیت، ہاسپٹل سے تمہیں گھر سے چلتا ہوں کچھ دیر تک...... پپا سے نہیں ملو گی؟'' اسد نے دانستہ اس کا دھیان بٹایا، جو واقعی بٹ گیا۔

''پپا کیسے ہیں اب، کیا اسی ہاسپٹل میں......؟'' اس نے اطراف میں نگاہ ڈال کر چونکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... مگر دوسرے وارڈ میں، میں لے چلتا ہوں تمہیں۔'' اسد نے اس کی بھرپور تسلی کروائی، تب ہی ایک دم بہت سے لوگوں نے کمرے میں ہلا بول دیا، تائی جان ایشل، چچی اور جانے کون کون، سب ان کی سمت متوجہ ہو گئے۔

''کیسی ہے میری جان؟'' تائی جان نے اسے گلے لگایا، اسے صحیح سالم دیکھ کر جان میں جان آئی تھی، اس نے محض سر ہلا دیا، چچی اور دیگر لوگ بھی خیریت دریافت کرتے رہے، وہ الجھن میں تھی مزید الجھ گئی۔

''اسد کہہ رہا ہے سانپ نے ڈسا نہیں محض چھوا ہے پیر کو پھر بھی گاؤں سے سب لوگ میری عیادت کو آ گئے ہیں۔'' ایشل نے اس بات کے جواب میں اسے شرارت سے دیکھا۔

''بھئی اس سے اپنی اہمیت کا اندازہ لگا لیں، آخر کو آپ اس حویلی کی لاڈلی بہو ہیں۔'' اس جواب کی آیت کو توقع نہیں تھی، ملا تو موڈ خراب کر گیا، اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''آپ کو کیا بتاؤں، جب معیز بھائی کو پتا چلا تو انہوں نے سب کو کتنا ڈانٹا، کتنا سب پہ گرم ہوئے اور تم اور میرے نئے سوٹ کے دوپٹے کو پھاڑ ڈالا آپ کو پٹی باندھنے کی خاطر، میں نے تو ایک بار بھی نہیں تھا پہنا، اب آپ ہی ان سے مجھے نیا سوٹ دلوانا، ہاں نہیں تو۔'' وہ شرارت میں بہت آگے جا رہی تھی، آیت کو جس قدر برا لگ سکتا تھا اس نے اس سے زیادہ برا منایا۔

''مائنڈ یور لینگویج، تمہارے بھائی کے ساتھ میرا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے، کہ میں ایسا ویسا کچھ کرتی پھروں، آئندہ دھیان رکھنا۔'' غصے میں اس کا رنگ بالکل سرخ ہو گیا تھا، اس نے گویا معیز کا بھی غصہ اس بے چاری پہ اتار دیا تھا، ایشل شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆

درد گھبرایا کہ یہ کون ہے ایمان فروش
زندگانی کی مصیبت سے کہیں بھاگا ہوا
اتنا بے دید بھی ہوتا ہے کوئی
آرزوؤں سے بھلا ایسے لڑا جاتا ہے
درد گھبرایا کہ یہ کون ہے ایمان فروش
یہ تو بیماری پہ خوش بیٹھا ہے
ظرف کی لذتیں کم ہوں
تو شکایات کی تقسیم بدل جاتی ہے
ظرف کے اپنے معانی کی طرح
درد کے رزق سے منہ موڑ کے جائے گا کہاں
بے سہاروں کی طرح بھاگے گا
صحرا کے کناروں کی طرح
ریت دریا کی طرح دور سے دیتی ہے فریب
ورنہ تشنہ کسی راہرو کے لئے کم تو نہیں جھومتے دریا کی کشش
دل میں بھی لاکھ بھنور پڑتے ہیں دریا کی طرح
اور ڈبو دیتے ہیں جو ہاتھ لگے
درد کے کتنے ہی انداز ہیں مرہم کے مگر
ہنس کے سینے سے لگانا ہی بہت مشکل ہے
درد کی اپنی مسیحائی ہے فطرت کی طرح
چھوٹے چھوٹے سے اداروں میں بھی گر طاقت ہو
بے سکونی کا بھی ہے غم میں علاج
زخم تو آگ بجھا دیتے ہیں

زخم تو بھوک مٹا دیتے ہیں
ابھی پہلے سانحے سے سنبھالا نہ مل سکا تھا کہ اگلا دھچکا آن لگا، وہ ضبط نہ کھوتی تو کیا کرتی اصل دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ عزیز و اقارب سے اس کے لئے بہت موزوں رشتہ آ گیا تھا اصل تکلیف کا باعث یہ امر تھا کہ حسین نے اسے اس رشتے پہ غور کرنے کا خود سے کہا تھا، وہ تو جیسے پاگل ہو اٹھی، ہسٹریائی کیفیت کے عالم میں اس نے پہلے حسین پہ جو چیز ہاتھ لگی پھینکی پھر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے اپنے منہ پہ طمانچے مارتی ہوئی وہ کسی طرح بھی نارمل نہیں لگ سکی تھی دادی کو۔
جب انہوں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو ان سے اپنا آپ اس ہذیانی انداز میں چھڑائی وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔
''اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ یہ مجھے کسی اور سے شادی کا مشورہ دے؟'' وہ چیخی تو اس کی گردن کی رگیں ضرورت سے زیادہ پھول گئیں، منہ سے کف اڑ رہی تھی، یہ ڈھکا چھپا اظہار تھا جو پہلی بار حسین کے سامنے ہوا۔
''یہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو مجھے زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اب وہ گویا پوری کھل گئی، حسین بوکھلاہٹ میں مبتلا اس کے پیچھے بھاگا تھا اور اسے بیچ سیڑھیوں کے جا لیا۔
''پاگل مت بنو صندلین، کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟'' وہ سچ مچ اس اقدام سے خائف ہو چکا تھا، سراسیمہ اسے ڈپٹنے لگا، دادی فق چہرے کے ساتھ وہیں دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھیں۔
''اچھا ہے تمہاری جان چھوٹ جائے گی ہمیشہ کو۔'' اپنا آپ اس سے چھڑواتی وہ پھر چلائی، حسین کو اب کے ذرا سا غصہ آ گیا۔
''میرے سر چڑھ کر میری جان چھوڑو گی تو کیا خوب بھلا کرو گی میرا۔'' اس کے انداز میں جھلاہٹ تھی، صندلین کے دل پہ جا کر ترازو ہوئی یہ ملامت، آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
''دادی اسے میری وصیت سمجھ لی، اس بے حس انسان پہ میری ڈیتھ کی کوئی ذمہ داری عائد نہ کی جائے۔'' زور و شور سے روتی وہ وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ کر اعلانیہ انداز میں بولی، حسین ذرا جو متاثر نظر آیا ہو، الٹا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
''بند کرو یہ ڈرامہ، چلو نیچے چھوڑوں تمہیں۔'' وہ ہنوز جھلاہٹ کا شکار تھا، صندلین کا دل اس کے لہجے کی بے اعتنائی کو پا کر ہی مزید پاش پاش ہوا۔
''چھوڑ تو دیا ہے مجھے۔'' کیسا ٹوٹا ہوا رویا ہوا لہجہ تھا، دادی کا دل پھٹنے کے قریب جا پہنچا۔
''دادو، اسے کہیں ایموشنل قسم کی موویز کم دیکھا کرے اور اگر یہی ایکشن ری پلے ہوا کرے گا تو سن لیں میں یہاں آنے سے توبہ کر رہا ہوں۔'' بھنا کر کہتا وہ اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر خود سیڑھیاں پھلانگ آیا، صندلین ڈوبتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی اٹھ کر اوپر بھاگ گئی، حسین نے ذرا الجھ کر دادی کو دیکھا تھا۔
''واٹ یو تھنک دادو، یہ ابھی بھی سوسائیڈ والی حماقت دہرائے گی؟'' دادی اس سوال پہ ہونٹ بھینچتی ہوئیں اپنے کمرے میں چلی گئیں تو حسین ایک دم چپ سا ہو گیا، دادی کی ناراضگی واضح تھی، اس کا ذہن ڈسٹرب ہونے لگا۔

''اب آپ اتنی سی بات پہ مجھ سے بات چیت ترک کر دیں گی؟'' شا کی انداز گلہ آمیز نظریں، دادی نے اسے گہرا متاسفانہ سانس بھرتے کچھ دیر دیکھا اور پھر سے تسبیح پڑھنے لگیں۔

''دادی......''

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے حسین۔'' ان کے لہجے کی سنجیدگی میں ہلکا سا غصہ بھی چھلک پڑا۔

''لیس آف کورس، اب آپ کہیں گی صندلین بیچاری کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے وہ تو بچپن سے سنتی آ رہی ہے اس کی شادی مجھ سے ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اس کا ذہن میرے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کرتا مگر میں پوچھتا ہوں آپ لوگوں کو ضرورت کیا تھی یہ رشتہ بچپن میں طے کرنے کی، اگر کر دیا تھا تو اس کے کانوں میں ڈالنے کی، اب میرا اس میں کیا قصور کہ مجھے وہ اس حوالے سے ایک آنکھ نہیں بھاتی، میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کیوں کرلوں جسے میں پسند ہی نہیں کرتا اور آپ لوگ ہیں کہ زبردستی اسے میرے گلے ڈال......''

''کوئی زبردستی اسے تمہارے گلے نہیں باندھ رہا ہے حسین، تم اس بات کی فکر بھی نہ کرو کہ وہ اگر خودکشی وغیرہ کرے گی تو تمہیں کوئی مسئلہ کری ایٹ ہوگا، تم اس بات کی ٹینشن نہ لو، تم اس بندھن سے خود کو آج سے آزاد سمجھ سکتے ہو۔'' اچانک دادی کی ٹھہری ہوئی آواز نے اس کی بات قطع کر دی تھی، اگلے لمحے وہ اٹھی تھیں اور وضو کے ارادے سے واش روم میں بند ہو گئیں، حسین الجھن آمیز انداز میں وہاں اکیلا بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

ہم جدائی میں بھی شفاف رہے
صاف شیشے کی طرح
کالکیں گرتی ہیں ویران مساجد سے گنہگاروں کی
داغ اڑتے ہیں فضاؤں میں نگر والوں کے
لوگ ملتے ہیں گناہوں کے لئے
ہم جدائی میں بھی شفاف رہے
وہ جدائی جو اڑاتی ہے مذاق
وہ جدائی جو ڈراتی ہے
شکستہ بھی کیے جاتی ہے
کھینچ لے جاتی ہے آلودہ بہانوں کی طرف
ہم نے حیلے بھی کیے ہیں تو فقط چاند کے بہلانے کو
رات کچھ دیر کے سو جانے کو
درد کی ایسی فضیلت تو کبھی مانی ہی نہیں
جو ہمیں توڑ کے ہی رکھ دیتی بالکل
ہم جدائی میں بھی شفاف رہے
صاف پانی کی طرح

اجلے لباسوں کی طرح
ہم نے ہر رنگ کے داغوں سے کیا ہے پرہیز
ورنہ تم کون سا نزدیک تھے جو
تم کو گلہ کرنے کا موقع ملتا
ساری باتیں تو الگ اتنا مگر یاد ہے
یہ کوئی اتنا بھی آسان نہیں ہے لیکن
ہم جدائی میں بھی شفاف رہے

کڑاہی میں ابھی پکوڑے ڈال کے وہ سنک پہ ہاتھ ہی دھو رہی تھی جب آزر دروازے پہ آن بھی دھمکا۔

''افوہ آپی تم کتنی سست ہو، میرا دوست پکوڑوں کی راہ دیکھتا فوت ہونے لگا ہے اور میں اسے آس دلائے جارہا ہوں کہ......''

دیکھو کون آیا ہے ملنے
لمحہ بھر تو آنکھیں کھولو

اس نے شرارت سے شعر پڑھا، عادت کے مطابق کو چٹکلے چھوڑ رہا تھا، مسکراہٹ عمامہ کے چہرے پہ بس جھلک دکھلا کر غائب ہوگئی۔

''بس ابھی تیار ہو جاتے ہیں، تم فریج سے چلی ساس نکالو اور ساتھ میں پودینے کی چٹنی بھی نکال لینا، دہی میں حل کر لو، کولڈ ڈرنک بھی لازم ہو گی؟'' وہ مسکرا کر اسے چھیڑ رہی تھی، چمچ سے پکوڑے پلٹتے محض ایک لمحہ کو کوتاہی ہوئی جس کا نتیجہ اسی پل سامنے آ گیا، گھی چھلکا اور سیدھا اس کے پیر پہ آ کے گرا تھا، بے ساختہ کراہ اس کے لبوں سے نکلی اور چمچ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا ہوا آپی؟'' آزر گھبرا کر پلٹا، وہ جھکی اپنا پیر ہاتھ میں پکڑے بیٹھی تھی۔

''اوہ آئل پڑ گیا، یہ تو اچھا خاصا جل چکا ہے۔'' زبردستی اس کا ہاتھ ہٹاتا آزر متاثرہ پیر سامنے کر کے دیکھتے ہی پریشان نظر آنے لگا، اس کا دل جو ویسے ہی گداز ہو رہا تھا، چھلکنے کو بے قرار تھا، گویا رونے کا بہانا ڈھونڈ لایا۔

''کچھ نہیں ہوا، چھوڑو تم۔'' اس نے گلوگیر آواز میں کہا تھا اور آزر کو پرے کرنا چاہا، آزر کی نظر پہلے اس کے آنسوؤں سے تر چہرے پر آواز کی نمی پہ گئی تھی۔

''کیسے کچھ نہیں ہوا، پھر آپ کیوں رونے لگی ہیں، مما، مما دیکھیں آپی کا پاؤں جل گیا ہے۔'' آزر نے شور سا مچا دیا، وہ لاکھ منع کرتی رہ گئی، کچھ نہیں ہوا مگر آزر کو کون سمجھاتا جو اس کے آنسوؤں سے مضطرب ہوتا بھی اسے برنال لگا رہا تھا بھی کوئی اور حربہ آزمانے لگ جاتا کسی طرح جلن ختم ہو۔

''ک...... کیا ہوا...... ماں صدقے...... کیسے جل گیا پیر؟''

مما اگلے لمحے گھبرائی ہوئی کچن میں آن پہنچیں، پیچھے بابا بھی، پھر اسے ہاتھوں ہاتھ کچن سے نکال کر لاؤنج میں لایا گیا، جہاں اک اجنبی صورت کو موجود پا کر وہ ایک دم ٹھٹکتے ہوئے اپنی تکلیف

بھلا کر اپنے دوپٹے کا خیال کرنے لگی، حیرت کا الگ غلبہ تھا کہ مما بابا اسے یوں کسی اجنبی کے سامنے کیونکر لے آئے جبکہ وہ تھی بھی تکلیف کا شکار۔

''میرا خیال ہے ہاسپٹل لے کر چلنا چاہیے۔'' آزر کا مشورہ حاضر تھا، وہ از حد پشیمان نظر آرہا تھا گویا کہ اس کی غلطی کی وجہ سے ہی تو عمامہ کو یہ تکلیف پہنچی ہو۔

''ہاسپٹل یہاں سے دور ہے تب تک آبلے بھی پڑ سکتے ہیں، آنٹی آپ یہ مرہم ہٹا کر متاثرہ حصے پر پانی ڈالیں یہاں تک کہ جلن ختم ہو جائے، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا آبلے نہیں پڑیں گے، اس کے بعد بھی مرہم نہیں لگایئے گا، آلو کا پیسٹ لگانے سے بھی ٹھنڈک پڑ جایا کرتی ہے۔'' اب کے مفت مشورہ اجنبی شخص کی طرف سے آیا، عمامہ نے چونک کر اسے دھیان سے دیکھا مگر دیکھ نہ سکی، محترم خود بھی اسی کام یعنی بغور جائزے میں مشغول تھے، وہ بھنا کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی، آزر کا کوئی ایسا نامعقول دوست اس کے علم میں نہیں تھا، جو اچھا خاصا اس سے عمر میں بڑا اور ایسا بے ہدایتا بھی ہو۔

''مما میں اندر اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، ہرگز بھی یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔'' وہ ناراضگی سے کہتی ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گئی، مما ارے ارے کرتی رہ گئیں تھیں۔

☆☆☆

صلہ مذاق بھی کیا عجب ہے کہ زندگی
کسی بے گناہ کی طرح سزاؤں میں کٹ گئی
خلش مراد کے اضطراب نے رات دن
کس خارزار میں جھونک رکھے ہیں جسم و جاں
ہمیں واپسی کا ذرا سا شک تھا نصیب پر
اسی خوش گمانی میں زندگانی گزار دی
کسی پیچ و تاب کی کیفیت میں پتہ چلا
مری بے بسی کے بھی کیسے کیسے محاذ ہیں
مرے زخم لوری سنا کے مجھ کو سلا تو دیں
کوئی آدھی رات کو جاگ اٹھتا ہے درد میں

بے زاری اور اکتاہٹ کا کوئی انت نہیں تھا، لیٹ کر اٹھک بیٹھک کر کے چل پھر کے بھی جب تھک گئی تو کوئی چارہ نہ پا کر باہر نکل آئی کمرے سے، پورا گھر جیسے خالی تھا، آزر کی تو خیر یہ گھڑیاں دوستوں کے لئے وقف تھیں مما اور بابا پتا نہیں البتہ کہاں چلے گئے تھے، وہ دکھتا پیر گھسیٹتی ہوئی لاؤنج کی سمت آئی تو ان دونوں کی موجودگی کا پتا ان کے درمیان ہونے والی بحث نے دے دیا۔

''بھلا کیا ضرورت تھی اس طرح اس گھر میں بنا بتائے بلانے کی، آپ کب آخر میری باتوں پہ دھیان دینے لگیں گے؟'' مما اپنا ہمیشہ کا گلہ اب بھی اسی شدومد سے کر رہی تھیں جس سے عمامہ نے انہیں کرتے دیکھا تھا ہمیشہ۔

''تم ان باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ......'' اسے دروازے پہ ٹھہرتے دیکھ کر بابا نے فی الفور بات ادھوری چھوڑ دی، لپک کر صوفے سے اٹھتے اسے بڑھ کر تھاما۔

''میری شہزادی، اب طبیعت کیسی ہے؟'' ان کی نظریں اس کے پیر سے ہوتیں چہرے پہ آن ٹھہریں، عمامہ نے گہرا سانس بھرا۔

''آ گیا آپ کو میرا خیال؟'' وہ تو گویا پھٹ پڑی، غصہ ہی ختم نہیں ہو رہا تھا کہ کسی نے پلٹ کر پوچھا بھی نہیں بعد میں یہ الگ بات کہ پہلے دو گھنٹے وقفے وقفے سے اس کا دروازہ بجتا رہا تھا۔

''ارے بیٹے ہم تو......'' مما نے حیرانی سے اسے دیکھا مگر بابا کے اشارے سے چپ رہنے کا سگنل پا کر گہرا سانس بھرتیں ہونٹ بھینچ گئیں۔

''میں آیا تھا بیٹے تمہارے پاس، کھڑکی سے جھانکا، سمجھا تم سو رہی ہو، یہ سوچ کر ڈسٹرب نہیں کیا کہ تکلیف میں اگر آنکھ لگ گئی تو......''

''سو نہیں رو رہی تھی۔'' وہ بسوری تو بابا فی الفور اس کا پاؤں دیکھنے کو جھک گئے، جلد جھلنے کے بعد آبلے بھی پڑ چکے تھے، انہیں عجیب سا تاسف نے گھیر لیا۔

''نشان نہ رہ جائیں یہ تو بہت برا ہوا، آؤ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اس کا انداز نروٹھا تھا، بابا نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور جیسے اس کی ناراضگی کو پھر بھر میں پا کر مسکرانے لگے۔

''آفی کی بات پہ ابھی تک خفا ہو؟'' ان کا انداز شرارتی ہوا، عمامہ دنگ رہ گئی۔

''کون آفی؟''

''وہی نوجوان جو اس وقت بڑھ بڑھ کے مشورے دے رہا تھا، یہ بتاؤ کیسا لگا تمہیں؟'' ان کا اشتیاق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، عمامہ متحیر سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

''کچھ خاص نہیں، مگر آپ یہ سوال بالخصوص مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' بابا کے چہرے کی رونق لمحوں میں زائل ہوئی تھی گویا۔

''یقیناً تم نے اسے ڈھنگ سے ہیں دیکھا ہو گا، خیر میں پھر ملواؤں گا تم سے۔'' مایوسی کے بعد پھر سے امید کی کرن روشن کی گئی، عمامہ اب کے جھلا اٹھی تھی۔

''واٹ اے پزل بابا، میں بھلا اس چغد کو کیوں ڈھنگ سے دیکھوں کیوں اس سے ملوں؟'' اس کا غصہ چھپا نہ رہ سکا، بابا تو لفظ چغد سے ہی ایسے ہو گئے گویا اس نے کسی عظیم جرم کا ارتکاب کر لیا ہو۔

''بیٹے یہ آفاق تھا، آفاق شیرازی، تذکرہ کیا تھا نا میں نے تم سے، وہی جو......''

''ہاں ہاں وہی جنہیں بابا نے آپ کے شریک حیات کے طور پہ چنا ہے بابا انہیں آپ کو دکھانے لائے مگر اس کے بجائے کہ آپ دیکھتیں محترم نے آپ کو دیکھ لیا وہ سمجھا گانا ہے بڑا مشہور قسم کا...... ہاں بالکل۔''

لال دوپٹہ اڑ گیا رے میرا ہوا کے جھونکے سے
مجھ کو پیا نے دیکھ لیا ہائے رے دھوکے سے

مانا کہ مجھے دل دے گا وہ مگر میری جان لے گا وہ

لال دوپٹہ ہائے ہائے لال دوپٹہ

اچانک آزر کہیں سے نکل آیا اور پھر اپنا حصہ گفتگو میں ڈالتا ہوا اینڈ پہ جس طرح ٹھمکے لگا لگا کر گانے لگا تھا عمامہ کا چہرا مارے طیش کے سرخ پڑ گیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر دھاڑی، پھر مما کی طرف روئے سخن کیا تب بھی انداز کڑا تھا۔

''یہ کیا واہیاتی ہے اس کی مما؟'' وہ ناراض سی ناراض تھی، مگر مما کا انداز نارمل رہا۔

''بھائی ہے چھوڑ مذاق کر رہا ہے بیٹے۔''

''مجھے ایسا بے ہودہ مذاق نہیں پسند۔'' اس کا نروٹھا پن قائم رہا تب بابا کو مداخلت کرنا پڑ گئی تھی۔

''آزر تو یونہی شرارت میں چھیڑ رہا ہے آپ کو بیٹا جانی، ورنہ آفاق سے آپ کو ملانے کا ارادہ تو میرا ہرگز ایسے انداز میں نہیں تھا۔'' ان کی وضاحت پہ عمامہ پوری طرح ٹھٹک گئی، چونک کر حیرت سے بھری غیر یقین نظروں سے انہیں دیکھتی چلی گئی تھی۔

''واٹ یو مین بابا، یعنی آپ کسی ایرے غیرے کو یوں......'' غم و غصے سے اس کے منہ سے بات پوری ادا نہ ہو سکی اور گلا بھرا گیا، ابھی تو پہلی ریجکشن کا زخم نہیں بھرا تھا، غم تازہ تھا اور یہ لوگ اسے نئی آزمائش سے گزارنے کے لئے بھی تیار ہو گئے، اس کے احساسات و جذبات کی پرواہ کیے بغیر۔

''کم آن بیٹے، کیا ہو گیا، آفاق کا ذکر کیا تھا نا میں نے آپ سے؟ یاد ہے؟'' بابا خود اس کے رویئے پہ حیران پریشان تھے، وہ زخمی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر ایک دم اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو آزر سمیت مما بابا بھی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی بھلا فضول میں اٹھ کر تماشا کرنے کی؟'' امی کو اور کچھ نہ سوجھا تو آزر پہ برس پڑیں، وہ گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''غلطی ہماری ہے، ہمیں ابھی بچی کو کچھ وقت دینا چاہیے تھا پھر اس کے بعد اسے اعتماد میں لینے کے بعد ایسا کوئی بھی اقدام کرتے تو نتیجہ یہ نہ نکلتا۔'' بابا کے انداز میں ٹھہراؤ تھا، امی نے زور سے سر جھٹکا۔

''ایسی بھی کوئی انہونی نہیں ہے، بس آپ نے ہی سر پہ بہت چڑھایا ہوا ہے صاحبزادی کو۔'' امی کو اب غصہ آنا شروع ہو گیا تھا، ان کا بس نہیں چلتا تھا صبح سے شام نہ ہو اور وہ عمامہ کی شادی کروا دیں، جب سے وہ بیس سے اوپر ہوئی تھی حالانکہ کوئی بہت زیادہ اوپر نہیں ہو گئی تھی، محض ایک سال پھر بھی انہیں فکر سے رات نیند نہیں آتی تھی، یہ اپنے گھر کی ہو جاتی تو ہی پرسکون ہو سکتی تھیں، ویسے بھی عمامہ کی ہم عمر ساری لڑکیوں کی شادیاں ہو گئی تھیں، جو بچی تھیں وہ بھی منگنی شدہ کہلاتی تھیں، ایک ان کی بیٹی تھی کہ ابھی تک رشتے ہی دو آئے تھے، ایک طرف سے خود انکار ہوا تو دوسرے کی راہ میں محترمہ خود روڑے اٹکانے بیٹھ گئیں۔

''ایسا رویہ مت اختیار کریں بیگم صاحبہ کہ بچی کو اپنا آپ ہمارے اوپر بوجھ محسوس ہونے لگے، کتنی بار کہہ چکا ہوں بیٹی بھاری نہیں ہے مجھ پہ، اس کے نصیب کھلنے کی دعا ہر روز دن میں پانچ بار کرتا ہوں میں بھی مگر عجلت میں کوئی بھی قدم اٹھا کر اس پہ یہ ظاہر نہیں کر سکتا کہ بدگمان ہو جائے۔''
ان کے انداز میں تحمل و بردباری کے ساتھ ٹھہراؤ بھی تھا، امی گہرا سانس بھر کے ایسے چپ ہو رہیں، گویا آپ جانیں آپ کی بیٹی۔

''ویسے بھی یہ کوئی نئی بات ہرگز نہیں تھی، بچپن سے لے کر آج تک عمامہ کے ہر معاملے میں ہر فیصلہ اور مرضی ان کی ہی چلی تھی، خود عمامہ کون سی کم تھی، باپ کی چہیتی تھی تو باپ سے ہی دل کی ہر بات کرتی تھی، انہی سے ہر رائے لیتی انہی کے ساتھ مشورہ کیا کرتی، امی باپ بیٹی کی اس محبت سے بھلا کیا جلتیں ہاں البتہ کبھی کبھار انہیں لگتا کہ شوہر کا یہ رویہ بیٹی کے بگاڑ کا باعث نہ بھی سہی تو اس کے مزاج کی نازکی کا باعث ضرور بن جائے گا اور جواب انہیں یقین ہوا، کہ یہ سب ہو چکا ہے۔''

☆☆☆

کبھی تو شہر ستم گراں میں
کوئی محبت شناس آئے
وہ جس کی آنکھوں سے نور چھلکے
لبوں سے چاہت کی باس آئے
چلے تو خوشیوں کے شوخ جذبے
ہماری آنکھوں میں موجزن تھے
مگر نہ پوچھو کہ واپسی کے
سفر سے کتنے اداس آئے
ہمارے ہاتھوں میں اک دیا تھا
ہوا نے وہ بھی بجھا دیا تھا
ہیں کس قدر بدنصیب ہم بھی
ہمیں اجالے نہ راس آئے

انور غازی رحیم اللہ نے ''عافیہ'' کتاب لکھی تھی تو مفتی عدنان کا کاخیل رحیم اللہ نے کہا تھا۔
''جب اللہ سب سے پوچھے گا کہ تم نے اپنی قوم کی بیٹی کے لئے آواز کیوں نہ اٹھائی، تو انور غازی بغل میں اپنی کتاب ''عافیہ'' دابے فوراً حاضر ہو جائیں گے اور ہم کھڑے منہ دیکھتے رہ جائیں گے، بالکل اسی طرح جب اللہ رب العزت پوچھے گا کہ جہاد تو برحق تھا، پھر کیوں ہاتھوں پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے، عیش و عشرت سے نہ نکلے، تو ہم جواب نہ دے سکیں گے، پچھتانے کے سوا کچھ کرنے پہ قادر نہیں ہو سکیں گے کہ وقت گزر چکا ہوگا لیکن، ابھی وقت گزرا نہیں، ابھی ہم قادر ہیں اپنی قسمت بدلنے کے، رب کو راضی کرنے کے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''
''جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آ جائے ہم ہر حال میں

اس کو اجر عظیم دیں گے۔" القرآن۔
جہاد کشمیر ہر لحاظ سے ایک مکمل جہاد ہے، جہد کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایسا مشکل اور جہاد اس زمانے میں کوئی اور نہیں، ہزاروں فٹ بلند پہاڑ، بڑے بڑے گلیشیر برف پوش چوٹیاں، لاکھوں کی تعداد میں انڈین فورسز، خونی باڈر، خوفناک بارڈر، اپنوں کی جفائیں اور غداریاں، دونوں جانب رکاوٹیں، غرض یہ کہ ہر ایسا سبب اپنی انتہائی حالت پر موجود ہے جس کی موجودگی میں ایک عام انسان تو کیا، درمیانے جذبے اور عزم کا حامل شخص اس تحریک کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں کرسکتا، مدمقابل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سامنے مشرکین ہیں وہ مشرکین جن کے بارے میں حکم ہے۔
ترجمہ:۔ اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں، سورہ توبہ آیت نمبر 36 کے متعلق حکم ہوا۔
"انہیں مارو جہاں پاؤ۔" سورہ البقرہ آیت 191۔
"جن پر حملے کے لئے تاک میں بیٹھنے کا حکم آیا ہے۔"
"اور بیٹھ رہوان کے لئے ہر خفیہ ٹھکانے پر۔" سورہ توبہ آیت نمبر 5۔
"جنہیں میدان جنگ میں سخت جنگ کے ذریعے نشان عبرت بنانے کا حکم ہے۔"
"سو اگر کبھی تو انہیں لڑائی میں پائے تو انہیں ایسی سزا دے کہ ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگ جائیں۔" سورہ انفال آیت 57۔
مقاصد کے اعتبار سے بھی یہ جہاد بہت مقدس اور اونچا ہے، مثال کے طور پہ مظلوم مسلمانوں کی امداد ایسے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچانا اور جلد پہنچانا مسلمانوں کے ذمے فرض ہے جو مظلوم ہوں کفر کے قبضے میں پھنسے ہوں اور غلامی کی حالت میں ہوں۔
"جب وہ دین کے نام پر بلائیں تم پر واجب ہے ان کی مدد کو آؤ۔" انفال آیت نمبر 72۔
یہاں معاملہ عزتوں اور عصمتوں کی پاسداری اور حفاظت اور ہتک عزت کا بدلہ بھی مقصود ہے، ذرا اسلامی تاریخ اور شریعت کی جھلک ملاخطہ ہوا۔
"غزوہ بنی قنیقاع کیوں ہوا تھا؟ فتح الجواد میں سورہ حشر کی تفسیر میں پڑھ لیں، مسئلہ ایک مسلمان خاتون کے دوپٹے کا تھا اور کشمیر میں تو ہزاروں عزتیں پامال ہیں۔" وہ بولتے ہوئے تھکا نہیں تھا بس ٹھہر گیا تھا، شاید اپنی بات کا اثر دیکھنے کی چاہ میں اور گہرا سانس بھرتے از سرے نو آغاز کیا۔
"استخلاص وطن کی اہمیت پہ تھوڑی روشنی ڈال دوں، کافر مسلمانوں کی سرزمین پر قبضہ کرلیں بلکہ صرف قبضہ کرنے کے لئے چل پڑیں تو جہاد لازم ہو جاتا ہے یہ بات فقہ کی اکثر کتب میں لکھی ہے۔"
"اور دشمن غالب آ جانے کی صورت میں جہاد فرض ہے ہر شخص پر خواہ مالدار ہو یا مفلس اور علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ جامع عبارت کیا کہتی ہے۔"
"اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ جہاد میں ہر شخص کا نکلنا لازم ہے اور یہ اس وقت ہے جب

دشمن مسلمانوں کے کسی علاقہ پر قبضہ کر لے یا مسلمانوں کی زمین تک آ پہنچے اور جب ایسا ہو جائے تو اس علاقے کے تمام لوگوں پر دشمن کے مقابل نکلنا واجب ہو جاتا ہے، ہلکے ہوں یا بوجھل جوان ہوں یا بوڑھے ہر شخص پر اپنی طاقت کے مطابق نکلنا لازم ہے اولاد اپنے باپ کی اجازت کے بغیر اور کوئی بھی ایسا شخص پیچھے نہ رہے جو لڑ سکتا ہو یا میدان جنگ میں جا کر اپنے لشکر کی تعداد بڑھا سکتا ہو اگر اس علاقے کے لوگ اس مقابلے کے لئے کافی نہ ہوں تو ان کے قریب والوں پر لازم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے اس علاقے والوں پر تھا، اسی طرح ہر اس شخص پر جسے علم ہو کہ جہاد کرنے والے دشمن کے مقابلے میں کم اور کمزور ہیں اور وہ جا کر ان کی طاقت بڑھا سکتا ہے اور ان کی مدد کر سکتا ہے اس پر بھی نکلنا لازم ہے اور اگر دشمن مسلمانوں کے علاقے میں داخل نہیں ہوا مگر اس کے قریب پہنچ گیا ہے اس وقت بھی مسلمانوں پر دین کے غلبے اپنی زمین اور عزتوں کی حفاظت اور دشمن کو رسوا کرنے کے لئے نکلنا لازم ہے۔''

''اور واضح رہے، یہاں خاص کر یہ واضح رہے کہ کشمیر صدیوں تک اسلامی ریاست رہا ہے، جس پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا، تقسیم پاکستان کے اصول کے مطابق کشمیر پاکستان کے حصے میں آیا تھا جس پہ غاصبانہ قبضہ کیا گیا اور بے ایمانی سے فوجیں سرحد میں داخل کی گئیں، مزید ان لوگوں کو کیا کہا جائے جنہیں جہاد کشمیر کا شرعی ہونا سمجھ نہیں آتا یا پہلے تو سمجھ آتا تھا اب بھول گیا ہے، بعض لوگوں نے تحریک کشمیر کے بارے میں یہ موقف اپنا رکھا ہے کہ یہ زمین کی جنگ ہے، اسی اصولی موقف کی زد میں لا کر وہ نہ اس تحریک کو جہاد مانتے ہیں نہ اس کے مقتولین کو شہدا، مندرجہ بالا عبارت صاف بتا رہی ہے کہ زمین کی جنگ شرعی جہاد ہے ایسا جہاد جس میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر نکلنا ہوگا اور مزید عرض ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی زمین کے ٹکڑے کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو شریعت اسے بھی شہید کہتی ہے۔''

''جو شخص اپنی زمین (کی حفاظت) میں مارا گیا وہ شہید ہے۔'' النسائی۔

''تو مسلمانوں کی زمین کی خاطر اپنی جان نثار کرنے والا کیوں شہید نہیں، اور یہاں تو بات صرف زمین کی نہیں عزتوں کی حفاظت کی بھی ہے۔''

اپنے پیچھے چھوڑ آنے والے خط میں وہ ہر وضاحت کر آیا تھا اپنے اس اقدام کی اور ان وضاحتوں میں کہیں بھی زینیہ کے حوالے سے کوئی ایسی بات تو کجا جسے وہ حوصلہ افزا سمجھ سکتی اس کے سرے سے تذکرہ بھی نہیں تھا اور اب وہ خالہ کے سامنے بیٹھی تھی، یاس زدہ ملول۔

جو اس کے اس طرح گھر چھوڑ آنے کے فیصلے پہ مضطرب تھیں اور ہر صورت اسے واپس بھیجنے پہ آمادہ بھی، مگر اس کی دھمکیوں نے اسے بے بس کیا ہوا تھا۔

''اگر آپ نے کسی کو کچھ بھی میرے متعلق بتایا تو میں آپ کے سامنے اسی وقت خود کو شوٹ کر لوں گی، یہ دیکھیں، میرے پاس ہر طرح کی تیاری ہے۔'' ثبوت کے طور پہ اس نے اپنا بیگ کھول کر نیند کی وافر مقدار میں گولیاں یہاں تک کہ مہلک قسم کے زہر کی شیشی بھی دکھلا دی تھی۔

''اگر آپ نے مجھ سے دغا کیا اور میرے گھر اطلاع کی تب یہ ہوگا کہ میں آپ کے سامنے مر تو جاؤں گی مگر واپس نہیں جاؤں گی مگر یاد رہے کہ میری موت کی ذمہ دار آپ ضرور ٹھہریں گی۔''

وہ ایسی ہی تھی، ہٹ دھرم شروع سے بھلا اگر ایسی نہ ہوتی بے حس تو والدین کو ایسا زخم دے کر بھی یہ قدم اٹھاتی ہوتی، شادی میں رخنہ بھی خود ڈالا اور اب یہ خودسری کے مظاہرے بھی شروع کر دیئے تھے، خالہ تو بے بس بیٹھی تھیں، ایک تو اشعر کی یہ جدائی اس پہ زینیہ کی اس قسم کی بدمعاشی نے ان کے حواس بالکل مختل کر کے رکھ دیئے تھے، وہ بس حیران پریشان ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھے جا رہی تھیں۔

''آپ نے اسے روکا کیوں نہیں؟ وہ میرا بچپن کا منگیتر تھا، ذہن و دل پہ اس کے نقش اترے تھے، میں کیسے کسی اور سے شادی کر سکتی تھی۔'' وہ رو بھی رہی تھی تو انہیں الزام دیتے ہوئے۔

''تم شادی ہو لینے دیتیں، بیٹی تمہاری خاطر ہی ہو سکتا ہے وہ باز آ جاتا اس امر سے۔'' خالہ کے جواب نے زینیہ کو مزید بدگمان کر ڈالا۔

''آپ لوگوں کو ضرورت کیا تھی بچپن میں رشتے ناطے طے کرنے کی؟''

ایک نیا اعتراض سامنے آ گیا، خالہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں، اس لڑکی سے جیتنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

''یہ تو اب ایک بے کار بحث ہے، اب تم مجھے اپنا مقصد بتاؤ، یہاں تو نہیں رکھ سکتی ایسے میں تمہیں، اپنے والدین کا کچھ خیال کر لو، کتنے پریشان کر آئی ہو تم انہیں۔'' انہیں جھنجھلاہٹ گھیرنے لگی تھی۔

''میں آپ کے پاس رہنے بھی نہیں آئی، آپ مجھے بس اشعر کا پتا دے دیں، میں خود اس کے پاس جاؤں گی، دیکھتی ہوں کیسے نہیں رکھتا مجھے، کیسے شادی نہیں کرتا۔'' اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں بات کرتی وہ خالہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے حلقوں سے باہر نکال لائی، انہیں لگا وہ پاگل ہو گئی ہے۔

''دیکھو بیٹی، وہ نوکری کے لئے گھر سے نہیں نکلا کہ میں تجھے اس کا پتا بتا دوں، ارے جس دن کا گیا اس نے تو پلٹ کر ایک فون نہیں کیا، کہہ گیا تھا، مجھے بھول جائیں، خدا کی راہ پہ دی جانے والی چیزوں کا بعد میں دھیان کرتے ہیں نہ انہیں یاد ہی۔'' اب خالہ کا ضبط جواب دے گیا منہ پہ دوپٹہ ڈال کر سسکیاں بھرنے لگیں، سب سے بڑی اولاد تھی، سب سے زیادہ ناز اٹھوائے تھے، سب سے زیادہ اسے ہی چاہا تھا، جانے کیا دل میں سمائی کہ جدائی کا کبھی نہ مٹنے والا زخم دے گیا، وہ تو اس کی شادی کے خواب دیکھتی تھیں، اس کی اولاد کی چہکاریوں سے گھر کا گوشہ گوشہ پھر سے آباد ہوتا دیکھنے کی خواہش مند تھیں، وہ یہ کیسا کام کر گیا تھا، گھر ہی سونا کر گیا ان کے دل کی طرح۔

''فون نمبر دے دیں، میں خود ٹرائی کروں گی۔'' زینیہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھی، خالہ کو اب غصہ آنے لگا۔

''اے بی بی، اس کا فون بند ہے۔'' انہوں نے جھلا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے، زینیہ کو مگر یقین نہ آیا، شک بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

☆☆☆

ہم نشیں آؤ چلیں

ہو رہی ہے گہری شام
اور دل ناشاد میں
جاگ اٹھتے ہیں وہ زخم
جن سے رستے ہے لہو
ہم نشیں آؤ چلیں
اس بھری دنیا سے دور
اپنی وحشت کو سمیٹے
اس بھری خلقت سے دور
ہم نشیں یہ زندگی بھی بوجھ ہے
ہم اسے مل کر اٹھا سکتے نہیں
یہ سفر بھی ایک ایسا راز ہے
جو کسی کو ہم بتا سکتے نہیں
ہم نشیں چلتے رہیں
چلتے رہیں
اس کنارے زندگی کی شام ہے
گر کوئی آواز ہم کو روک لے
سن کے اس آواز کو چلتے رہیں
میں نے اپنے درد کو سمجھا نہیں
تم نے اپنی بے بسی کو پالیا
ہم نشیں آؤ چلیں
چلتے رہیں
چلتے رہیں

اتنا بڑا گھر اور سنسان، ملازمہ جو جھاڑو پوچا کرنے آتی برتن بھی دھو دیتی کپڑے بھی استری بھی کر جاتی، ان کی بوڑھی ہڈیوں میں اب اتنا دم نہیں تھا کہ سارے کام سنبھالتیں، ہاں کھانا خود پکاتیں اور دل سے پکاتیں، ہر روز دعا لبوں پہ رہتی آج سلو ضرور آ جائے، اس کی پسند کی نہاری ہے۔

کبھی چپلی کباب بناتیں تو آنکھیں بھیگنے لگتیں، ان کے بیٹے کو کتنے پسند ہیں، پائے پکاتے ہوئے تو ایسا دل بھراتا کہ خود کھا بھی نہ سکتیں، اس کا انتظار کرتی رہ جاتیں مگر وہ آتا نہ، فون اس کا قسمت سے کبھی لگتا ورنہ اکثر و بیشتر بند ہی ملا کرتا۔

وہ ماں تھیں دل سنبھالنا مشکل تھا، اس کے سدھار کی دعائیں مانگتیں، حاجت مانتیں، مناجات کیے جاتیں، مگر آزمائش ختم نہ ہوتی تھی، اگر کسی دن قسمت سے گھر آ جاتا تو اسے دیکھتی ان کی آنکھیں نہ تھکتیں، خواہش یہی تھی اس کی شادی کر دیں جسے گھر اور ماں کی چاہت نہ باندھ سکی

بیوی اور اولاد کی کشش گھر لانے کا سبب بنتی رہے گی مگر...... وہاں اس نے خود انکار کروا دیا۔
اب عصر کے بعد سے ملازمہ واپس چلی گئی تھی، خالی گھر انہیں کاٹنے کو دوڑتا رہتا، کبھی لائٹیں جلاتیں پورے گھر میں پھرتیں، کبھی بند کرتیں کہ مغرب کے بعد اگر اضافی لائٹس بند نہ کی جاتیں تو سلو کے ابا بہت خفا ہوتے تھے، صاف جتاتے۔
''بل میری جیب سے جاتا ہے، نہ تیرا وہ اشتہاری بیٹا بھرتا ہے نہ تیرے پچھلے۔''
ان کی پوری کوشش ہوتی انہیں ناراض کرنے والا کوئی کام نہ ہو مگر وہ بھی ایسے مستقل مزاج تھے کہ ناراضگی کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش ضرور کر لیتے۔
دروازے پہ بیل ہوئی تو ان کے یاس زدہ خیالات میں رخنہ پڑا، گھٹنوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈالتی ہوئی وہ آہستگی سے اٹھیں، سلو کے ابا نے آج معمول سے دیر کر دی تھی۔
''کون ہے؟'' انہوں نے عادتاً پوچھا ساتھ ہی دروازہ کھول دیا مگر سامنے لخت جگر کو دیکھ کر ایسی نہال ہوئیں کہ وہیں اس کے چوڑے مضبوط سینے سے لگ گئیں۔
''میرا شہزادہ، گھر کی راہ کیسے بھول گیا؟'' گلہ کرتے خود بخود آبدیدہ ہو گئیں۔
''آپ سے تو کہتا ہوں آ جائیں میرے گھر، روز رخ روشن کا نظارہ کر لیا کریں، یہاں کیسے آؤں کہ آپ کے شوہر کو میرا یہاں آنا گوارا نہیں۔'' سرسری سا انہیں لپٹا کر خود سے الگ کرتا وہ خود آگے بڑھ گیا، انہوں نے سرد آہ بھری۔
''کھانا تو نہیں کھا کے آئے، دم کے کباب بنائے ہیں، ساتھ میں پلاؤ۔'' ان کی ترنگ ہی بدل گئی تھی بیٹے کو دیکھ کر۔
''چھوڑیں کھانا وانا، ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔'' لاؤنج میں پہنچ کر صوفے پہ بیٹھ چکا تھا، ان کا بھی ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھا لیا۔
''جتنی مرضی کرنا باتیں بیٹے، مگر کھانا تو کھاؤ پہلے کہ......''
''اماں آپ چاہتی ہیں نا میری شادی کروا دیں؟'' اس نے ان کی بات کاٹی، اماں ایک دم یاس زدہ ہوئیں۔
''مگر تو مانے تب۔''
''سمجھیں میں مان گیا، یہ آپ کی بہو سلیکٹ کر لی ہے میں نے کل ہی رشتہ لے جائیں اس کے گھر، اور بھلے کل ہی نکاح پڑھوا دیں، سلمان تو تیار ملے گا آپ کو۔'' اس نے ہنستے ہوئے جیکٹ کی جیب سے موبائل نکال کر کچھ بٹن دبائے اور پھر ان کے سامنے کر دیا، انہوں نے اشتیاق کی شوق کی لہروں میں بہتے بے تابی سے سکرین کی جانب دیکھا مگر اگلا لمحہ ان پہ بے حد بھاری ثابت ہوا تھا، جس چاند چہرے ستارہ آنکھوں والی لڑکی کی تصویر سلو انہیں دکھا رہا تھا وہ کوئی اور نہیں عمامہ تھی، وہی عمامہ جسے ان کے رشتہ ڈالنے پہ سلو بنا دیکھے رد کر چکا تھا، ان کا دل گھبرایا اور سر چکرانے لگا، انہیں لگا وہ بے ہوش ہو جائیں گی۔

(جاری ہے)

ولی

مریم ماہ منیر

''اب تمہاری باری ہے، تم بتاؤ۔'' ہاتھ میں پکڑے چپس کے پیکٹ میں سے چپس نکال کر منہ میں ڈالتے ہوئے سنبل نے اس سے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں۔'' اس نے سوالیہ انداز میں سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہی جو تمہارے دل میں ہے۔''

''میرے دل میں، میرے دل میں، کیا بتاؤں؟'' کچھ سوچتے ہوئے وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''Come on اب یہ نہ کہنا کہ تم نے کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔'' وہ چاروں اس وقت ہوسٹل کے ایک کمرے میں رات کے تین بجے لحاف میں بیٹھی چپس کھا رہی تھیں، صبح ہی سمسٹر کا لاسٹ پیپر دیئے وہ فارغ تھیں۔

''چائے پیتے ہیں۔'' سامعہ نے چٹکی بجاتے ہوئے آئیڈیا دیا۔

''اس وقت۔'' سامعہ کی بات پر عالیہ نے ریڈنگ ٹیبل پر رکھی ٹیبل کلاک کو دیکھا جس کی سوئیاں رات کے تین بجا رہی تھیں۔

''اچھا میرے لئے دودھ الائچی والی۔'' عالیہ بولی۔

''الائچی والی۔'' سامعہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ جواباً بولی۔

''پی لو گی۔'' سامعہ دوبارہ بولی کہ وہ جانتی تھی کہ اسے الائچی چائے پسند نہیں ہے۔

''آدھی رات کو الگ الگ کہاں بناؤ گی، اکٹھی بنا دو، ہم تینوں پی لیں گے۔''

مکمل ناول

''اوکے یہ تو کام آسان ہوگیا۔'' وہ جوش کہتے ہوئے لحاف اتار کر بیڈ سے اتری تھی، کمرے کے ایک کونے میں پڑے برنر اور اس کے قریب ٹیبل پر دھرے چائے کے سامان سے بھرے پلاسٹک کے ڈبوں کی جانب بڑھی۔
چند منٹ پہلے ہی سنبل نے اپنے طور پر ایک دلچسپ ٹاپک چھیڑا تھا۔
''Ok girls lets start convensatin with an intersting questin۔''
''انگریزی دان، اردو میں بات کر، ہاضمہ خراب ہو جائے گا اتنی انگریزی سے۔'' عالیہ منہ میں چپس ڈالتے، سنبل کر ٹوکتے بولی۔
''ہوں چلو ہم سب بتاتے ہیں بلکہ شیئر کرتے ہیں کہ ہمیں زندگی گزارنے کے لئے کیسا لائف پارٹنر چاہیے۔''
''عالیہ تم بتاؤ، تم سے شروع کرتے ہیں۔'' سامعیہ نے پوچھا۔
''جس کے سر پیر دو کان، دو بازو ہوں۔'' عالیہ نے مذاق میں بات اڑائی اور ساس پین میں قریب ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی ڈالتے ہوئے برنر آن کئے سامعیہ نے ساس پین اس پر رکھا۔
''مذاق نہیں عالیہ، سیریس ڈسکشن ہے۔'' سامعیہ نے گھر کا۔
''Obveocisly۔'' سنبل بولی۔
''ویسے مجھے تو گڈ لکنگ جیسے جان ابراہم، چارمنگ جیسے رندھیر، ڈشنگ، جیسے سلیمان خان۔''
''چلو جی اس نے تو فلم چالو کردی، بالی وڈ کی دیوانی۔'' عالیہ کے جواب پر سامعیہ نے سر پیٹنے والے انداز میں کہا۔
''مذاق اڑانا بہت آسان ہے میڈم، تم بتاؤ۔'' عالیہ نے اس کے جواب پر منہ بناتے ہوئے جواباً اس سے سوال کیا۔
''مرد کی شکل سے کیا لینا دینا، پیسہ ہونا ضروری ہے۔'' کندھے اچکاتے ہوئے جواب آیا۔
''Sreaw boy is all about luxuries۔'' اس مرتبہ جواب سنبل کی جانب سے آیا۔
''ہاں تم نے بتایا نہیں۔'' عالیہ واپس اس کی جانب چہرہ موڑے سوالیہ انداز میں بولی۔
''کبھی سوچا نہیں۔'' وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولی۔
''How could it be possible۔'' عالیہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اعتراض کیا۔
''نہ کرو یقین، میں کیا کر سکتی ہوں۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔
''نہیں یقین یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم نے کبھی اپنے ہونے والے لائف پارٹنر کے بارے میں سوچا ہی نہ ہو۔'' عالیہ سرے سے اس کی بات ماننے کے موڈ میں نہیں تھی۔
''نہیں سوچا۔'' دوٹوک انداز میں ہنوز لہجہ تھا۔
''یار یہ فیک Statement کسی اور کو دینا، ہم تمہاری بات پر یقین کرنے والے نہیں۔'' سنبل نے بھی عالیہ کی بات پر اتفاق کیا۔
''کبھی تو سوچا ہوگا کہ کون ہوگا، جس سے شادی ہو گی، کیا کرتا ہوگا، اس کی ہابیز کیا ہونگیں کچھ تو سوچا ہوگا اس کے لائف اسٹائل کے بارے میں۔'' اس مرتبہ بولنے والی سامعیہ تھی جو کپوں میں چائے ڈالتے ہوئے بولی۔
''لائف اسٹائل۔'' کلثوم کچھ رک کر بولی۔

''اس کے لائف اسٹائل تو نہیں ہاں البتہ اپنے لائف اسٹائل کے بارے میں ضرور سوچا۔''
''چلو کچھ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔'' سنبل نے اس کے جواب دینے پر شکر کا کلمہ پڑھا تھا، عالیہ بے ساختہ ہنسی۔
''جلدی سے بتاؤ۔'' عالیہ کے انداز میں بے تابی تھی۔
''بتانا ضروری ہے؟'' وہ ہچکچائی۔
''جب سب بتا رہے ہیں تو تمہیں نہ بتانے کا شوق کیوں چڑھا۔'' سنبل کا اعتراض بجا تھا۔
''اچھا، تو پھر جو کہوں گی یقین کرو گے۔'' کلثوم کچھ رک کر بولی۔
''یہ تمہارے جواب پر منحصر ہے۔'' عالیہ دوبدو بولی۔
''اور یقین کرنا۔'' پرسوچ انداز لئے کلثوم بولی۔
''ہماری سوچ پر۔''
''ہونہہ زندگی میں کچھ ہو نہ ہو، سکون ہونا چاہیے، اور سکون کے لئے پیسہ ہونا ضروری ہے۔'' بالآخر کلثوم بولی۔
''سکون، پیسہ، ہی نہیں ایک اور چیز بھی ہے۔'' اس مرتبہ جواب سنبل کی طرف سے آیا تھا، سنبل کے جملہ مکمل کرتے ہی اس نے جیسے تڑپ کر نگاہ اٹھائی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات میں سختی کی رمق در آئی تھی۔

☆☆☆

دائیں گال پر پڑنے والے تھپڑ نے اسے صحیح معنوں میں دن میں تارے دکھا دیئے تھے، سجاد صاحب کے چہرے پر چھایا غصیلا پن اس کے اعصاب پر کسی پہاڑ کے بوجھ کی مانند گرا تھا، رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت تھا جب اس نے گھر کے لکڑی کے دروازے کا پٹ کھولے۔

پچھلے ایک ماہ سے اس کی یہی روٹین تھی وہ لیٹ نائٹ گھر آنے کا عادی ہو چکا تھا اور اس کی چھوٹی بہن صائمہ دروازہ کھولنے کی ماہر، گزشتہ شب کی طرح صائمہ نے بھائی کی محبت میں دروازے کی زنجیر احتیاط سے کھول دی تھی۔
سجاد صاحب عشاء کی نماز مسجد میں پڑھنے کے عادی تھے، فروری کی راتوں میں جب موسم سرد سے گرما میں تبدیل ہو رہا تھا، دن طویل ہونے کے ساتھ عشاء کی نماز کے اوقات میں بھی فرق پڑا تھا، عشاء کی نماز سے وہ لوٹے تو معمول کے مطابق مین گیٹ کو کنڈی لگا کر سونے چلے گئے، ان کے خیال میں ولی گھر میں موجود تھا، اس کے سونے پر صائمہ کمرے سے خاموشی سے نکلی، دبے پیر لاک کھول کر واپس مڑی کہ سجاد صاحب کو سامنے دیکھ کر وجود برف کی مانند اپنی جگہ منجمد ہو گیا، خشمگین نگاہوں سے سجاد صاحب نے اسے سر تا پیر دیکھا۔
''وہ...... وہ بھائی...... ولی نے آنا تھا...... تو...... وہ...... میں۔'' وہ ہکلائی۔
''کب سے چل رہا ہے یہ سب۔''
''نہیں ابا جان، آج پہلی بار۔'' اسے سمجھ نہیں آیا وہ ان کی بات کا کیا جواب دے۔
سجاد صاحب کی نگاہیں، اس کے حلق سے نکلتے الفاظ کا گلا گھونٹنے کو کافی تھیں۔
''میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔''
''ایک ایک ماہ سے۔'' وہ صحیح معنوں میں ہکلائی تھی لیکن سچ بولنے کے علاوہ چارہ نہیں تھا۔
''تم اندر جاؤ۔'' سنجیدگی سے سجاد صاحب نے کہا۔
اس نے موقع غنیمت جانا، وہ تیزی سے کمرے میں چلی آئی، کمرے میں آتے ساتھ ہی اس نے برق رفتاری سے موبائل پکڑ کر ولی کا نمبر

ڈائل کیا، بیل جا رہی تھی لیکن وہ فون اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔

"اٹھا لو، ولی بھائی۔" سرگوشی کے انداز میں کہتے اس نے تیسری مرتبہ پھر سے ڈائل کا بٹن پریس کیا۔

"اٹھاؤ، ولی بھائی۔" چوتھی مرتبہ رنگ ڈائل پر اسے نے کال اٹینڈ کی تھی۔

"ہاں صائمہ، میں دروازے پر ہوں۔"

"آپ کو کب سے کال کر رہی ہوں آپ اٹھا نہیں رہے۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"کنڈی کھلی ہے دروازے کی، میں آ رہا ہوں بلکہ آ گیا۔"

"ابھی نہ آئیں، ابا جان کو خبر ہو گئی ہے کہ آپ ابھی گھر سے باہر ہیں وہ بہت غصے میں ہیں۔" وہ تیزی سے بولی تھی لیکن اسے بولنے میں دیر ہو چکی تھی۔

"اور کچھ جو کہنا ہو تم کو۔" سجاد صاحب کی آواز ائیر پیس پر ابھری۔

صائمہ کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہوا تھا، اس کے ساتھ ہی اسے تھپڑ کی گونج سنائی دی، وہ سناٹے میں رہ گئی تھی۔

"سگریٹ پی کر آئے ہو؟"

"نہیں ابا جان۔" اس جواب کے ساتھ ہی ان کا ہاتھ اٹھا تھا اور ولی کے گال پر انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

"کب سے اس لعنت میں پڑے ہو۔"

"وہ...... غلط...... غلطی ہو گئی۔" بے ساختہ ہی اس کی زبان سے نکلا تھا۔

"خالی ہیں یا چرس بھرے ہیں۔"

"جی۔" وہ ان کے سوال پر حیران ہوا۔

"جو بکواس کی ہے اس کا جواب دو۔"

"خالی سادہ۔"

"آپ چھوڑیے، اندر چلے۔" زلیخا بیگم صحن میں شور سن کر کمرے سے باہر نکلیں تو چند لمحے انہیں باپ بیٹے کے مابین ہونے والی گفتگو کو سمجھنے میں لگے۔

"تم چپ رہو، تمہاری شہ پر ہی یہ دن دیکھ رہا ہوں۔" زلیخا بیگم سجاد صاحب کا بازو تھامے اندر کمرے میں لے گئیں اور وہ وہیں دروازے پر کھڑا ہکا بکا یک دم پڑنے والی افتاد پر حواس باختہ تھا۔

"ولی بھائی۔" اس نے صائمہ کی آواز سنی۔

"آپ اندر بھی آ جائیں۔" وہ دروازے کو بند کرتی بولی تھی۔

"تم فون نہیں کر سکتیں تھیں۔"

"میں؟" ایک لمحہ کو حیران ہو کر اس نے ولی کو دیکھا پھر کچن کی جانب خاموشی سے قدم بڑھا دیئے۔

"ہاں کیا پوچھا ہے میں نے، کچھ بکواس کر دیتیں تو، یہ سب نہ سہنا پڑتا۔" وہ اس کے پیچھے چلا آیا، اس نے فریج سے سالن نکال کر چولہا جلاتی صائمہ پر اپنا غصہ انڈیلا۔

"آپ کو اپنے دوستوں سے فرصت ملتی تو آپ موبائل چیک کرتے۔"

"تم میرے دوستوں کو بیچ میں مت لاؤ جو پوچھا ہے اس کا سیدھا سیدھا جواب۔"

"تین مرتبہ کال نہیں اٹھائی، چوتھی مرتبہ کال ریسیو کی تب تک دیر ہو چکی تھی، آپ کا ابا جان سے سامنا ہو چکا تھا اور یقیناً آپ کے ہاتھ سے ہی ابا جان نے موبائل پکڑ کر مجھے جواب دیا۔"

"میسج ہی کر دیتیں۔"

"کال پر تو ہاتھ میں پکڑا فون نہیں ریسیو کر رہے تھے، میسج خاک پڑھتے۔" دوبدو صائمہ

بولی۔

"اچھا خاصا دوستوں کے ساتھ انجوائے کر کے آیا تھا، ابا جان بھی نہ جانے کس صدی میں رہتے ہیں۔" ولی الجھ کر جیسے خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"ولی بھائی، آپ ہی کے بھلے کو۔"

"یار اب تم لیکچر نہ شروع کر دینا، پہلے ہی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ولی نے صائمہ کی ادھوری بات سے معانی اخذ کرتے ہی اسے ٹوکا۔

"چائے پینی ہے۔" صائمہ نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"بنا دو، پی لوں گا زہر۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس کو چائے کھانے کا پوچھنے کی، جن دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کر کے آیا ہے انہیں ہی کہنا تھا کھانا کھلا کر بھی بھیجتے۔" سجاد صاحب کی بات پر اس نے سامنے پڑی پلیٹ کو ہاتھ سے دور ہٹایا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"بھائی کھانا تو کھالیں۔"

"ابا جان کو کہو رکھیں یہ کھانا اپنے پاس، بلکہ ذخیرہ کریں، ان کے بڑھاپے میں کام آئے گا۔" وہ کچن سے تن فن کرتا نکلا تھا۔

صائمہ نے چند لمحوں بعد زلیخا بیگم کو کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔

"اماں یہ باپ بیٹا ایک جیسے ہیں۔"

"چپ کرو تم، دیکھ نہیں رہیں، تمہارا باپ غصے میں ہے۔"

"تو میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم تو ایسے انجان بن رہی ہو جیسے تمہیں خبر ہی نہ ہو۔" زلیخا بیگم نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا، ان کی بات پر بے ساختہ ہی صائمہ نے نظریں چرائیں۔

"ابھی تمہارے ابا نے تمہیں کچھ نہیں کہا، آئندہ خیال رکھنا۔" وہ جواب میں خاموش رہی، جانتی تھی ابا کے مزاج کو اور اماں نے بھی کچھ غلط نہ کہا تھا۔

"کہاں لے جا رہی ہو۔" زلیخا بیگم اسے ٹرے میں چائے کا مگ دھرے کچن سے باہر نکلتے دیکھ کر بولیں۔

"بھائی کے لئے۔"

"وہ نہیں پیئے گا، لاؤ مجھے دو۔" زلیخا بیگم نے چائے کا بھرا مگ پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا۔

"سنو کچھ کھایا ہے اس نے۔" ابھی جواب میں وہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ زلیخا بیگم کی نظر پلیٹ پر ادھورے چھوڑے کھانے پر پڑی۔

"یہ وہ کھانا چھوڑ کر گیا ہے۔" انہوں نے سرسری انداز میں چائے کا سپ لیتے ہوئے پوچھا، جواب میں صائمہ نے اثبات میں سر ہلایا، زلیخا بیگم پلیٹ قریب کھسکا کر ولی کی چھوڑی روٹی چائے میں بھگو کر کھانے لگیں تھیں۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا، خود سے بے زار، اس سے کہیں زیادہ وہ اپنے ماحول سے بے زار تھا۔

"پتہ نہیں کون سی آسائشیں دیے رکھی ہیں ابا نے اپنی اولاد کو جو یوں باپ ہونے کا رعب جمائے پھرتے ہیں۔" اس وقت غصے نے اس کے جسم میں آگ لگائی ہوئی تھی۔

"یہ چارپائی، لکڑی کی تھرڈ کلاس ٹیبل، دیوار پر لگا آئینہ، پرانی آفس میز، ڈبہ کمپیوٹر، ابا کو لگتا ہے انہوں نے مجھے ہفت اقلیم کی دولت دے رکھی ہے۔" ابا کا لگایا تھپڑ اب سے گال پر جلن کر رہا تھا۔

"لگریز تو سمیر کے ڈیڈ نے دے رکھی

ہیں، کتنا خوبصورت سجا ہوا بیڈ روم ہے اس کا، یہ ٹاپ Wooden بیڈ، مخملی پردے، ایل سی ڈی آئی فون، لیپ ٹاپ، وہ بھی ایپل۔" اپنے کمرے کا موازنہ سمیر کے کمرے سے کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں کمرے کی چیزوں کو گنوایا تھا اور پھر اس کے ڈیڈ کی personalty کتنی زبردست ہے، ایک کسک لئے اس نے سوچا تھا، ایک حسرت تھی اس کے دل میں، جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا، دل میں شدت سے خواہش ابھر لی تھی کہ کاش ابا بھی ویسے ہی ہو جاتے، دھیمے مزاج، خوش اخلاق۔

"کیا جاتا اماں کا جو ابا کو نہ بتائیں۔" یک دم ہی اس کا دل ماں سے بدگمان ہوا تھا، اس کے غصے کا رخ زلیخا بیگم کی جانب ہو گیا تھا، آج صبح اس کی ابا کی غصے بھری آواز سے آنکھ کھلی تھی۔

"اماں، کیا ہوا ہے ابا کو صبح صبح۔" وہ زلیخا بیگم کو ڈھونڈتے ہوئے کچن تک چلا آیا۔

"صبح ہی صبح ابا کا ہائی گریڈ پارہ کیوں چڑھا ہوا ہے۔" زلیخا بیگم کو چولھے کے پاس کھڑے توے پر روٹی سینکتے وہ دیکھ کر بولا۔

"تیرے لئے پریشان ہیں۔" اس کی جانب نظر کئے بنا انہوں نے دلی کی بات کا جواب دیا۔

"اماں، میں نے غصے کی وجہ پوچھی ہے۔"

"وہی بتا رہی ہوں۔"

"یہ کیسی پریشانی اولاد کی خاطر کہ اسے ہی غصے میں کوسے چلے جا رہے ہیں۔" وہ چولھے کے قریب رکھے ہارٹ پاٹ میں سے روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے بولا۔

"تو نہیں سمجھے گا۔" سرگوشی کے انداز میں اس نے ماں کو کہتے سنا۔

"ہونہہ۔" اس کے قریب آتے ہی زلیخا بیگم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے ناگواری سے ناک سکیڑا۔

"کیا ہوا اماں۔" زلیخا بیگم کے چہرے کے تاثرات بدلتے دیکھ کر اس نے سوال کیا۔

"تیرے ابا کو جس دن خبر ہوئی قیامت ہو گی۔" انہوں نے صاف الفاظ میں اسے خبردار کیا۔

"کیا پتہ چلے گا۔" وہ کنفیوز ہوا۔

"ایک مہینے سے دیکھ رہی ہوں، ابھی کالج جاتے تجھے دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو اپنی جان کو یہ روگ لگا لیا ہے۔"

"نہ اماں توبہ میری جو کسی عشق و عاشقی کے چکر میں پڑا ہوں۔" اس نے ازراہ مذاق بات کی۔

"بگڑنے لگا ہے خود کو سنبھال۔" ماں کو ہنوز معنی خیز لہجہ کو محسوس کرتے ہوئے وہ لمحے بھر کو کھٹکا۔

"اماں کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہیں۔"

"تیرے ابا گھر پر ہیں بولوں گی تو کہیں انہیں بھی سنائی نہ دے جائے، اسی لئے خبردار کر رہی ہوں، کپڑے دھوتی ہوں تیرے، سونگھ لیتی ہوں۔"

"اماں، آپ تو بہت تیز ہیں، میں تو ڈبیہ جیب میں بھی نہیں رکھتا۔" ماں کی بات سمجھتے ہوئے بے ساختہ ہی خفیف مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔

"ماں ہوں تیری، پالا ہے تجھے، تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔" زلیخا بیگم کا انداز ہنوز تھا۔

"ویسے ایک بات پوچھوں۔" وہ چوری پکڑے جانے پر بھی تھوڑا لاپرواہ بننے کی کوشش

میں تھا۔

"ہوں اگر نہ بھی بولوں گی تو، پوچھنے سے باز تھوڑی آئے گا۔" خفا خفا سے لہجے میں زلیخا بیگم بولیں، جانتی تھیں جوان اولاد کو روکنا آسان نہیں تھا۔

"آپ نے کبھی پی ہے جو آپ کو سگریٹ کے بارے میں اتنی انفرمیشن ہے۔" ولی کے لہجے میں شرارت تھی۔

"خدا تجھے ہدایت دیے، ماں سے اس قسم کا مذاق کرتے شرم نہیں آتی۔" وہ یک دم ہی بھتھے سے اکھڑی تھیں اس کی بات سن کر۔

"ماں سے شرم کیسی، شرم آئے جب دوسرے کی ماں سے مذاق کروں، آپ تو میری پیاری اماں ہیں۔" ہنستے ہوئے اس نے زلیخا بیگم کو بازوؤں کے حلقے میں لیا، اس کے اندازہ نہیں تھا کہ صبح ہنسی مذاق میں کی ہوئی بات رات میں اس کے لئے امتحان بنے گی۔

"یہ ساری قیامت اماں کی لائی ہوئی ہے، میں اماں کو اس بات کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا، سگریٹ ہی تو پیتا ہوں، کون سا برا سگریٹ پیتا ہوں، آج کل ہر دوسرے لڑکے کے ہاتھ میں سگریٹ نظر آتی ہے۔" وہ ذہن میں سوچتے ہوئے زیر لب بولا۔

"Its status symbol۔" اس نے یہ بات سوچ کر دل میں ابھرتے ہلکے سے پچھتاوے کا گلا گھونٹا تھا۔

"اللہ نے بھی مجھے اس گھر میں ہی پیدا کرنا تھا، ابا نہ تو خود زندگی میں آگے بڑھے نہ انہیں اولاد آگے بڑھتی برداشت ہوئی ہے، خود بھی ساری عمر مڈل کلاس کے کیڑے بن کر رہے مجھے بھی اپنے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔"

"ہائی کلاس موو کرنے کے بھی کچھ طور طریقے ہوتے ہیں، پہلے ہی میرے فرینڈز مجھے بچہ ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، کبھی کبھی تو بہت شرمندگی ہوئی ہے ان کے سامنے۔" ایک کے بعد ایک سوچ آ رہی تھی۔

☆☆☆

اس وقت سفیر ولا کے ایک کمرے میں تینوں لڑکے وجود تھے، جب وہ دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے۔

اس وقت وہ سفید کاٹن کی شرٹ اور بلیو جینز پہنے ہوئے تھا اس نے حیرت سے کمرے کے ماحول پر نگاہ ڈالی، ایک نظر میں ہی وہ کمرے میں موجود تینوں لڑکوں کو پہچان گیا تھا، پچھلے ایک ماہ میں اس کی ان تینوں لڑکوں سے دوسری ملاقات تھی، پہلی ملاقات میں وہ ان کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو پایا تھا اس کے باوجود تینوں کے بارے میں وہ اچھی طرح سے جانتا تھا، ان میں سے دو کا تعلق ایلیٹ کلاس سے تھا۔

پہلی ملاقات کے بعد ہونے والی دوسری ملاقات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی، پہلی ملاقات میں اس کا ان تینوں لڑکوں کے ساتھ بہت اچھا اور خوشگوار تجربہ نہیں رہا تھا۔

کمرے میں ایک دیوار کے ساتھ جہازی سائز کا اسٹیل راڈ کا ڈبل بیڈ تھا، باقی کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ فلور کشن رکھے ہوئے تھے، کمرے کی تیسری دیوار کے ساتھ چھت تک کھڑکی پر براؤن کلر کے جدید ڈیزائن کے پیچ پردے کمرے کی مکمل کلر پینٹ دیواروں سے میچ کر رہے تھے، کمرے کی شمالی دیوار کے ساتھ ایک میٹرس کے اوپر دیوار پر ایل سی ڈی لگی ہوئی تھی، اس وقت اس پر انگریزی گانوں کا چینل لگا ہوا تھا، جس میں ماڈل نیم برہنہ کپڑوں میں لہک رہی تھی۔

ایک لڑکا بلیو جینز جو گھٹنوں کے اوپر سے پھٹی ہوئی تھی بلکہ پھاڑی ہوئی تھی پہنے ایک فلور میٹرس پر نیم دراز ہاتھ کی انگلیوں میں دبی سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک لمبا کش لگا رہا تھا۔

دوسرا لڑکا ہاتھ میں بیئر کیس پکڑے دیوار کے ساتھ پچھلے فلور کشن پر دائیں کہنی کا سہارا لئے، دوسرے ہاتھ میں موبائل پکڑے پورن فلم ڈاؤن لوڈ کر رہا تھا۔

تیسرا لڑکا ونڈ اسکرین کے سامنے کھڑے باہر کے منظر پر نظریں جمائے ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے سگریٹ کا کش لگا کر دھوئیں کے مرغولے کمرے کی فضا میں بکھرے ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''یار اتنی دیر لگادی آنے میں۔''

''کوئلے پر تکے بھنتے دیر لگ گئی۔'' عثمان بولا۔

''اور یہ پھر تم ممی ڈیڈی، بچے کو ساتھ لے آئے ہو۔'' اس لڑکے کے خود پر کئے کمنٹس پر اس لڑکے کے ساتھ جو لڑکا کمرے میں داخل ہوا تھا قدرے خفیف ہوا۔

''ابھی نیا ہے ہو جائے گا عادی۔'' پہلے لڑکے کا انداز سرسری تھا۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو۔'' سمیر سگریٹ کا لمبا کش لگاتے کھڑکی کی جانب سے ہٹا۔

''لوئر مڈل کلاس چاہے جتنے بھی خود کو شو کریں سو کالڈ ویلیوز سے ساری زندگی نہیں نکل پاتے۔'' بیئر کا سپ لیتے لڑکے نے بے لاگ تبصرہ کیا، اس کی بات سن کر اس لڑکے نے اپنے وجود کو لمحے بھر کو سلگتے محسوس کیا تھا۔

''آئی تھنک اٹس انف، میرے خیال میں اس فضول سی بکواس کو بند کیے ہمیں گرم گرم تکے کھانے چاہئیں۔'' عثمان نے گھرکا تھا۔

''Sorry dear یہ میرے فرینڈز تھوڑے منہ پھٹ ہیں، ان کی باتوں کا برا نہ منانا، انہیں فضول ہانکنے کی عادت ہے۔'' وہ لڑکا پہلے لڑکے کی جانب دیکھ کر قدرے خفت بھرے لہجے میں بولا۔

ابھی نجانے کتنی دیر وہ اس کی مڈل کلاس ان تینوں لڑکوں کا موضوع گفتگو رہتی کہ اس کے ساتھ لڑکے نے کھانے سے بھرے شاپرز کمرے کے عین وسط میں پڑے سینٹرل ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

اس لڑکے نے دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔

''ویسے یہ بچہ تمہیں کہاں سے مل گیا۔'' کلیم بیئر کین ختم کر کے سیدھے ہوتے ہوئے بولا۔

چند لمحوں بعد ہی جیسے وہ دوبارہ سے ان کی گفتگو کی زد میں تھا۔

''Just shut up کلیم۔'' اس کی طرح، ان تینوں لڑکوں کا بھی اس سے ملاقات کا تجربہ اچھا نہیں تھا، تیسرا لڑکا خاموش تھا لیکن انداز میں ولی کے لئے ناپسندیدگی تھی۔

☆☆☆

''سگریٹ پیو گے؟'' وہ اس کی ان لڑکوں سے تیسری ملاقات بھی جب ویک اینڈ وہ باہر رات کا کھانا کھانے کی غرض سے نکلے تھے، ایک مقامی ڈھابے سے مٹن کڑاہی کھانے کے بعد وہ سب گپیں مار رہے تھے کہ سمیر نے یکدم ہی سگریٹ کی ڈبیہ اس کے سامنے کی۔

''No thanks۔'' وہ قدرے جھجکا۔

''پی کر دیکھو اچھا لگے گا۔'' کلیم خاصے لاپرواہ انداز میں بولا۔

''نہیں مجھے پسند نہیں۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"ٹرائی کرو گے تو پتہ چلے گا پسند آئی یا نہیں۔" وقار بولا تھا۔

"کیوں Insist کر رہا ہے، وقت دو اسے۔" عثمان نے باری باری تینوں کی جانب دیکھتے ہوئے جیسے ولی کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کی۔

"جب یہ ہماری سوسائٹی موو نہیں کر سکتا تو کیوں لاتا ہے اسے ساتھ میں۔" ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی سمیر کے لہجے میں ولی کے لئے ناگواری تھی۔

"سیکھ جائے گا، آہستہ آہستہ۔" عثمان نے سمیر کا بگڑا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارا باپ کیا کرتا ہے۔" اس مرتبہ پوچھنے والا وقار تھا۔

"گورنمنٹ اسکول کے پرنسپل ہیں۔" مختصر الفاظ میں ولی نے اس کی بات کا جواب دیا، اس ملاقات کے بعد آنے والی اگلی ملاقات میں

"تو ایسے ہی ٹینشن لے رہا ہے، تھوڑی دیر میں سو جائے گا تو سیٹل ہو جائے گا۔" وقار کے جواب میں عثمان نے ولی کی بند ہوتی پلکوں کو دیکھا تھا، کچھ دیر میں ہی وہ نشے میں نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔

☆☆☆

وہ جس کھائی میں پھسلا تھا تو پھر اس کی گہرائیوں میں پھسلتا ہی چلا گیا۔

تین ماہ پہلے وہ جو سگریٹ پینے سے انکاری تھا، محض تین ماہ کے قلیل عرصہ میں وہ چین اسموکر بن چکا تھا۔

تین ماہ پہلے زندگی کا سگریٹ کا کش چرس بھرا تھا اور اب جیسے اسموکنگ اس کی روٹین میں شامل تھی، اگر کوئی اس سے پوچھتا تو وہ کہتا اسے سگریٹ پسند نہیں اور یہ حقیقت بھی تھی کہ تین ماہ بعد بھی وہ چاہتے ہوئے پھیپھڑوں کو سگریٹ کے دھوئیں کے ذائقہ سے پسند نہیں کروا سکا تھا اس

وہ جس علاقے میں رات کے اس پہر تماش بین کے بھیس میں موجود تھے، وہاں عورت بکتی ہے، یہاں مرد کا رشتہ دادا، نانا، باپ، بھائی، بیٹے کا نہیں ہوتا، ہر رشتے میں وہ فقط ایک ہی لفظ سے پہچانا جاتا ہے۔

''دلال۔''

اس علاقے کے ہر گھر کے ہر کوٹھے پر رہنے والا مرد، دلال اور ہر عورت طوائف کہلاتی ہے۔

''بابو صاحب، یہ چھورا کون ہے، نیا لگتا ہے۔'' اب وہ عورت اس لڑکے سے اس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

''ہاں دل آراء، دوست ہے اپنا، پہلی بار آیا، امید ہے آتا جاتا رہے گا۔''

''ہونہہ...... جگ جگ جیو۔'' گہری اچٹتی نگاہ اس پر ڈالے وہ عورت بولی۔

چند منٹ گزرتے ساتھ ہی تیرا چودہ سال کی عمر کے لگ بھگ سرخ فراک میں ملبوس لڑکی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''سلام کر صاحب آئے ہیں، تیرے بھاگ جاگ اٹھے ہیں۔'' دل آراء کے کہنے پر اس نے سر جھکائے ہاتھ ماتھے تک لے جائے کچھ اس انداز سے سلام کیا کہ اس نے ناگواری سے اس لڑکی پر نگاہ ڈالی اور نگاہ پھیر لی۔

''اجنبی ہے۔'' سمیر اس لڑکی پر نظر ڈالتے اسے پرکھتے بولا۔

''نہ صاحب فنکار ہے۔'' وہ لوگ صبح چار بجے تک وہیں کوٹھے پر رہے، واپسی پر عثمان نے اس پر بے لاگ تبصرہ کیا تھا۔

''یار سمیر، تو نے سچ ہی کہا تھا، یہ دلی تو بچہ ہے۔'' اپنی ذات کو زیر بحث دیکھ کر اس نے خاموشی سے گاڑی کے باہر کے منظر پر نگاہیں لگا دیں۔

اس وقت صبح کے ساڑھے چار بجے کا وقت تھا۔

''مجھے گھر اتار سکتے ہو؟'' اپنے ساتھ بیٹھے عثمان کے کان کے قریب ہوتے ہوئے اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی۔'' عثمان نے ابھرو اچکاتے اس کی جانب حیرت سے دیکھا۔

''ہاں، ساری رات باہر گزاری ہے۔'' وہ جواب دیتے ہوئے بولا، لہجے میں قدرے فکر مندی تھی۔

''یار سمیر کی طرف چلتے ہیں، ابھی کچھ گپ شپ کرتے ہیں پھر صبح گھر چلے جانا۔'' اس مرتبہ وقار بولا۔

اس نے جواب میں خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا تھا، اس وقت صبح فجر کا ٹائم ہو رہا تھا، سجاد صاحب محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے کے عادی تھے، اس وقت گھر جانا کسی خطرے سے خالی نہ تھا۔

''ابا، اس وقت وضو کرنے اٹھ گئے ہوں گے۔''

اس نے اپنے ذہن میں اندازہ لگانے کی کوشش کی، گھر داخل ہوتے ان کی نظر پڑ گئی تو ایک نیا فساد کھڑا ہو جائے گا۔

اس نے سر گاڑی کی سیٹ کی پشت سے لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں، اس وقت اس کا موڈ نہیں تھا صبح ہی صبح ان کے سوالوں کے جواب دینے کا، وہ اسے گھر میں اس وقت داخل ہوتے دیکھتے تو ظاہر سی بات ہے انہوں نے ڈھیروں سوال کرنے تھے اور ہر سوال کے جواب اسے جھوٹ سے شروع کر کے جھوٹ پر ختم کرنا تھا۔

اس ٹائم پر جبکہ وہ سرور میں تھا، سجاد صاحب کے سوالوں کا جواب دینے کا رسک نہیں لے سکتا

تھا۔

☆☆☆

''امان اللہ، تم بدل گئے ہو۔'' ایک بازگشت سوتے میں خواب کی مانند اس کے کانوں میں گونجی تھی، جسے رات کے تین بجے اسے بے چین کر کے گہری نیند سے جگا دیا تھا، بے ساختہ اس نے کروٹ بدلی، بے دھیانی میں اس کا ہاتھ اس کے پہلو میں سوئی فرزانہ سے ٹکرایا تھا۔

''کیا ہوا؟ نیند نہیں آ رہی۔'' اس نے سوتے میں کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔

''نہیں، تم سو جاؤ۔''

''میں تو سو ہی رہی تھی۔'' فرزانہ کے لہجے کی بے زاری پر وہ بے ساختہ گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔

''زندگی میں ایسے چلو گے تو بے سکون ہو جاؤ گے۔'' کبھی کا کہا کسی انسان کا جملہ اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرایا۔

نیند سے ہڑبڑا کر اس کی بیوی جاگی تھی لیکن کوئی اس کے دل سے پوچھتا کتنے سال ہو گئے تھے، اس کے دل کو بے سکون ہوئے، اس نے کروٹ بدلی تھی، شاید دل کو سکون ملے، کسی بھی پہلو ملے تو سہی۔

''دنیا دار ہوں میں۔''

''مجھ سے بڑے دنیا دار نہیں ہو۔''

''آپ کو لگتا ہے۔''

''تمہیں لگتا ہے جو خود کو دنیا دار سمجھتے ہو، تم سے بڑے دنیا دار موجود ہیں، تم جسے دنیا داری کہتے ہو، اس دنیا داری کے گر سیکھنے کی بڑی قیمت ادا کر رہے ہو۔''

''آپ جو خود کو یوں دنیا دار کہہ رہی ہیں اسی دنیا سے دنیا داری کے گر سیکھے ہیں۔''

''امان اللہ، میں نے سیکھے نہیں آزمائے ہیں، دنیا داری تو میرے ماں باپ نے سکھائی ہے سودا کرنا انہوں نے سکھایا، میں نے تو محض آزمائے ہیں وہ گر اس دنیا پر۔''

''اور آپ کو لگتا ہے کہ آپ کامیاب رہیں اس dealing میں؟'' امان اللہ نے سوال کیا تھا۔

''ہاں۔'' اس کے لہجے کا اعتماد وہ آج بھی نہیں بھولا تھا۔

''امان اللہ، اس دنیا داری نبھانے کے چکر میں۔ کبھی اپنے اثاثوں کی پٹاری کھولوں تو خود کو دنیا داری کے ترازو میں ایک دولت مند خاتون مانتی ہوں، ایسی دولت کہ جسے سنبھالنے کو کسی بھی دنیا کا بینک چھوٹا پڑ جائے۔''

''ہاہا اتنی دولت مند خاتون کے اثاثوں کے بارے میں جان سکتا ہوں۔''

''دل کا سکون۔''

''ہاہاہا۔'' وہ اسے یاد تھا کہ وہ جواب سن کر بہت دیر تک ہنستا رہا تھا۔

''آج تم جس بات کا مذاق اڑا رہے ہو، کل کو تم اسی بات کو یاد کر کے رو گے۔''

''آپ برا مان گئیں۔'' ہنستے ہنستے امان اللہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگ سے گئے تھے۔

''نہیں، برا نہیں منایا، تمہاری لاشعوری پر دل کو تکلیف ہوئی۔'' انداز سادہ تھا۔

''او میرے مالک۔'' بے ساختہ ہی وہ لیٹا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا امان۔'' اس نے پشت پر لیٹی ہوئی بیوی کی آواز سنی۔

''نیند نہیں آ رہی۔''

''نیند تو کب سے کھوئی ہوئی ہے۔'' وہ زیر لب بولا۔

''نیند کی ٹیبلٹ لے لو، تمہاری سائیڈ ٹیبل

کی دراز میں ہیں۔"
"تم سو جاؤ آئی ایم او کے۔" بیوی کو مختصر الفاظ میں تسلی دینا چاہی، وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بنا جوتے کے دبے پاؤں بیڈ روم کا دروازہ کھولے گیلری میں چلا آیا، اندرونی گیلری پر کھڑے ہو کر اس نے نیچے ہال پر اک نگاہ ڈالی تھی، اس وقت ہال میں زیرو پاور کے بلب جل رہے تھے، ابھی کچھ دیر پہلے امان ولا کے اس ہال میں پر تعیش بزنس گیدرنگ ہوئی تھی، وہ آہستہ سے چلتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا تھا۔

"gorgeous"۔

"looking hot"۔

"dashing"۔

چند گھنٹے پہلے ہی وہ یہ سیڑھیاں اترا تھا تو ہال میں موجود لوگوں کی سرگوشیوں کو اس کے کانوں کے پردوں نے چھوا تھا، یہ وہ چند القاب تھے جو اس نے صنف نازک کے ہونٹوں سے ادا ہو کر اپنے کانوں کے پردوں سے ٹکراتے محسوس کیے تھے، وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اور بھی ایسے کتنے تعریفی الفاظ اور جملے مہمانوں کی زبانوں سے ادا ہوئے ہوں گے، آخر کیوں نہ ہوتے۔

ملک کے ٹاپ ٹین بزنس مین کی لسٹ میں اس کا نام تھا، کسی بھی بزنس ڈیل میں اس کے نام کی شمولیت کسی بھی ڈیل کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، وہ اس پر جتنا بھی فخر کرتا کم تھا۔

حکومت لیول کی کوئی بھی بزنس گیدرنگ اس کی شمولیت کے بنا نامکمل تھی، اس بات پر وہ جتنا بھی غرور کرتا کم تھا۔

بات صرف یہیں تک نہیں تھی، اس کی بیوی فرزانہ کو بھی اس کے ساتھ میں خاص اہمیت حاصل تھی، ان دونوں کا کپل، موسٹ گڈ لنک اور پرفیکٹ میچ کی مثال تھا۔

مین ہال کا دروازہ کھولے وہ باہر برآمدے میں چلا آیا اور چند لمحے اردگرد نگاہ ڈالے وہ سامنے لان میں اتر آیا، لان میں پڑی ایک پنسل کے گرد لوہے کی کرسیوں پر وہ بیٹھ گیا تھا، کرسی کی پشت سے سر لگائے اس نے آنکھیں موند کر ایک گہری سانس لی تھی۔

"تم گھاٹے کا سودا کر رہے ہو۔" وہ ہڑبڑایا تھا، اس نے بے ساختہ ہی اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی، اس کی نگاہوں نے کسی وجود کو تلاشنے کی کوشش کی تھی، وہ وجود جس کی آواز اس کے کانوں کے پردوں سے بار بار ٹکرا رہی تھی، لیکن وہ اس کوشش میں ناکام رہا تھا، وہاں کوئی وجود نہیں تھا اور وہ آواز، ایک بازگشت کے سوا کچھ نہیں تھی۔

"گھاٹے کا سودا۔" بے ساختہ اس نے زیر لب دہرایا اور اس نے ایک نظر سامنے امان ولا پر ڈالی تھی۔

"no never" امان ولا کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ میں نے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔"

شہر کے پوش ایریا میں چار کنال کے وسیع و عریض رقبہ پر عین وسط میں بنا امان ولا، کسی ماہر انجینئر کے ماہر ذہن کا شہکار، اس اکیسویں صدی کے جدید دور میں تاج محل کی سی خوبصورتی لئے ہوئے تھا، اس سفید ماربل لگی دو منزلہ کوٹھی کا ہر گوشہ شہکار ہونے کا گمان دیتا تھا، اپنی جانب اٹھنے والی پہلی نگاہ پر ہی دیکھنے والے کے دل میں بے ساختہ ہی اس کے مالک کے دولت مند ہونے کا خیال آتا تھا اور اگر ایسا تھا تو کچھ غلط بھی تو نہ تھا، بلاشبہ دل کھول کر اس پر پیسہ لگایا گیا تھا، اس کوٹھی کے چار اطراف میں سے تین اطراف میں امپورٹڈ امریکن گھاس کا مخملیں سبز قالین بچھا ہوا تھا اور چوتھی جانب، نیلی ٹائلز سے بنے پول

میں صاف شفاف پانی کسی بھی ذی روح کو اس جگہ کے حسین ترین ہونے کا گمان دیتا تھا کوٹھی کے ایک جانب قطار میں کھجور کے درخت لگائے گئے تھے۔

مین گیٹ پر چار گھوڑوں کا بھاگنے کے انداز میں پیتل کے نقش تھے جس پر پلاٹینم کوٹنگ کی گئی تھی، مین گیٹ کے پلرز پر بھی گھوڑے کے ڈیزائن میں لائٹ لگی ہوئی تھی، اندر داخل ہو کر گیراج میں گاڑی پارک کرتے کوٹھی کی بالکنی پر نگاہ پڑتی تھی۔

بالکنی پر گرل لگا کر اس کو وال گلاس سے کور کیا ہوا تھا، جو بھی بالکنی میں کھڑا ہوتا، وہ شیشے کے پار سے ہی کوٹھی کے اطراف کا معائنہ کرسکتا تھا۔

بالکنی کی اندرونی آرائش میں گولڈن رنگ کا خصوصی استعمال کیا گیا تھا، اس کی دیواروں پر جدید طرز کے پلائی وڈ سے ڈیزائن بنایا گیا تھا، گولڈن فرل والے صوفوں پر کیمل کلر اور سفید رنگ کے امتزاج سے کشن رکھے ہوئے کیمل کلر کی پینٹ ہوئی دیواروں کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے آرائش کی گئی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور آہستگی سے چلنے میں دروازے سے داخل ہوا، یہ دروازہ مین ہال میں کھلتا تھا، امان ولا کے مین ہال میں داخل ہوتے ہی محسوس ہوتا تھا جیسے کسی خوابوں کی دنیا میں قدم رکھے ہوں۔

بڑے ہال کے فرش پر گولڈن ٹائلز سے دائرے کی شکل میں ڈیزائن بنایا گیا تھا، عین وسط سے چند فٹ پیچھے دونوں جانب پلر لگا کر ان پر محرابیں بنائی گئی تھیں، ان محرابوں میں پھول پتیوں کی شکل میں بنی لائٹس، ان سیڑھیوں کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیتی تھیں، ہال کے وسط کے عین اوپر جہازی سائز فانوس کی لائٹس بھی جلتی تھیں تو وہاں کے ماحول پر مسمریزم کی کیفیت طاری کر دیتی تھیں۔

ہال کے دونوں جانب جو سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں، وہ راستہ بالکونی کو جاتا تھا اور ساتھ ہی بالائی کمروں تک بھی رسائی تھی، بالکونی کو پلرز سے سپورٹ دیا گیا تھا، ان پلر پر پیتل سے خوبصورت ڈیزائن ہلکے آسمانی رنگ نے چار چاند لگائے ہوئے تھے۔

امان کی نگاہوں میں چند گھنٹے پہلے کا منظر جھلک کی صورت میں آن وارد ہوا تھا۔ یہ ہال مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، تقریباً تیس کے قریب لوگ ٹولیوں کی صورت میں خوش گپیوں میں مصروف ہاتھوں میں کولڈ ڈرنکس اور بیئر کین پکڑے موج مستی کر رہے تھے، ان تمام کا تعلق ہائی ایلیٹ کلاس سے تھا، چند ایک کو چھوڑ کر باقی منسٹری عہدے پر فائز تھے۔

وہ چند گھنٹے پہلے تک بہت خوش تھا، دو بزنس ڈیلز کنفرم ہوئی تھیں، ایک حکومتی لیول پر تھی اور دوسری پرائیویٹ کنسٹرکشن بزنس کمپنی کے ساتھ تھی، یعنی کہ آنے والے سال میں سے اس سال سے پرافٹ تین گناہ بڑھنے کے چانسز تھے، اسے یاد آیا تھا وہ اور اس کی بیوی رات سونے سے پہلے خوش گپیوں میں مصروف تھے، بہت خوش تھے اپنی اس نئی کامیابی پر لیکن کچھ ایسا تھا کہ جس نے امان کو آنکھ لگتے لگتے بھی بے چین کر دیا تھا اور پھر آنکھ لگتے ساتھ ہی بے چینی اتنی بڑھی کہ اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

اس نے اپنے طور پر دل کو ڈھارس دینی چاہی تھی، نگاہوں کے سامنے امان ولا کی خوبصورتی سے بے چین دل کو سکون دینے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ بری طرح سے ناکام ہوا تھا۔

زندگی میں گزری کچھ یادوں کچھ باتوں، باتوں میں بولے گئے کچھ الفاظ، کچھ انسانوں کی زبان سے ادا ہوئے وہ لفظ، اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئے تھے، زندگی کے گزرے پلوں کے ساتھ اس کے ذہن میں اپنی جڑیں گہری کرتے جارہے تھے۔

☆☆☆

ولی کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا، ہاتھ منہ دھو کر کھانے کی غرض سے وہ کچن میں چلا آیا۔

''اماں یہ صائمہ کی سہیلی کا گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے۔'' تولیے سے ہاتھ صاف کرکے وہ کچن میں سنک کے قریب دیوار کے ساتھ لگے ہک پر تولیہ لٹکاتے ہوئے بولا۔

''کون سی سہیلی؟'' زلیخا بیگم نے کچھ حیرانی سے کہا۔

''یہ جو صائمہ کے ساتھ ہے۔''

''فاطمہ۔''

''شام سے میں اسے صائمہ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں، کوئی نئی سہیلی بنائی ہے۔''

''تمہارے ابا کے دوست کی بیٹی ہے، پچھلے ایک ہفتے سے ہمارے گھر پر ہے۔'' ولی کی بات کو لے کر خاصی حیران تھیں۔

''اچھا، میں نے تو پہلے نہیں دیکھا۔'' ولی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''تم گھر پر ہو تو تمہیں پتہ چلے، گھر پر کیا ہو رہا ہے۔'' زلیخا بیگم کا انداز جتانے والا تھا۔

''آتا تو ہوں گھر پر۔'' ان کی بات کے جواب میں ولی بے ساختہ بولا۔

''چوروں کی طرح آدھی رات کو، دن چڑھے پھر نکل جاتے ہو۔'' زلیخا بیگم کے شکوہ نے ولی کو خاصا بدمزہ کیا، وہ سالن ڈالنے کے لئے پلیٹ نکالنے لگا۔

''اماں صبح یونیورسٹی ہوتا ہوں، دوپہر میں دوستوں کے ساتھ لائبریری چلا جاتا ہوں۔'' ولی ان کی بات پر قدرے جھنجلایا تھا۔

''اتنے پڑھاکو تو تم کبھی نہیں رہے، انداز ہے مجھے تمہارے دوستوں کا بھی۔'' زلیخا بیگم کو بھی جیسے موقع ہاتھ لگا تھا ولی کی کلاس لینے کا۔

''پلیز اماں ابا کی طرح بحث نہ کریں، سچ پوچھیں پہلے ہی ابا کے رویے کی وجہ سے میں گھر سے باہر وقت گزارتا ہوں۔'' وہ سلیب پر پلیٹ پٹختے ہوئے بولا۔

''باپ ہے تمہارا، بھلے کو کہتا ہے، تمہاری زندگی کی اہمیت ہے اسے۔''

''اماں پلیز آپ کیا چاہتی ہیں، سکون سے کھانا کھالوں آپ کی اجازت ہو تو۔'' ولی کے اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس ہوا تھا۔

''ولی دن بدن بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔''

''کیا کروں، تنگ ہوں اس زندگی اور اس گھر کے مسائل سے، دنیا کو دیکھتا ہوں ان کے گھر آسائشوں کو، دنیا کتنے آرام سے زندگی گزارتی ہے جیسے خوشیوں پر انہی کا حق ہو۔'' وہ زچ ہوا، اس مرتبہ اس کی آواز میں کرختگی تھی اور آواز بھی قدرے اونچی۔

''ولی، دنیا دور سے نظر آتی ہے، کبھی قریب سے دیکھو تو جانو۔'' زلیخا بیگم نے گرم گرم پھلکا توے سے اتارتے اس کے سامنے کیا تو وہ ہاتھ سے ہی پکڑنے لگا۔

''گرم ہے۔'' زلیخا بیگم نے کہا تھا لیکن اس نے ان کی سنی ان سنی کردی۔

''اماں دیکھتا ہوں، سمیر کو، کبھی آپ اس کا گھر دیکھیں، گھر کیا کہیں کوٹھی ہے ویل ڈیکوریٹڈ، ہر ماڈرن مشینری ان کے گھر پر دیکھتا ہوں میں، ایل سی ڈی کا نیا ماڈل مارکیٹ میں بعد میں آتا

ہے پہلے ان کے گھر موجود ہوتا ہے، ہر کمرے میں split ac ان کے گیراج میں چار چار گاڑیاں، وہ بھی نئے ماڈل کی، اس کے باپ کا ہر آئے دن ملک سے باہر کا ٹور لگ رہا ہوتا ہے۔"

ولی کے لہجے میں چھپی حسرتیں، خواہشیں، احساس محرومی، کیا کچھ نہیں تھا جس نے زلیخا بیگم کو جیسے برت کا بنا دیا تھا، وہ اپنی جگہ یک ٹک گھڑی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہیں مجھے، حیرت ہو رہی ہے نا میرے منہ سے یہ باتیں سن کر، یقین نہ ہو تو ایک دن میرے ساتھ سمیر کے گھر چلیے گا آپ کو بھی میری باتوں پر یقین آ جائے گا، سچ میں اماں ان کے گھر جا کر تو ایسا لگتا ہے انسان کسی اور ہی دنیا میں چلا آیا ہو، کبھی ان کا کچن دیکھ لیں تو اپنا یہ چولھا رکھ کر بنایا کچن آپ کو کچن کے نام پر مذاق لگے گا۔" ولی نے قدرے ہنستے ہوئے کہا۔

"ولی، میں تمہیں اس لئے نہیں دیکھ رہی کہ تمہارے منہ سے دولت کی چکا چوند سن کر حیران ہو رہی ہوں، تمہارا ناشکرا پن مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا، تم نے دوست کے گھر کی دولت کی چکا چوند دیکھ لیں، آسائشیں دیکھ لیں، کبھی اسے قریب سے دیکھو تو بے سکونی بھی نظر آئے گی اور اگر اس بے سکونی کو محسوس کر لو گے تو اگلی مرتبہ کبھی اس کی دولت کو حسرت کی نگاہ سے نہیں دیکھو گے۔"

"آپ نہیں سمجھیں گی اماں۔"

"سب سمجھتی ہوں، جانتی ہوں، وہ اولادیں جوان کی ہیں، دنیا دیکھی ہے اک عمر بتائی ہے۔"

"اچھا نا، ابھی اس فضول بحث کو چھوڑیں، یہ بتائیں کہ یہ لڑکی کا کب جانے کا ارادہ ہے۔" اب وہ واقعی اس بحث سے تنگ آ گیا تھا اس لئے موضوع بدلنے کی خاطر بولا۔

"کیا مطلب؟" یک دم موضوع کے بدلنے پر چونک زلیخا بیگم کو سمجھنے میں لگے۔

"ہاں شام سے میں اسے دیکھ رہا ہوں، مجھے لگا تھا سائرہ کی کوئی سہیلی ہے گھر چلی جائے گی، صحن میں مجھے تخت پوش پر لیٹنا بھی نہیں کہ گھر جائے گی تو آرام کروں گا۔"

"یہ اب یہیں رہے گی۔" سرسری سادے لہجے میں انہوں نے اطلاع دی۔

"کب تک؟" ولی نے دوبدو سوال کیا۔

"تمہارے ابا جانیں، مجھے نہیں معلوم، اس کے باپ کا ابھی انتقال ہوا ہے اور کوئی سر ٹھکانا نہیں تھا تو تمہارے ابا یہیں لے آئے۔" مختصر الفاظ میں ولی کی بات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"پھر بھی اماں، کچھ تو معلوم ہو گا نا۔" ولی نے روٹی کا نوالہ توڑ کر سالن میں ڈبویا۔

"تمہیں کیا لینا دینا اس سے، جب مجھے اور تمہارے ابا کو اعتراض نہیں ہے، تم اپنا جسے گھر میں رہتے ہو ویسے رہو، اچھی بچی ہے، شریف سی، سادہ سی۔"

"ٹھیک ہے اماں جب آپ دونوں کو اعتراض نہیں تو میں کون ہوتا ہوں بولنے والا۔" ولی کے لئے اتنا بہت تھا کہ چند منٹ پہلے والے موضوع گفتگو میں تبدیلی ہوئی تھی۔

"اور یہ بھلا تمہیں کیوں اعتراض ہے۔" زلیخا بیگم کے سوال پر بے ساختہ ہی ولی مسکرایا، در حقیقت میں موضوع گفتگو تبدیل ہو چکا تھا۔

"اماں پہلے کم مسئلے ہیں اس گھر کے جو ایک اور فرد کا اضافہ کر لیا آپ دونوں نے۔" کچھ دیر بعد کچھ سوچتے ہوئے ولی نے جواب دیا۔

"کچھ خدا کا خوف کرو ولی، بے سہارا ہے، دو وقت کی روٹی ہم میاں بیوی کو بھاری نہیں ہے،

جہاں دو اولادیں پل رہی ہیں وہیں یہ یتیم بھی سہی۔"
"جیسے مرضی۔" لاپرواہی کے انداز میں اس نے شانے اچکا کر کھانے کا اختتام کیا۔
"اور یہ جاتے ہوئے تولیہ لے کر جاؤ، صحن میں رسی پر ڈالو، یہاں کچن میں اس تولیے کا کیا کام۔" وہ خالی برتن سنک پر رکھ کر کچن سے نکلنے لگا تھا کہ زلیخا بیگم کی آواز نے اس کے قدم روکے، ان کی بات سن کر اس نے خاموشی سے آگے بڑھ کر تولیہ ہاتھ میں پکڑا اور پھر کچن سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

دروازہ تیسری مرتبہ کھٹکھٹایا گیا تھا، ڈھر ڈھر۔
کلثوم نے عصر کے فرض پڑھ کر سلام پھیرتے چہرہ گھما کر اپنے پیچھے چارپائی کے سرہانے بجتے موبائل پر نگاہ کی۔
مصلے سے اٹھ کر وہ چارپائی کے قریب آئی اور جھک کر موبائل اٹھا لیا، موبائل بجتا بند ہو گیا تھا، اس نے اوکے کا بٹن پش کر کے چیک کیا، تین مسڈ کالز تھیں، موبائل سے نظر اٹھا کر اس نے سر گھمائے کمرے کی کھڑکی سے باہر نظر آتے دروازے پر نگاہ کی، ایک گہری سانس لئے اس نے کمرے سے باہر کی جانب قدم بڑھائے، دروازہ ایک مرتبہ پھر سے کھٹکھٹایا جا رہا تھا لیکن اس مرتبہ پہلے سے کہیں زیادہ طاقت سے بج رہا تھا۔
کنڈی کھول کر اس نے دونوں پٹ وا کر دیے دہلیز کے دوسری جانب کھڑا وجود بنا تامل کے کھلے دروازے سے اندر چلا آیا۔
"کہاں تھیں آپ، میں کب سے دروازہ بجا رہا تھا۔" امان اللہ نے بنا سلام دعا کے پوچھا۔
"نماز پڑھ رہی تھی۔"
وہ وجود اندر کی جانب عجلت بھرے انداز میں بڑھا، ابھی وہ بھی اس کے پیچھے جانے لگی کہ اس نے دروازے سے ایک اور وجود کو اندر داخل ہوتے دیکھا، وہ پہلی نظر میں پہچان چکی تھی۔
"سلام باجی۔"
"وعلیکم السلام، کیسے ہو ادا؟"
"ٹھیک ہوں باجی، یہ یہاں رکھ دوں۔"
"صبا سے پوچھ لو۔"
اس کے ہاتھ میں گھر کے سودا سلف اور فروٹ سے بھرے شاپرز دیکھ کر کہتے ساتھ وہ صحن سے ملحقہ کچن کی جانب بڑھی، سنک کے پاس پڑے برتنوں کے ریک سے ساس پین نکال کر سنک کا نل کھولے پانی ڈالنے لگی۔
"میں جلدی میں ہوں، چائے نہیں پیوں گا۔" امان اللہ کی آواز آئی، اس نے چہرہ موڑ کر نہیں دیکھا، ایک ہاتھ سے نل بند کیے وہ ساس پین وہیں سنک پر رکھے مڑی، نظریں ابھی فرش پر تھیں۔
"آپ میرے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہیں۔"
اس کی زبان سے ادا ہوئے جملے پر بے ساختہ ہی اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا لمحے بھر کو نگاہوں کا تصادم ہوا، اس کی نگاہوں کا شکوہ شکایت وہ پڑھ چکی تھی، بے ساختہ نگاہیں جھکائے نظر قریب چند قدم کے فاصلے پر کھڑے وجود کے بوٹوں پر ڈالیں۔
بہت ہی نفاست سے پالش کیے بوٹ اس وجود کی پرسنیلٹی بیان کرنے کو کافی ہے، جوتوں پر ذرا بھی مٹی کا شائبہ نہ تھا، وہ ہمیشہ سے ہی خوش لباس رہا تھا۔
جوتوں کی صفائی کے بارے میں میں ہمیشہ ہی ضرورت سے زیادہ (conscious)

کانشس، ابھی اس کی بات کے جواب میں وہ الفاظ ہی تلاش کر رہی تھی کہ دروازے میں کھڑا وجود پلٹا، نامحسوس انداز میں اس نے بھی کچن کے دروازے کی جانب قدم بڑھائے، چند لمحے پہلے دروازے میں کھڑے امان اللہ کی جگہ اب وہ کھڑی تھی۔

"میں کسی وقت آپ سے تفصیل سے بات کروں گا۔" اب وہ وجود صحن میں لکڑی کے ٹیبل پر دھرے شاپرز کو اسی لڑکے سے اٹھوا رہا تھا، اس نے نگاہ اٹھا کر اس وجود کو اپنی جانب پلٹتے اور کہتے سنا۔

"آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ اب بھی خاموش تھی اور خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی، امان اللہ صحن کے دروازے سے دہلیز پار کر گیا، خالی دروازے پر نظریں جمائے وہ چند لمحے ویسے ہی کھڑی رہی ایسا کم ہی ہوتا تھا کے وہ گھر میں داخل ہوتے سلام کرتا، لیکن گھر کی دہلیز پار کرتے وقت وہ خدا حافظ ضرور کہتا تھا، پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ اس نے اسے جاتے وقت بھی نہیں بتایا تھا، بہت لمحے لگے تھے اسی شش و پنج میں کہ وہ ابھی گیا بھی یا نہیں اور چند لمحوں بعد اسے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"ایسا کیا ہوا ہے جو مجھے اتنا سنا کر گیا ہے۔" دروازے کا کنڈا لگا کر زنجیر چڑھاتے سوچا اور پلٹ کر اس کے قدم صحن میں کھلتے ایک اور کمرے کے دروازے کی جانب بڑھے، چند قدم اٹھانے کے بعد ہی وہ اس کمرے کی دہلیز پر تھی، نگاہیں اٹھائیں کہ سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کے قدم اپنی جگہ منجمد ہو گئے، سامنے بیڈ پر لیٹا وجود، اسی کو دیکھ رہا تھا، اس کے ٹھٹک کر رکنے کی وجہ اس وجود کا اپنی جانب دیکھنا نہیں نہیں، بلکہ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ تھی۔

"بہت دنوں بعد اسے خوش دیکھا ہے۔" کلثوم کے رکے وجود میں حرکت ہوئی، وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"سارا غصہ تم پر نکلا ہے یقیناً۔" جواب میں بیڈ پر لیٹے وجود نے کہا۔

"ایسی خوشی کا کیا فائدہ جو آخرت میں ذلت کا باعث ہو۔"

اس مرتبہ کلثوم خاموشی سے اس وجود کے پیروں کی جانب پڑی چادر کھول کر اس پر پھیلا دی۔

کبھی کبھی کسی کی بات کا جواب نہ بھی دیا جائے تو بھی یہ طے ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے کو آپ کے جواب کا پہلے سے علم ہے۔

خاموش رہنے میں صرف عنایت ہی نہیں ہوئی، بلکہ کبھی کبھی مصلحت بھی ہوتی ہے۔

☆☆☆

"اماں، یہ موٹر بائیک کس کی ہے، کوئی گھر آیا ہے۔" صائمہ نے صحن میں کھڑی موٹر بائیک کو جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں، گھر تو کوئی نہیں آیا، ولی لایا ہے۔"

"اس کے دوست کی ہے؟" صائمہ نے نگاہوں میں حیرت بھرے سوال کیا۔

"کہہ رہا تھا اپنی ہے۔"

"اپنی مطلب؟ آپ نے پوچھا نہیں کہاں سے آئی۔" ایک بازو کمر پر لگائے دوسرا بازو ہوا میں سہراتے ہوئے وہ ان کی جانب مڑی۔

"پوچھنے کی کوشش کی تھی۔"

"تو کیا کہا۔" وہ زلیخا بیگم کے چہرے پر نگاہیں گاڑھے ہوئے تھی۔

"تجھے اس کے رویے کا تو پتہ ہے، کچھ سوال جواب کرو تو موڈ خراب ہو جاتا ہے۔"

''اماں، موٹر بائیک صحن میں لاکھڑی کی آپ کے لاڈلے سپوت نے اور آپ اس کے بگڑے موڈ کی پریشانی میں اس سے پوچھنے سے گریزاں ہیں کیسی ماں ہی آپ آپ کی جگہ کوئی اور ماں ہوتی تو کان سے پکڑ کر دھلائی کر دیتی۔''

''بیٹا جوان ہو جائے تو سوچ سمجھ کر چلنا پڑتا ہے۔''

''آپ اپنی سوچ سمجھ رکھیں اپنے پاس، میں پوچھتی ہو اس سے کے کہاں وہ۔'' صائمہ کے پیروں پر لگی تو سر پر جا کر بجھی۔

''کمرے میں ہے۔'' زلیخا بیگم نے جواب دیا، پھر ایک نظر صائمہ کے ولی کے کمرے کی جانب بڑھتے قدموں کو دیکھا، گویا دونوں بہن بھائی میں جنگ کا آغاز ہونے جا رہا تھا۔

''یہ موٹر بائیک صحن میں کس کی ہے؟'' کمرے میں ولی کو بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹے دیکھتے وہ بولی۔

''میری ہے، میں نے لی ہے۔'' آنکھوں پر بازو دھرے وہ چند منٹ پہلے ہی سونے کی کوشش میں لیٹا تھا صائمہ کی کمرے میں انٹری پر اس کی کوشش ناکام گئی۔

''کہاں سے لی؟'' اگلا سوال صائمہ نے کہا تھا۔

''دکان سے لی ہے۔'' اس مرتبہ ولی جواب دیتے خاصا محظوظ ہوا تھا۔

''میرا مطلب ہے پیسے کہاں سے آئے؟'' وہ کمر پر ہاتھ باندھے سوال پر سوال کر رہی تھی۔

''قسطوں پر لی ہے۔'' پہ در پہ سوالوں بالآخر ولی کو سیریس ہونا پڑا تھا، سوال یہ سوال کرنے والی اسی کی بہن تھی، اسی کی ماں جائی۔

''اور قسطوں کے پیسے کہاں سے آئے؟'' صائمہ تیکھے انداز میں بولی۔

''کمیٹی ڈالی تھی۔'' ولی گویا اپنے مدمقابل کے ہر سوال کا جواب جیسے پہلے سے سوچے ہوئے تھا۔

''اس کمیٹی کے پیسے کہاں سے آئے؟'' بالآخر مدمقابل کا پلڑا بھاری ہوا تھا جس کے واضح نتائج ولی کے چہرے پر ابھرے تھے، وہ الجھا تھا، بدکا تھا۔

''صائمہ میری اماں نہ بنو، بہن ہو، بہن ہی بن کے رہو۔''

''بہن بن کے ہی پوچھ رہی ہوں کہ کہاں سے لی ہے۔'' صائمہ اس کے سر پر کسی بن بلائے مہمان کی طرح سوار تھی، ماں جائی کو چپ کروانا اتنا آسان نہیں تھا۔

''لاحول لاولاقوۃ۔'' اس مرتبہ ولی نے بے ساختہ جھرجھری لی، نیند تو اس کی غارت ہو ہی چکی تھی البتہ موڈ بھی خراب الگ سے ہوا تھا۔

''یہ جو تمہارے دماغ میں آج کل چل رہا ہے اس پر تھوڑا کنٹرول کرو۔'' صائمہ کی تنبیہ پر وہ اس مرتبہ الجھنے سے زیادہ چونکا تھا۔

''مطلب کیا ہے، اس بات سے تمہارا، کیا چل رہا ہے میرے دماغ میں۔''

''تم بہتر جانتے ہو، مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اور یہ تم مجھ سے بلاوجہ بحث کیوں لگی ہو، پہلے اماں ابا کم ہیں اس گھر میں میرا خون جلانے کو جو تم بھی ان کی صف میں کھڑی ہو گئی ہو۔'' پہلی مرتبہ ولی کو احساس ہوا تھا زندگی میں کہ ماں جائی اپنی ذات میں کس قدر طاقت رکھتی تھی۔

''ویٹ اے منٹ، مجھے بتاؤ یہ تم نے کب سے پارٹی بدلی ہے۔'' ولی کے ماتھے کی تیوریاں بھی چڑھتی شروع ہو گئی تھیں۔

''کون سی پارٹی؟''

''پہلے تو کبھی میرے ساتھ اتنا بحث نہیں کرتی تھیں، ہمیشہ میری طرف داری کرتی تھیں اب اچانک سے کیا ہو گیا ہے۔'' ولی واقعی حیران تھا کہ صائمہ کو آخر ہوا کیا تھا، اس سے پہلے اس نے کبھی اتنی بحث اتنی تفتیش نہیں کی تھی میری بھی بات کو لے کر۔

''پہلے معلوم نہیں تھا کہ کس قسم کے دوست پال رکھے ہیں، پہلے اندازہ ہوتا تو کبھی ابا کی خفگی مول لے کر تمہاری حمایت نہ کرتی۔''

''اس گھر میں ذرا سکون نام کو نہیں ہے، دو گھڑی سکون نصیب نہیں ہے۔'' اس کی الجھن کا گراف تیزی سے غصے کے لیول پر چڑھا۔

''بہرحال تمہیں جو کرنی ہے کرو، آج تک تو تم نے اپنی کی ہے، لیکن آج ذرا ابا سے بچ کر رہنا۔'' اس مرتبہ صائمہ کی بات میں چھپی وارننگ پر ولی کے ماتھے کی تیوریوں میں اضافہ ہوا۔

''کیوں؟''

''تمہاری رپورٹنگ ہوئی ہے۔''

''رپورٹنگ؟ کھل کر بتاؤ۔''

''تم نے جو ابا نے سمسٹر کی فیس دی تھی وہ کہاں اڑائی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب تو تم نے سمجھانا ہے کہ سمسٹر کی فیس دی نہیں، سمسٹر میں انٹر ہوئے تمہیں وہ پیسے مجھے لگتا ہے تم نے موٹر بائیک میں برباد کیے۔''

''تمہیں یہ سب کہاں سے پتہ چلا؟''

''جہاں سے بھی پتہ چلا ہو، میرا کام تھا تمہیں خبردار کرنا، آگے تم جانو تو تمہارا کام۔'' دو ٹوک انداز میں صائمہ کمرے سے نکلتی ولی کے لیے بہت سی سوچوں کے در وا کر گئی۔

☆☆☆

''کچھ کہنا چاہتی ہیں۔'' کلثوم صحن میں بندھی رسیوں پر دھلے خشک کپڑے اتار رہی تھی کہ اسے امان اللہ کو کہتے۔

''کہنا تو چاہتی ہوں، لیکن کچھ کہوں گی تو برا لگے گا۔'' کلثوم نے چہرہ موڑ کر دیکھا امان اللہ صحن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سینے پر بازو باندھے اسے گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں آپ کہیں میں سن رہا ہوں۔'' امان اللہ کی جانچتی نظروں سے بچنے کی خاطر اس نے چہرہ موڑ کر دوبارہ سے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے۔

''اماں بی کو تمہاری ضرورت ہے۔'' بازو پر سمیٹے کپڑوں کو صحن کے تخت پوش پر ڈھیر لگاتے وہ بولی۔

''تو وہ فون کر لیتیں۔'' امان اللہ کے تین حرفی جواب پر اس کے کپڑے تہہ کرتے ہاتھ رکے۔

''کیا تھا، کل رات بند تھا تمہارا فون۔'' ایک گہری سانس لئے کلثوم نے جواب دیا، گویا بات سے بات نکلنا شروع ہو گئی تھی تو بچت تو لازم تھی۔

''ہاں وہ کل رات بند تھا، آپ صبح کر لیتیں صبح تو میں نے فون آن کیا تھا اور آپ فرزانہ کو فون پر میسج دے دیتیں۔''

''اماں بی تمہاری ذمہ داری ہے، فرزانہ کی نہیں، اول تو وہ فون نہ اٹھاتی اٹھا بھی لیتی تو کبھی بھی میسج نہ دیتی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی کلثوم کے لہجے میں تلخی کی رمق امان اللہ کی زبان پر قفل ڈال گئی بات کچھ ایسی تھی کہ امان اللہ چاہتے ہوئے بھی جواب نہ دے پایا۔

''اماں جی کے پاس چل کر بیٹھو میں وہیں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' امان اللہ کی خاموشی نے کلثوم کو اپنے لہجے کی تلخی کا احساس کرایا تو وہ لہجے

کو سرسری سا بتا کر بولی۔
''میں گھر کے لئے کچھ چیزیں لایا تھا، باہر ٹیبل پر پڑی ہیں آپ دیکھ لیں۔'' بحث جاری تھی، لیکن بحث کا موضوع بہل چکا تھا۔
''کیوں لاتے ہو، جب تمہیں معلوم ہے اماں بی واپس کردیں گیں۔''
''خود ہی تو کہہ رہی ہیں امان بی میری ذمہ داری ہیں، جب ذمہ داری نبھانا چاہتا ہوں تو روک دیا جاتا ہوں۔'' جواب میں کلثوم خاموش رہی۔
''آپ کو لگتا ہے بڑا آسان ہے کمانا، محنت کرتا ہوں۔'' کلثوم کی جانب سے کوئی جواب نہ پاکر امان اللہ بولا تھا۔
''دنیا میں ہر کوئی کرتا ہے۔'' کلثوم کپڑوں کی تہہ لگا چکی تھی۔
''راتیں جاگ کر جان مارنا آسان نہیں ہوتا۔'' امان اللہ کا لہجہ ناراضگی لئے ہوئے تھا۔
''روح ہی مر جائے تو جان کی کیا وقعت۔'' تہہ کئے دھلے کپڑوں کو اٹھا کر اندر کمرے کی جانب قدم بڑھائے۔
''آپ نے مجھے کبھی قابل جانا ہی نہیں۔'' امان اللہ بھی اس کے پیچھے چلتا اندر کمرے میں چلا آیا۔
''میری نظر کی کیا وقعت۔'' کلثوم الماری کا پٹ کھولے کپڑے خانے میں رکھے بولی تھی، وہ جواب میں کچھ بھی کہے بنا کمرے سے نکل آیا، اب اس کا رخ اماں بی کے کمرے کی جانب تھا۔
''ماں ہیں آپ میری، مجھے فرق پڑتا ہے آپ کی نظر میں میرا کیا مقام ہے۔'' کلثوم کمرے میں چائے کی ٹرے لئے داخل ہوئی تو اس نے امان اللہ کو اماں بی سے خفا لہجے میں کہتے سنا۔

''میری نظر کے مقام کی چھوڑو، اللہ کی نظر کے مقام کو دیکھو۔'' اماں بی کے دھیمے ٹھہرے لہجے میں چھپی حقیقت کو کلثوم جھٹلا نہ سکی تھی۔
''پھر مل چکا مقام، مٹی ہوں، مٹی ہی رہوں گا ساری زندگی۔'' بحث ختم نہیں ہوئی تھی۔
موضوع وہی تھا لیکن مدمقابل بدل چکا تھا، کلثوم کی جگہ اماں بی نے لے لی تھی۔
''مٹی کو مٹی میں ہی رہنا ہوتا ہے۔'' اماں بی کے دوٹوک کھرے لہجے نے امان اللہ کے انداز کی الجھن کو مزید ہوا دی۔
''میں آپ سے بحث کرنے نہیں آیا، خوش تھا، دو بزنس ڈیل ہوئیں تھیں، اچھا پرافٹ ہاتھ آیا، آپ کے لئے گھر میں استعمال کی چیزیں لایا تھا۔'' امان اللہ کو درحقیقت میں دکھ ہوا تھا، وہ ہمیشہ ہی اپنی کامیابی اماں بی سے شیئر کرنے ان کے پاس چلا آتا تھا اور جواب میں ہر مرتبہ ان کی بے رخی اس کی خوشی کو ماند کر دیتی تھی۔
''کیا گروی رکھ آئے ہو امان اللہ۔'' اماں بی پر جسے اس کے لہجے کی اداسی کا رتی بھر بھی اثر نہ ہوا۔
''اماں، کچھ نہیں رکھا گروی، میرا ٹیلنٹ تھا ان کا مفاد۔'' کلثوم نے ان دونوں کے مابین خاموشی رہنے کو عافیت جانی۔
''ضمیر بیچا۔'' اماں بی کے دو لفظی جملے نے امان اللہ کو حقیقت میں دکھی کیا، چند لمحوں پہلے اس کا دل اداس ہوا تھا اور اب اس اداسی نے غصے کا روپ دھار لیا۔
''اماں آپ تو ہر وقت مجھے ہی الزام دیتی ہیں، مجال ہے جو آج تک کبھی میری کامیابی پر خوش ہوئی ہوں، دوسرے ماں باپ کو دیکھتا ہوں اپنی اولاد کی کامیابیوں پر خوشیاں مناتی ہیں اور آپ ہیں جو ہر مرتبہ میری لائی چیزیں بھی واپس

لوٹا دیتیں ہیں۔'' یہ کہتے ساتھ ہی وہ ان کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا، اس بے نتیجہ بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

''اس مرتبہ بھی واپس لے جانا۔'' امان اللہ نے کمرے سے نکلتے اماں بی کو کہتے سنا۔

☆☆☆

وہ کندھے پر تولیہ لٹکائے کمرے سے نکلا تھا، صحن عبور کر کے غسل خانے کی طرف جا رہا تھا کہ بیرونی دروازے کے قریب پشت کیے فاطمہ پر نگاہ پڑتے ہی وہ تیر کی سی تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

قریب پہنچ کر چیل کی سی تیزی سے اس نے فاطمہ کے ہاتھ میں پکڑے سفید کارڈ پر جھپٹا مارا تھا، لمحے بھر کو فاطمہ خوفزدہ ہو کر اچھل کر پرے ہوئی۔

''میں...... وہ یہ دروازے میں پڑا تھا، میں نے اٹھالیا۔'' وہ ہکلائی۔

''آئندہ ہمارے گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی کوشش نہ کرنا۔''

''دخل اندازی۔''

''میرا مطلب ہے کہ یہ کارڈ تمہیں اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی، پڑا تھا پڑے رہنے دینا تھا۔''

''سوری۔''

''سنو۔'' کچھ خیال آنے پر اس نے سر اٹھا کر فاطمہ کی جانب دیکھا۔

''تمہیں اس کارڈ کے بارے میں کسی سے گھر میں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جواب میں وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

ولی نے احتیاط سے وہ کارڈ لا کر اپنی الماری میں چھپا دیا، حقیقت میں وہ فاطمہ کے ہاتھ میں اس کارڈ کو دیکھ کر سخت پریشان ہوا تھا، اس کی پریشانی میں تب اضافہ ہوا جب دوپہر میں سجاد صاحب نے اسے کمرے نہیں بلوایا۔

''جی ابا، آپ نے بلایا۔''

''ہوں، بیٹھو، کیسے چل رہی ہے پڑھائی؟''

''جی جی ٹھیک۔''

''کیا ارادہ ہے آگے کا؟''

''آگے کا؟'' وہ حیران ہوا۔

''کیا کرنا چاہتے ہو زندگی میں۔''

''ابھی سوچا نہیں۔''

''آخری سمسٹر میں ہو اور آگے کا نہیں سوچا، کب سوچنا ہے۔''

''جی امتحان کلیئر کر کے نوکری۔''

''یعنی کہ وہ نوکری نہیں کرنا چاہتے۔''

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''امتحان کلیئر ہو گا تو نوکری کرو گے اور امتحان کلیئر کرنے کے لئے، امتحان دینا ضروری ہے۔'' سجاد صاحب نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''جی جی پڑھ رہا ہوں۔'' وہ ہکلایا۔

''سارا دن آوارہ دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتے سگریٹیں پھونکتے تو پڑھائی ہونے سے رہی، معلوم بھی ہے کہ امتحان کا سلیبس کیا ہے، یا وہ بھی امتحان کلیئر ہونے کے بعد پتہ کرو گے۔''

''ابا جی، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، میں نے آپ سے بزنس کرنے کی خواہش تھی۔''

''چلو، جوان اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں یہ بات مان بھی لوں تو بھی تمہیں ڈگری مکمل کرنے کا مشورہ دوں گا۔''

''پڑھ تو رہا ہوں۔'' فقرہ مکمل کرتے اس کی آواز گلے میں اٹکی تھی۔

''یہ موٹر بائیک کہاں سے خریدی ہے۔''

''ابا جی قسطوں پر لی ہے۔''
''وہ بھی پیسوں سے آئی ہے، پچھلے سمسٹر کا کیا بنا۔''
''وہ...... وہ فیل ہو گیا تھا، اب دوبارہ دوں گا۔'' وہ تھوک نگلتے بولا، سجاد صاحب کی بات پر یک دم ہی اس کے حلق میں کانٹے اگے تھے۔
''اس کے لئے تمہیں پیسے چاہیے ہوں گے۔'' سجاد صاحب جیسے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولے، ولی جواب میں خاموش رہا۔
''برخوردار جتنی تمہاری عمر ہے اس سے کہیں زیادہ میری عمر کا تجربہ ہے۔'' سجاد صاحب کا انداز جتانے والا تھا۔
''محنت تو کی تھی ابا۔''
''آج تمہیں یہاں بلا کر بات کرنے کا فیصلہ ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو میری نظروں سے چھپا نہیں ہے، تمہارے پرنسپل کی کال آئی تھی، تم اس مرتبہ سمسٹر میں اپیئر نہیں ہوئے، وہ فیس کے پیسے یقیناً تم نے موٹر بائیک خریدنے اور سگریٹ پھونکنے پر لگائے ہوں گے، اس وقت میری مجبوری ہے صائمہ کی شادی طے کی ہے، میں کسی بھی قسم کا فساد گھر پر نہیں چاہتا، اس لئے تمہارا باپ ہو کر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بیٹی کی رخصتی تک کوئی مسئلہ نہ کرنا، کچھ دن ذرا صبر خاموشی سے وقت گزار لو۔''
''کب ہوئی اس کی شادی طے، مجھے نہیں بتایا آپ نے۔'' وہ حیران تھا۔
''تم گھر پر موجود ہو تو تمہیں کچھ خبر ہو گھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔''

☆☆☆

سمیر ولا کے گیراج میں موٹر بائیک اسٹینڈ پر رکھے ابھی اس نے اندر کی جانب قدم ہی بڑھائے تھے کہ مین گیٹ کے باہر اس نے ہونڈا سوک کو رکتے دیکھا، وہ چہرہ موڑ اندر کی جانب قدم بڑھانے لگا تھا کہ اسے آواز آئی۔
''او ہیلو، دروازہ کھولو۔'' اندر کی جانب قدم بڑھاتا ولی رک کر پلٹا۔
بائیس، تیس سال کی لڑکی گاڑی کا مین ڈور کھولے گیٹ کے اوپر ہاتھ کے اشارے سے گیٹ کھولنے کا کہہ رہی تھی، چوکیدار اپنے کیبن میں موجود نہیں تھا۔
ولی نے چوکیدار کے تعاقب میں سامنے گھر کے بیرونی پلاٹ پر نگاہ دوڑائی، وہ خود بھی مین گیٹ کے ساتھ لگے چھوٹے گیٹ سے موٹر بائیک اندر لایا تھا۔
''پتہ نہیں کون ہے، چوکیدار کو موجود نہ پا کر اس نے ایک نظر ہاتھ ہلاتی لڑکی پر ڈالیں، کھولوں یا نہ کھولوں، کیا کروں؟ نجانے کون ہے؟''
''دروازہ کھولو۔'' وہ لڑکی دوبارہ سے بولی۔
کچھ سوچتے ہوئے وہ مین گیٹ کی جانب بڑھا، اور گیٹ کھول دیا، گاڑی زن سے گراج میں گئی، اگلے لمحے وہ لڑکی گاڑی پارک کیے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولے باہر نکلی۔
''میں کتنی دیر سے چلا رہی تھی، گیٹ کیوں نہیں کھول رہے تھے۔'' ماتھے پر تیوریاں چڑھائے خاصے تیکھے انداز میں وہ لڑکی بولی۔
''آپ کون ہیں؟'' ولی نے اس کے سوال اور انداز کو نظر انداز کیا۔
''میں؟ تم میری چھوڑو، ذرا اپنا تو تعارف کرواؤ، ہو کون اور یہاں کیا کر رہے ہو؟ پہلے تو تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔'' تیکھے پن کے ساتھ اس مرتبہ اس لڑکی کے انداز میں تشویش بھی تھی۔
''دیکھا تو میں نے بھی نہیں ہے آپ کو۔'' ولی نے اس کے سوال پر سوال کیا۔

''کہیں، آنٹی نے نیا واچ مین تو نہیں رکھا، ابھی کچھ دن پہلے ہی مجھے بتا رہی تھیں کہ واچ مین چھٹیاں بہت کر رہا ہے۔'' خود کلامی کے انداز میں ولی پر جانچتی نگاہیں ڈالے وہ لڑکی بولی۔

جواب میں ولی خاموش رہا تھا، غصہ تو اسے لڑکی کی باتوں سے آیا تھا ابھی وہ اس کے روڈ behaviour کی وجہ سے کوئی جواب بھی نہ دے پایا تھا کہ اس نے گرے سوزوکی آلٹو کو گیراج میں داخل ہوتے دیکھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے عثمان کو دیکھتے ہی وہ اس کی جانب بے ساختہ بڑھا تھا۔

''Hi۔'' گاڑی سے نکلتے ہی عثمان اس کی جانب آئے بنا، اس لڑکی کی جانب بڑھا۔

''ہائے، کیسے ہو عثمان؟'' لڑکی نے خوشدلی سے عثمان کی بات کا جواب دیا۔

''میں ٹھیک ہوں You tell me۔''

''فائن۔'' وہ قدرے مسکرائی۔

''سمیر سے ملنے آئی ہیں۔'' عثمان جیسے ولی کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔

''آئی تو میں آنٹی کو ملنے تھی، واٹ اباوٹ یو؟'' عثمان کی بات کا جواب دیتی وہ لڑکی ولی کو ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

''سمیر نے ویسے ہی ہم سب فرینڈز کو چل آوٹ کے لئے بلایا تھا۔''

''اوکے انجوائے یور ٹائم۔'' یہ کہہ کر وہ لڑکی اندر کی جانب بڑھی۔

''یہ کون ہے۔'' اس لڑکی کے منظر سے غائب ہوتے ہی ولی عثمان کی جانب بڑھا۔

''ہاٹ ہے نا۔'' دائیں آنکھ مارتے عثمان نے مسکرا کر ولی سے مصافحہ کیا۔

''روڈ ہے۔'' سادہ سے لہجے میں ولی نے اپنی رائے بیان کی۔

''یار، ایلیٹ کلاس میں اتنا Attitude تو اس کلاس کا نارمل behaviour ہے۔'' عثمان ولی کی رائے سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بولا۔

''اتنا بھی کیا کہ بندہ انسان کو انسان نہ سمجھے۔'' چند لمحے پہلے پیش آنے والے واقعہ کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا۔

''لگتا ہے کوئی گرما گرم میں ہوا ہے جو میرا یار اس بلبل سے اتنا بے زار دکھائی دے رہا ہے۔''

''پہلے یہ بتاؤ یہ ہے کون ہے؟'' وہ جس انداز میں اس سے بولی تھی پھر اس کی عثمان سے بات ہوئی تھی وہیں سے ولی کو اس لڑکی کے بارے میں جاننے کی کھوج ہوئی۔

''اگر تمہارے انداز کے مطابق تعارف کرواؤں تو سمیر کے پاپا کی بزنس پارٹنر کی بیٹی ہے۔'' یہ کہتے ساتھ ہی سمیر ولا کی بیرونی سیڑھیوں سے وہ دونوں چڑھنے لگے، بیرونی سیڑھیاں بالکونی سے سیدھے سمیر کے روم میں جاتی تھیں۔

''اور اگر میں کہوں کہ تو اپنے انداز میں تعارف کروا۔'' وہ دونوں بالکونی کی سیڑھیاں چڑھ آئے اب دونوں کے قدم سامنے نظر آنے دروازے کی جانب تھے۔

''اسٹریٹ فارورڈ...... سمیر کی گرل فرینڈ۔'' عثمان نے تلے انداز میں بولا ساتھ ہی دروازے کا ہینڈل گھولے وہ اندر داخل ہوئے۔

''یہ میرے اور تیرے تعارفی انداز کا فرق ذرا مجھے بھی تو سمجھا۔'' ولی نے اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے ہوئے پوچھا۔

''چھوڑ نا، کلاس ڈیفرنس ہے۔'' عثمان نے بات آئی گئی کرنی چاہی۔

''ہر بات میں تم لوگ کلاس ڈیفرنس کی چج کیوں ڈال دیتے ہو۔'' اس مرتبہ عثمان کی بات

سن کر ولی جھنجلایا۔
''یار، اس میں ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں ہے، بات سیدھی سی ہے، تم جس کلاس سے ہو، وہاں گرل فرینڈ خاصا معیوب سمجھا جاتا ہے، ایلیٹ کلاس میں یہ لفظ استعمال کرنا بہت عام ہے۔'' عثمان کی بات اتنی بھی سیدھی نہیں تھی، ولی بہت دیر تک خاموش رہا۔
''ویسے اس نے ایسا کیا کہہ دیا تجھے کہ تو یوں تپ اٹھا۔'' عثمان کو بھی اپنے کہے کا احساس ہوا تو چند لمحے کو وہ بھی خاموش رہ گیا، پھر کچھ سوچ کر بولا۔
''یار مجھے چوکیدار سمجھ رہی تھی۔'' ولی اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے خاصا بدمزہ ہوا۔
''ہاہا اپنے حلیے کو دیکھ، کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی۔'' اس کی بات سن کر عثمان بے ساختہ قہقہہ لگا اٹھا۔
''مجھے کچھ خاص اچھی نہیں لگی۔'' ولی نے منہ بنایا، اس وقت دونوں کے علاوہ سمیر کے کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔
''یار اب تجھے چوکیدار سمجھے گی تو تجھے اچھی تھوڑا لگے گی۔'' عثمان کا قہقہہ تھم گیا لیکن بدستور مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا ہوا تھا، وہ ولی کی بات کو لے کر انجوائے کر رہا تھا۔
''کیا ہوا تم دونوں کو، کیا باتیں کر رہے ہو؟'' سمیر کمرے میں داخل ہوا، دونوں کو کسی بحث میں لگا دیکھ کر اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔
''ولی تو تمہاری جی ایف نے چوکیدار سمجھ کر گیٹ کھولنے کا کہہ دیا تو اسے برا لگ گیا۔'' عثمان نے ایک مرتبہ پھر سے ہنستے ہوئے سمیر کو جواب دیا، عثمان کی بات کے جواب میں سمیر نے ایک نظر ولی پر ڈالی۔
''ہاں ابھی مجھے ملی ہے، دوست کو کم از کم ڈریس سینس (sense) سکھانے کا کہا ہے مجھے۔'' اس وقت ولی بلیو جینز پر نیلی دھاری دار آف وائٹ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔
''یار تو بھی نا، گھر کے حلیے میں چلا آتا ہے میری طرف۔'' سمیر نے ناقدانہ نظر ولی پر ڈالتے ہوئے کچھ ابرو اچکاتے ناگواری سے کہا۔
''اچھا اب چھوڑو اس ٹاپک کو، ہم میں رہے گا تو ڈریس سینس بھی آ جائے گا آہستہ آہستہ۔'' ولی اپنی جگہ خاموش کھڑا رہ گیا، اس کی حد درجہ خاموشی کو عثمان نے نوٹ کیا تبھی بولا۔
یہ اس کی سمیر کی گرل فرینڈ سے پہلی ملاقات تھی، سمیر اور اس کے دوستوں سے پہلی ملاقات کی طرح، اس لڑکی سے ملاقات کا بھی اس کا خوشگوار تجربہ نہ تھا، اس تمام عرصہ میں جتنی دیر ان کی گفتگو میں اس لڑکی کا ذکر رہا تھا، صرف سمیر کی گرل فرینڈ کی حیثیت سے، وہ اس لڑکی کے نام سے ابھی تک ناواقف تھا۔
☆☆☆
وہ رات عشاء پڑھ کر قرآن پاک پکڑے اپنے بستر تک چلی آئی، ابھی تلاوت شروع ہی کی تھی کہ دروازے پر قدموں کی چاپ نے اسے نظر اٹھانے پر مجبور کیا۔
امان اللہ کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر اس نے قرآن پاک بند کرنا چاہا۔
''آپ تلاوت کریں۔'' وہ سادے سے لہجے میں کہتا بیڈ کے قریب چلا آیا۔
کلثوم نے دوبارہ قرآن پر سر جھکا لیا، وہ اس وقت ہلکے گلابی رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس سر پر کیمل کلر کی شال اوڑھے ہوئے تھی، اس کے بارڈر پر ہلکے گلابی اور سبز رنگ سے

پھولوں کی کڑھائی تھی۔
امان اللہ نے تلاوت کرتی کلثوم کو ایک نظر دیکھا، وہ تلاوت پھر سے شروع کر چکی تھی، امان اللہ اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن ایک انجانی قوت نے اس لمحے اسے بولنے سے روک دیا، بے ساختہ ہی وہ بیڈ کے پیروں کی جانب زمین پر بائیں ٹانگ گھٹنے پر بائیں ہاتھ کے سہارے تھوڑی ٹکائے نظر جھکائے بیٹھ گیا۔
اسے زمین پر بیٹھتے دیکھ کر تلاوت کرتے کلثوم کے لب لمحے بھر کو رکے۔
''آپ تلاوت کریں، میں سن رہا ہوں۔''
''یہاں۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیڈ پر بیٹھنے کو کہا۔
''میں یہاں ٹھیک ہوں۔'' امان اللہ ہنوز انداز میں اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔
کلثوم نے تلاوت پھر سے شروع کر دی، فرق صرف یہ تھا کہ اس نے قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی پڑھنا شروع کر دیا تھا، تلاوت ختم کر کے اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا لحاف قرآن پاک بند کر کے چڑھایا، پھر اسے چوم کر سینے سے لگایا اور اپنی جگہ سے اٹھنے لگی کہ امان اللہ تیزی سے زمین پر بیٹھے اٹھ کھڑا ہوا۔
''میں رکھ دیتا ہوں، آپ بیٹھیں، کہاں رکھنا ہے۔''
''الماری میں، میں رکھ لیتی ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہیں پائی تھی کہ امان اللہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے قرآن پکڑ لیا۔
''الماری میں کس جگہ پر۔'' اب وہ سادے سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
''اوپر والے خانے میں۔''
''اچھا۔'' یہ کہتے ساتھ ہی اس نے دیوار کے ساتھ بنی الماری کا پٹ کھولا، اونچا ہاتھ کر کے اس نے قرآن اوپر خانے میں رکھ دیا، الماری بند کرنے ہی لگا تھا کہ لمحے بھر کو اپنی جگہ ٹھٹکا، چند لمحے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا، اسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ وہ کافی دیر سے کلثوم کی نظروں کے حصار میں تھا۔
''آپ تلاوت اچھی کرتی ہیں۔'' وہ الماری کا پٹ بند کیے واپس بیڈ تک چل آیا۔
''شکریہ۔'' کلثوم نے پیر بیڈ سے اتارتے ہوئے کہا۔
امان اللہ بیڈ پر کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ بیڈ کے کنارے پر رکھے سر جھکائے فرش پر غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جما دیں۔
کچھ لمحے کے انتظار کے بعد اس نے کلثوم کو کہتے سنا وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔
''کوئی بات کہنے آئے تھے۔''
''میں کہنے نہیں سنانے آیا تھا۔'' وہ جیسے کلثوم کے پوچھنے کے انتظار میں تھا۔
''سنانے۔'' نگاہوں میں حیرت سموئے کلثوم نے نظر اٹھا کر امان اللہ پر ڈالی، سفید فل بازو کی شرٹ بلیو جینز پر پہنے وہ اسے خاصا پریشان دکھائی دیا تھا۔
''مجھے ہمیشہ سے آپ سے گلہ رہا ہے، آپ نے میرے لئے کبھی بھی دعا نہیں مانگی۔'' امان اللہ نے اپنی بات کہنے کی شروعات کی تھی، وہ جیسے تمہید باندھ رہا تھا۔
''ایسا نہیں ہے، میں نے ہمیشہ رزق حلال اور اس میں برکت کی دعا کی ہے۔'' کلثوم کو اس لمحے وہ بہت الجھا ہوا بے سکون، پریشان سا دکھائی دیا۔
''آپ میرے لئے بددعا مانگتی تھیں تو اللہ نے آپ کی بددعا بڑے ہی خوش اسلوبی سے سن لی، آپ کی بددعا مجھے لگ گئی۔'' امان اللہ کا لہجہ

انتہائی خشک اور سرد تھا۔
کلثوم برف کی مانند اپنی جگہ پر جم گئی تھی، اس نے امان اللہ کو کئی مرتبہ پریشان دیکھا تھا، لیکن آج ایسی پریشانی کہ جسے وہ محسوس کرکے ٹھٹک گئی تھی، اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔
امان اللہ کی بات سے وہ جو سمجھ رہی تھی وہ اسے سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی، اس کے انداز پر وہ کلثوم کو اپنے ذہن میں جس خطرے کا الارم بجتا سا محسوس ہو رہا تھا، جس کی آواز سے اپنے کانوں کے پردوں پر ٹکرا کر گونجتی محسوس ہو رہی تھی وہ اسے نہ محسوس کرنا چاہ رہی تھی، نہ ہی اسے سننا چاہ رہی تھی، لیکن اس لمحے وہ بے بس تھی۔

☆☆☆

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔'' ولی کے پیسوں کے مطالبے پر سجاد صاحب کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا، ان کے خیال کے مطابق ولی ابھی ہوش میں نہیں تھا۔
''کالج فیس کے لئے بھی تو دیتے ہیں۔'' سجاد صاحب کی بات کے جواب میں ولی منمنایا۔
''وہ پڑھائی کی خاطر دیتا ہوں، تمہارے کرئیر کی خاطر۔'' اس مرتبہ سجاد صاحب نے ہاتھ اٹھا کر ایک دم بہت سخت لہجے میں اسے ٹوکا، ان کی آواز میں کچھ تھا کہ ولی رک سا گیا۔
''یہ بھی کرئیر کے لئے ہی لے رہا ہوں۔'' بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تھا۔
''کیرئیر کے لئے پڑھائی ضروری ہے، ابھی تمہاری ڈگری کمپلیٹ نہیں ہے۔'' ولی کی بات جسے انہوں نے کسی کھاتے میں نہیں کی۔
''ابا پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں، میں بزنس کرنا چاہ رہا ہوں۔'' گفتگو کے آغاز میں ولی کو لگا تھا کہ سجاد صاحب کو منانا انتہائی آسان کام ہے، لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔
''کون سا بزنس؟'' ابھرو اچکاتے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔
''ابا میرے دوست سمیر کے ابا کا اپنا بزنس ہے لینڈ ٹریڈنگ اینڈ اسٹاک مارکیٹ ٹیرنگ، اب انہوں نے سمیر کو بھی کہا ہے کہ وہ بزنس کر سکتا ہے، تو اس کے ساتھ میں بزنس شروع کرنا چاہ رہا ہوں۔'' بلی تھیلے سے باہر آنا شروع ہوئی تھی۔
''آج تک ہمارے خاندان میں کسی نے بزنس کا ہاتھ نہیں لگایا، جاب کی کمائی پر ساری زندگی گزاری ہے۔'' سجاد صاحب نے صاف الفاظ میں انکار کیا۔
''تو اب کر لیں بزنس، جاب تو کر کے دیکھ لیا، مشکل سے Hand to mouth لونگ ہے، بزنس کر کے کچھ تو گھر کے حالات بہتر ہونگے، نہیں تو فقیری میں ہی ساری زندگی گزر جائے گی۔'' بلی تھیلے سے باہر تھی، لیکن اب ولی کو احساس ہو رہا تھا کہ تھیلے میں ہی رہتی تو زیادہ اچھا تھا۔
''حق حلال کی سفید پوشی کو فقیری کہہ رہے ہو برخوردار، ابھی زندگی کی سمجھ نہیں ہے، تمہارے باپ دادا نے آج تک بزنس نہیں کیا۔'' سجاد صاحب نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔
''اب کر لیں ابا، ویسے بھی کس صحیفے میں لکھا ہے کہ باپ دادا نے جاب کی ہو تو بیٹا بزنس نہیں کر سکتا۔'' سجاد صاحب کی بات سن کر ولی صحیح معنوں میں جھنجھلایا تھا۔
''ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے، کمائی کرنے کے ہر طریقے کے مختلف گر ہوتے ہیں کچھ انسان میں خود ہوتے ہیں، باقی ماحول سے لیتا ہے اور کچھ سکھائے جاتے ہیں۔'' سجاد صاحب اصولوں کے پکے تھے، اس کی گزری

زندگی کا نچوڑ ان کے تمام تجربات کی نظر میں ان کا کہنا بجا تھا۔

''ماحول سے میں نے غربت لی ہے، گر مجھ میں ہیں آپ کے سکھانے کی ضرورت نہیں ہے، میرے پاس ہیں سکھانے والے۔'' ولی کے اعصاب بھی گویا چٹخنے لگے تھے، دل کی احساس محرومی زبان پر آ گئی تھی۔

''دنیا اتنی سیدھی نہیں ہے ولی، تمہیں مہرہ بنا کر تم سے چال چلے گی اور خود پرافٹ لے اڑے گی۔''

''جانتا ہوں ابا، اسی دنیا میں رہتا ہوں جس میں آپ رہتے ہیں، آپ کی میری دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' عام سی بات سے آغاز لینے والی گفتگو نے اب جرح کا روپ دھار لیا۔

''سوچ میں فرق ہے، زندگی کے تجربے میں فرق ہے۔''

''زندگی کے تجربے کے لئے عمر کے سال گزارنے لازمی نہیں ہوتے۔'' ولی بولا۔

''البتہ عقل کی ضرورت ہوتی ہے، جو تم میں خاصی کم ہے۔'' سجاد صاحب نے دوبدو جواب دیا۔

''ابا، آپ بھی بلاوجہ کی بحث میں پڑے ہیں، آپ آزما کر تو دیکھیں۔'' ولی زچ ہوتے ہوئے جیسے انہیں چیلنج کرتے ہوئے بولا۔

''زندگی میں تھوڑی سی جمع پونجی ہے، آزمانے کے چکر میں لٹانے سے رہا، تمہارے علاوہ ایک اور اولاد بھی ہے میری، بیٹی ہے، اس کی زندگی کا بھی سوچنا ہے مجھے۔'' سجاد صاحب صاف انکاری تھے، انہوں نے ولی کے چیلنج پر کان بھی نہیں دھرے، ان کے کندھوں پر جوان بیٹی کی ذمہ داری تھی، انہیں وہ بھی خوش اسلوبی سے نبھانی تھی۔

''بہتر ہے کہ تم بھی اس فضول سوچ کر ذہن سے نکال کر اپنی پڑھائی پر توجہ دو، پڑھائی پوری کر کے نوکری کر کے کمانے پھر جو شوق ہوں پورے کرنا، میرے پاس فالتو کا پیسہ نہیں ہے بزنس کے نام پر ڈبونے کو۔''

جرح کا اختتام ہو چکا تھا، سجاد صاحب کا دو ٹوک انداز جوں کا توں تھا، ولی کو منہ کی کھانی پڑی تھی، وہ اپنی بات منوانے میں ناکام رہا تھا اور یہ ناکامی اسے اپنے باپ سے اٹھانی پڑی تھی، وہ ہمت نہیں ہارا تھا، اپنے مسئلے کے حل کے لئے وقتی طور پر خاموش ہوا، قدم فی الوقت رو کے تھے، لیکن اسے رکنا نہیں تھا، وہ ساری زندگی پیسے کو ترسا تھا، وہ جوانی پیسے میں ترستے نہیں گزار سکتا تھا۔

☆☆☆

''سمیر!'' مین ہال میں سیڑھیاں اتر کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھا کہ مسز فرقان بولیں۔

''یس مام۔''

''کہاں جا رہے ہو، اتنی تیاری کے ساتھ۔'' بلیک پینٹ شرٹ میں تیار سمیر کو دیکھتے مسز فرقان بولیں۔

''مام، فرینڈز کے ساتھ ڈنر ہے۔''

''تمہیں میں نے آج گھر رکنے کا اسپیشلی بولا تھا۔''

''آج، وہ کیوں؟''

''او ہاں، سوری مام مجھے یاد ہی نہ رہا۔'' وہ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا، وہ واقعی بھول گیا تھا۔

''تم ہمیشہ سے ایسے ہی کرتے ہو، کمٹمنٹ کر کے بھول جاتے ہو۔'' ساڑھی کا پلو نفاست سے بازو پر ٹھیک کرتے انہوں نے بیٹے سے خفگی

کا اظہار کیا۔
''مام اب ایسا بھی نہیں ہے، سچ میں مجھے یاد ہی نہ رہا۔'' وہ ان کے قریب چلا آیا، ان کے شانے پر بازو پھیلائے انہیں منانے والے انداز میں دیکھتے بولا۔
''اب تو یاد آ گیا ہے نا۔''
''اب؟ پلیز مام آپ گیسٹ کو میری جانب سے ایکسوز کر دیجئے گا۔'' بازو ان کے شانے سے ہٹاتے وہ دوبارہ سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھا۔
''تمہارے ڈیڈ سے کون کہے گا۔'' مسز فرقان نے اس کے باہر کی جانب اٹھتے قدموں کو روکنے والے انداز میں بولیں۔
''آپ اور کون، مام میرے فرینڈز سے بہت دنوں کے بعد مل رہا ہوں، بہت زبردست get together ہے۔'' اس کے قدم رکے تھے، وہ پلٹا چہرے پر مسکراہٹ سجاتے وہ شانے لاپرواہی کے انداز میں اچکاتے بولا۔
''جانتی ہوں تم کو بھی اور تمہارے فرینڈز کو بھی اور تم سب فرینڈز کی گیٹ ٹوگیدر کو بھی آئے دن تمہاری پارٹیز ہی ہوتی رہتی ہیں۔''
''مام chill out یہی تو لائف ہے اور آپ ہی تو کہتی ہیں کہ یہی دن ہیں جوانی کے، زندگی کو انجوائے کرنے کے۔'' بیرونی دروازے کے قریب دیوار پر لگے کی ریک سے اس نے مطلوبہ چابی اتار کر ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔
''کہتی ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ بندہ دنیاداری کے ہوش بھلا دے تمہارے ڈیڈ کے کلوز بزنس فرینڈ ہیں، وہ اور ان کی فیملی انوائیٹڈ ہیں آج، ان کی بیٹی یو کے سے واپس آئی ہے ایم بی اے کر کے، اس سلسلے میں آج انہیں ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے، تمہارا ہونا ضروری ہے۔''
''مام پلیز، میری طرف سے ایکسیوز کر دیجئے، ناؤ آئی وانٹ ٹو گو، آئی ول ٹاک ٹو یو لیٹر Now i want to go i will talk you later۔'' یہ کہتے ساتھ ہی اس نے تیزی سے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔
''بہت بگڑ رہا ہے یہ لڑکا، کیسے سنبھلے گا، کیسے جان چھٹے گی اس لڑکی سے، ہاتھ دھو کر میر کے پیچھے پڑ گئی ہے۔'' مسز فرقان نے بند دروازے کی جانب دیکھا، جہاں چند لمحے پہلے وہ کھڑا تھا، پھر خود کلامی کے انداز میں بولیں، اس کے لہجے میں تفکر تھا، ذہن کچھ سوچنے پر آمادہ۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہے ہیں، کچھ پریشان ہیں۔'' زلیخا بیگم کمرے میں آئیں تو سجاد صاحب کو کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے دیکھ کر حیران ہوئیں۔
''ہاں بس کچھ عجیب سی سوچوں نے ذہن کو جکڑے ہوا ہے۔'' وہ واقعی پریشان تھے، ہم سفر کے پوچھنے پر وہ بھی اپنی پریشانی آشکار کیے بنا نہ رہ سکے۔
''سب خیر تو ہے، صائمہ کی شادی کو لے کر پریشان ہیں۔'' اپنے طور پر زلیخا بیگم نے اندازہ لگانے کی کوشش کی، وہ ایک باپ کی اپنی لاڈلی بیٹی کے لئے فکر کو سمجھ سکتی تھیں۔
''دنیا میں کہنے کو کہہ دیتی ہے کہ باپ بیٹیوں کی رخصتی کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے ہیں، سچ ہی کہتے ہیں لیکن میں تو ایک ذمہ داری پوری کرتے ایک اور ذمہ داری کندھوں پر لئے بیٹھا ہوں۔'' سجاد صاحب کے اٹھتے قدم رکے تھے، پھر وہ بیڈ کے کنارے پر ٹکتے ہوئے پرسوچ انداز میں بولے۔

"فاطمہ کی بات کر رہے ہیں۔" اپنے تئیں زلیخا بیگم نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"کہاں ہے فاطمہ۔" سوالیہ انداز میں انہوں نے پوچھا۔

"صائمہ کے جہیز کی پیکنگ کر رہی ہے۔" مختصر الفاظ میں انہوں نے سجاد صاحب کی بات کا جواب دیا۔

"میں آپ کے دوست سے تو کبھی نہیں ملی لیکن بہت اچھی تربیت کی ہے اس نے بیٹی کی۔"

کچھ توقف کے بعد زلیخا بیگم بولیں، ان کی بات سن کر کچھ دیر وہ بھی جیسے تائیدی انداز میں خاموش رہے پھر کچھ خیال آنے پر بولے۔

"ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا ہے اسے یہاں آئے، تمہیں چند دنوں میں ہی پتہ چلا گیا۔" جملہ کے اختتام پر وہ بے ساختہ مسکرائے۔

"مانا کہ میں نے ساری زندگی گھر کی چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھا، زمانے کی اونچ نیچ سے شاید اتنا واقف نہیں جتنا نوکری کرنے والی عورتیں سمجھ پاتی ہیں، پھر بھی دو اولادیں پال کر جوان کی ہیں، اتنی پرکھ تو ہے انسان کی، بیٹی کی ماں ہوں، عورت کے اٹھتے قدم اور چال سے سمجھ جاتی ہوں۔"

"کبھی یہی نظر بیٹے کی ماں بن کر بھی ولی پر رکھی ہوتی۔" اس مرتبہ سجاد صاحب کے انداز میں ہلکی سی تمسخر کی رمق تھی۔

"یہی بات سوچ سوچ کر پریشان رہتی ہوں کہ کہاں کوتاہی ہوئی اس کی تربیت میں جو اس کے قدم اس راستے چل پڑے ہیں جس کی کوئی منزل نہیں۔" زلیخا بیگم نے سجاد صاحب کی بات کی رتی بھر بھی برا نہیں منایا۔

"ہوں اس کی فکر تو مجھے بھی ستائے رکھتی ہے۔" ایک گہری سانس لیتے وہ پھر سے انجانی سوچوں میں محو تھے۔

"یہ کیا ہے اس لفافے میں۔" ان کے ہاتھ میں خاکی لفافہ دیکھ کر زلیخا بیگم چونکیں۔

وہ جب کمرے میں داخل ہوئیں تو لفافہ بیڈ پر پڑا تھا اب سجاد صاحب کے ہاتھ میں تھا۔

"فاطمہ کے پلاٹ کے پیپرز ہیں۔" گہری سوچ لیے انہوں نے لفافے کو کھول کر کچھ کاغذ باہر نکالے۔

"پلاٹ کے پیپرز؟" زلیخا بیگم نے ان کے ہاتھ میں اسٹامپ پیپر دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں نا سمجھی کی کیفیت میں کہا۔

☆☆☆

رات کے ڈنر کے بعد امان اللہ اور فرزانہ اپنے بیڈ روم میں چلے آئے، امان اللہ کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ ریڈنگ ٹیبل پر فائل کھولے ہوئے تھا۔

"یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا نئی سوجی ہے۔" امان اللہ نے فائل پر سے سر اٹھا کر فرزانہ کے انوکھے مطالبے کو سنا، وہ کئی مرتبہ آفس فائلز کے pending کام گھر لے آتا تھا۔

"دو گھنٹے ہو گئے ہیں اسی بحث میں، میں تمہیں سمجھا نہیں سکی۔" لہجے میں بے زاری اور کوفت کا عنصر لیے فرزانہ بولی۔

"اس بحث کا کوئی سر پیر تو ہو۔" بہت دیر سے وہ فرزانہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ جو کچھ کرنا چاہ رہی ہے غلط ہے۔

"Its all about profitgame۔" فرزانہ اس کی ہر بات کے جواب میں ایک ایسا جواز پیش کر دیتی تھی جس کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا تھا۔

"تم اس بزنس میں ری انویسٹ کرنے کی بات کر رہی ہوں جہاں سے تمہارے ڈیڈ کو چند

سال پہلے لوس ہوا تھا اور ایسا لوس کہ تمہارے ڈیڈ کی کمپنی دیوالیہ ہونے کو پہنچ گئی تھی۔" امان اللہ، فرزانہ کی اس ضد کو لے کر الجھن کا شکار ہونے لگا تھا، کم عقل انسان کے ساتھ رہنا اتنا آسان نہیں تھا، فرزانہ کے ساتھ وہ زندگی کے جتنے دن گزار رہا تھا یہ احساس وقت گزرنے کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

"بزنس میں پرافٹ لوس تو چلتا ہے اور ویسے بھی اب سب کچھ سیٹل ہے۔" فرزانہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

"جو کچھ سیٹل ہوا ہے تم اسے دوبارہ ان سیٹل کرنا چاہ رہی ہو۔" امان اللہ کو اس لمحے لگا جیسے وہ کسی دیوار کے ساتھ سر ٹکرا رہا ہو۔

"دیٹ ایسے منٹ تم اس لوس کو لے کر اتنا تپی ہو رہے ہو یا پھر بزنس پارٹی پر اعتراض ہے۔" وہ فائل بند کر کے پٹخنے والے انداز میں میز پر رکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"واٹ؟" فرزانہ کی بات پر بے اختیار ہی اس کا سر پیٹ لینے کو چاہا۔

"تمہاری سوسائٹی میں یہی باتیں سو کالڈ انا کہلاتی ہیں، پلیز کم اوٹ آف دیٹ بل شٹ۔" فرزانہ نے اپنے تئیں اندازہ لگانے کی کوشش کی، وہ خود سر ہمیشہ سے تھی لیکن منہ پھٹ ہوئے کا اندازہ امان اللہ کو آج ہوا۔

"یہ کیا بکے جا رہی ہو۔" بحث وہی تھی جسے بات کو لے کر شروعات ہوئی تھی لیکن ایک نیا موضوع شامل ہو گیا تھا، بحث ایک نیا رخ اختیار کر گئی تھی۔

"ٹھیک کہتے ہیں میرے فرینڈز، لوئر مڈل کلاس چاہے جتنا بھی برینڈ لوک اڈاپٹ کر لیں، سوچ کے اعتبار سے رہتے گٹر کے کیڑے ہی ہیں۔"

فرزانہ کی بات پر امان اللہ کو جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا تھا، وہ اپنی جگہ خاموش کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا، وہ طعنہ اتنا سخت تھا کہ اس کے نشر کی چبھن نے اسے کے پورے وجود کو اذیت کے درد سے آشنا کیا کہ وہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔

فرزانہ کی بات کے جواب میں وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ پایا کہ اس وقت وہ کوئی بھی جواب دیتا، بے کار جاتا۔

وہ خاموشی سے آہستہ قدموں چلتے کمرے سے نکل آیا، فرزانہ کی کمرے سے چیخنے چلانے کی آوازیں اس کے کانوں کے پردوں سے لگاتار ٹکرا رہی تھیں۔

شادی ایک جوا ہوتا ہے، چل گیا تو زندگی سنور جاتی ہے، اسی طرح ہم سفر کی عادات اور فطرت بھی ساتھ رہنے پر ہی معلوم ہوتی ہیں۔

انسان کسی انسان میں اچھی عادات کو دیکھ کر اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بارے میں سوچتا ہے، اچھی کے ساتھ بری عادات کو اگنور کر دیتا ہے۔

لیکن جب انسان کو اپنے ہم سفر کی بری عادات کا علم ہو اور جانتے بوجھتے وہ انہیں دنیاوی مفاد کی خاطر قبول کر لے تو وہ انسان کے گلے کا طوق بن جاتی ہیں۔

پچھتانا اس کی فطرت میں ہے، جب قسمت کے ہاتھوں فیصلے ہوں تو ان پر پچھتانا اتنا اذیت نہیں دیتا، انسان روتا پیٹتا اپنی قسمت کو دوش دے کر پھر سکون کی چند سانسیں لے لیتا ہے۔

انسان روح پر اذیت تب سہتا ہے جب وہ فیصلے اس کے اپنے ہاتھوں ہوئے ہوں قسمت کو دوش بھی نہیں دے پاتا، نہ دل پر بوجھ لئے نہ کسی کو بتا سکتا ہے نہ خود کو قرار دے پاتا ہے۔

وہ روتا ہے تو کس کے آگے روتا؟ وہ آنسو بہاتا تو کیسے دکھاتا؟ وہ دل کا دکھ سناتا تو کسے سنناتا؟

☆☆☆

''سمیر میں نے تمہیں پہلے بھی کتنی مرتبہ کہا ہے، جان چھڑاواس لڑکی سے جب دیکھو تمہارے سر پر سوار رہتی ہے، اسے گھر میں اور کوئی کام نہیں ہوتا کہ دن کے چوبیس گھنٹے ہمارے یہاں موجود ہوتی ہے۔'' تنبیہی انداز میں مسز فرقان بولیں۔

''مام، چوبیس میں سے اٹھ گھنٹے نکال دیں، وہ رات اپنے گھر سوتی ہے۔'' سمیر کے لہجے میں بشاشت تھی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی مام واقعی میں سنجیدہ تھیں، اس کے لہجے کی بشاشت بھی ان کی سنجیدگی میں کمی نہ لاسکی تھی۔

''میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' مسز فرقان بے زاری سے بولیں۔

''مام کیا بات ہے، پہلے تو کبھی آپ نے میرے فرینڈز کو لے کر ایسے ری ایکٹ نہیں کیا، پچھلے کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ میرے فرینڈز کو لے کر کچھ زیادہ ہی کانشس ہو رہی ہیں۔''

''تمہارے فرینڈز سے مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے البتہ تمہاری اس گرل فرینڈ سے ہے اور میں تمہیں وارن کر رہی ہوں کہ اسے اپنے کمرے سے دور رکھو۔'' مسز فرقان کے لہجے میں اس لڑکی کو لے کر خاصی اکتاہٹ تھیں۔

''مام یہ لوئر کلاس کی نیرو مائنڈز سوچ آپ کے ذہن میں کیسے آئی۔'' وہ سچ میں حیران تھا۔

''وقت کا تقاضا ہے صرف میں ہی اس لڑکی کو لے کر uncomfodtable نہیں ہوں، تمہارے ڈیڈ بھی نہیں چاہتے کہ تم اس لڑکی کو اپنے کلوز کرو۔''

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

ابن انشا کے شعری مجموعے

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37310797, 042-37321690

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ڈیڈ اپنے فرینڈ کو لے کر فیملی ٹرمز کے بارے میں سوچ رہے تھے۔'' سمیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ پہلے کی بات تھی، اب ایسا نہیں ہے، کچھ بزنس اشوز کو لے کر دونوں کے درمیان کچھ کلیشز ہیں، ان فیکٹ ان کے نئے بزنس پارٹنر سے انہیں بزنس میں خاصا پرافٹ ہوا ہے اور اس پرافٹ کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے اگلے بزنس پراجیکٹ میں نئے بزنس پارٹنر کے ساتھ انویسمنٹ پلان کر رہے ہیں، یہ روبی ان کے نئے بزنس پارٹنر کی بیٹی ہے۔''

''ڈیٹس گریٹ۔'' سمیر نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑا تھا۔

''انہیں اچھی طرح سے پتہ ہے لائف میں آنے والے ہر موقع سے کیسے فائدہ اٹھانا ہے اور میرے خیال سے اب تمہیں بہتر سمجھ آگئی ہوگی کہ میں تمہیں اس لڑکی سے دور رہنے کو کیوں کہہ رہی ہوں۔'' مسز فرقان اسے اپنی بات سمجھا کر خاصی مطمئن نظر آرہی تھیں۔

جواب میں کچھ سوچتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا، یہ الگ بات کہ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ آئندہ چند روز میں وہ کس مصیبت کو اپنے گلے لگانے جا رہا ہے، ایک ایسی ہڈی اس کے گلے میں پھنس چکی تھی جسے وہ نہ نگل سکتا تھا نہ ہی اگل سکتا تھا۔

☆☆☆

''آپ نے مجھے یہ پیپرز واپس کرنے کو بلایا ہے۔'' وہ کمرے میں داخل ہوئی اور ان کے ہاتھ میں پیپرز دیکھ کر بولی۔

''بیٹھو، فاطمہ۔'' انہوں نے فاطمہ کو کرسی پر بیٹھنے کو بولا لیکن وہ ہنوز اپنی جگہ پر کھڑی رہی، کچھ دیر پہلے زلیخا بیگم اسے بلانے آئیں تھیں، سجاد صاحب کو اس سے بات کرنا تھی۔

''اور تم بھی بیٹھ جاؤ، جو بات میں فاطمہ سے کرنے والا ہوں، تمہارا ہونا بھی ضروری ہے۔'' قریب کھڑی زلیخا بیگم کو بھی انہوں نے اشارے سے کہا تھا۔

''انکل یہ میں نے آپ کو اس لئے نہیں دیئے کہ آپ مجھے واپس کر دیں، صائمہ کے لئے دیئے ہیں۔'' اس نے وہ پیپرز دوبارہ سے ان کے قریب بیڈ پر رکھ دیئے۔

''اور میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ یہ بات اپنے تک رکھئے گا، آپ نے آنٹی کو بھی بتا دی۔'' اس مرتبہ وہ خاصی خفا سی تھی۔

''بہت دن یہ بات اس سے چھپائے رکھی، تم تو مجھے بڑے آرام سے دے گئیں تھیں لیکن تمہاری امانت کے طور پر میرے پاس پڑے تھے، سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ تمہاری امانت کیسے واپس لوٹاؤں۔'' سجاد صاحب اپنی بات میں وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

''پھر بھی آپ کو انہیں نہیں بتانا تھا، خاموشی سے دے دیتے صائمہ کو۔'' وہ اپنی جگہ پڑ کھڑی اپنی ضد پر مصر تھی۔

''یہ تمہاری امانت ہے، یہ تمہاری ہی ہے، کوئی چھوٹی بات نہیں تھی جو چھپ سکتی، ایک وقت تو پتہ چلنی تھی تمہاری آنٹی کو، ہاں ابھی جو بات تم سے کرنا چاہتا ہوں، اس کے بارے میں تمہاری آنٹی نہیں جانتیں لیکن ابھی اس کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ بیٹیوں کے ساتھ کچھ باتیں کرتے وقت ماؤں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔''

''میں آپ کی بات تب سنوں گی جب یہ پیپرز آپ accept کریں گے۔'' اس نے جیسے سجاد صاحب کی بات ماننے سے انکار کیا تھا۔

''یہ تمہارا پلاٹ ہے، اس پر تمہارا حق ہے،

ہر باپ اپنی بیٹی کے مستقبل کے لئے کچھ نہ کچھ اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے، یہ دنیاوی چیزیں کسی کے اچھے مستقبل کی ضمانت تو نہیں ہوتیں لیکن برے وقت میں بہت حد تک سہارا ضرور بنتی ہیں۔" وہ اپنے جگری دوست کی بیٹی کو اپنے پاس پناہ دینے لائے تھے، وہ لالچی نہیں تھے کہ کسی کی بیٹی کا حق مارتے۔

"آپ نے مجھے بیٹی نہیں سمجھا، اس لئے اتنی اجنبیت برت رہے ہیں۔" فاطمہ ہنوز اپنی جگہ پر کھڑی تھی، اس کی خفگی کا گراف کم ہونے کی بجائے اوپر جا رہا تھا۔

"آج بیٹی سمجھ کر تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اس کے قریبی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ساتھ ہی سجاد صاحب نے کہنا شروع کیا تھا۔

"جی انکل آپ کو جو کہنا ہو آپ کہیں۔" فاطمہ کو وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے، اس نے وہی کیا تھا جو اس لمحے اسے کہنا مناسب لگا تھا۔

"ولی سے نکاح کرو گی۔" سجاد صاحب کا یہ پانچ حرفی جملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ چند لمحوں تک نا سمجھی کی کیفیت میں بس انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"انکل!" اسے اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔

"تم خود سوچ سمجھ والی ہو، جب سے میرے گھر آئی ہو، خود بھی دیکھ رہی ہو، تمام حالات تم سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں، ولی کو بھی دیکھ رہی ہو، اس کا رویہ، اس کی عادات، کچھ سمجھ رہی ہو گی کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو گی۔" اس مرتبہ سجاد صاحب نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا، لیکن لاشعوری طور پر وہ زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ پائی تھی۔

"ولی اتنا برا نہیں ہے جتنا دکھائی دے رہا ہے، یہ نہ سمجھنا کہ اس کا باپ ہونے کے ناطے میں اس کے حق میں بول رہا ہوں، کچھ گھر کے حالات ایسے رہے، باقی سفید پوشی کے بھرم نے اسے ایسا بنا دیا، میں اس کی پرورش حق حلال کی روزی پر کر کے سمجھتا رہا کہ شکر و قناعت بھی اس کی روح میں گھل گئی، لیکن ایسا نہیں تھا اب سوچتا ہوں تو یہی غلطی دکھائی دیتی ہے، اولاد کو حلال کا نوالہ کھلا کر ہی سمجھنا کہ فرض پورا ہو گیا، کافی نہیں ہوتا، شکر کا کلمہ، صبر کی تلقین بھی سکھانی پڑتی ہے، جب تک مجھے اس بات کا احساس ہوا تب تک وہ دنیا کی حرام کی چکا چوند میں اپنی آنکھیں لگائے بیٹھا تھا، سختی کرنے کی بھی کوشش کی لیکن تب تک وہ سختی کرنے کا وقت بھی نکل چکا تھا۔" کچھ ماضی میں کی گئی غلطیاں کچھ پچھتاوے تھے جنہیں سجاد صاحب نے الفاظ کا روپ دیا تھا۔

"لیکن ان کی تمام برائیوں میں میں اس کی ایک اچھی فطرت جانتا ہوں، یقین رکھتا ہوں وہ دل کا برا نہیں ہے، رشتوں کو بناتا ہے تو نبھانا بھی جانتا ہے، بس یہ پہچان نہیں کہ رشتہ کس انسان سے جوڑنا بہتر ہے، یہی غلطی اس سے دوست بنانے میں بھی ہوئی۔" سجاد صاحب نے خود کو پھر سے کمپوز کر لیا تھا، کچھ دیر پہلے جس باپ کو بیٹے میں خامیاں نظر آ رہی تھیں وہی اس کی تعریف کر رہا تھا۔

"تم پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے فاطمہ، جیسے صائمہ میری بیٹی ہے ویسے ہی تم بھی بیٹی ہو، تمہاری رائے میرے لئے مقدم ہے، تم جو فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہو گا۔" فاطمہ اس تمام عرصے میں خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی تھی، وہ سن رہی تھی، لیکن کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

قرۃ العین سکندر

سریش اس وقت زوار شاہ کے مین مقابل بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت شدید غصے میں تھا۔

"تمہیں اتنی مرتبہ بلوا دیا گیا تھا پھر تم آئے کیوں نہیں، کیا تم اپنا وعدہ بھول گئے ہو یا یہ بھی کہ اس ایک شخص کو تمہاری جگہ مل گئی کیونکہ اسے پس منظر کا حصہ ہم نے بنا دیا ہے اور آرام سے اپنی شادی میں عیش میں لگ گئے ہو، جانتے ہو تمہارے ایک ایک پل کی ہمیں خبر ہے، ہمیں اتنا نادان نہ سمجھو۔"

کئی دنوں سے وہ سریش کے فون کالز اور میسجز کو اگنور کر رہا تھا، اس کا ارادہ تھا کہ اب اس شخص سے روابط ایک دم سے ختم کرے گا، کیونکہ اسے وہ شخص چہرے مہرے سے ایک سفاک شخص لگتا تھا، اس کا اس طرح سے ایک سیاسی شخص کو قابو کرنا یہ بتاتا تھا کہ اس کی رینج بھی ہے اور اس سے میل جول بھی اس کے لئے اس طرح نقصان دہ ہو سکتا ہے، کل کلاں اس پراسرار شخص کے

ناولٹ

ساتھ اس کا نام اس کے لئے سیاہ بختی بن سکتا ہے۔

"اگر اب بھی نہیں سمجھے تو اس کے بعد بچھ بھی جاؤ گے۔" سریش نے اس کے سامنے ایک لفافہ پھینکا اس لفافے کو چاک کیا تھا، اس میں سریش اور زاور شاہ کی تصاویر تھیں، جن میں زوار شاہ سریش سے ہاتھ ملا رہا تھا، یہی نہیں اس کے علاوہ بھی زوار کی تصاویر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا سریش سے گہرا تعلق ہے، اب اگر سریش پھنستا تو زوار شاہ کا بھی پھنس جانا ایک اٹل حقیقت تھی، زوار شاہ کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے، اس کا چہرہ اس وقت پریشانی سے فق تھا۔

"یہ سب کب لی گئی ہیں؟" اس کے لہجے میں تفکر صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی

چاہیے، اب کرتے ہیں مطلب کی بات، ہم سے غداری کی سزا صرف موت ہے، اگر کسی وقت وطن سے محبت کا ابال اٹھے تو بتا اپنا ہمارے کارندے ہر وقت پوری یہاں پھیلے ہوئے ہیں، ارے تمہیں تو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہارا انتخاب کیا ہے، بس جو کہتے ہیں کرتے جاؤ اور غداری کا سوچنا بھی مت، ورنہ عتاب سے بچ نہ پاؤ گے۔'' سریش نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا، یہ بھی اگر چہ ایک کڑوا سچ ہی تھا کہ زوار شاہ ایک محبِ وطن پاکستانی نہیں تھا، مگر نجانے اس کے اندر وطن کے نام پہ کیوں ایک تیز غصے کی لہر بیدار ہونے لگی تھی۔

یہ بھی ایک سچ تھا کہ اس کے باپ کی وفات کے بعد اسے سیاسی گدی نشین قرار دیا گیا تھا، مگر یہ کوئی بہت بڑی سیٹ نہیں تھی، اسے اعلیٰ عہدے چاہیے تھے، بڑی کرسی، بڑی سرکار، مگر اس کے لئے روپیہ پیسہ بہانا لازم تھا، پھر روپیہ پیسہ تو اس نے بلوشہ کو مہرہ بنا کر حاصل کر لیا تھا، مگر اس کے بعد وہ شخص جو مقابل میں لڑ رہا تھا ایک بڑا نام تھا جسے شکست دینا آسان کام نہیں تھا، مگر نجانے کیسے محض سریش سے یہ کام کہہ دینے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے وہ امیدوار اپنی سیٹ سے اچانک بری الذمہ ہو گیا تھا، اس کے یوں ہٹ جانے کے بعد اس کے لئے سارے راستے از خود ہی کھل گئے تھے، اس کا احسان مند تو تھا زوار شاہ مگر وہی خدشہ کہ اب کیا کام بتائے گا، اسے لالچ دیا گیا تھا کہ مزید امداد اور رقم مہیا کی جائے گی، جب حرص کی لت منہ کو آ لگے تو پھر انسان اپنی عاقبت بھی بھول جاتا ہے، اسے اب کچھ کچھ اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ ایک گہری دلدل میں پھنس چکا تھا، جہاں سے واپسی ممکن نہیں تھی، اگر وہ اس سب سے انکار کرتا تو پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا، اس لئے موت اور زندگی کے اس کھیل میں اس نے بالآخر سر اٹھا کر زندگی کو منتخب کیا تھا، دل میں ایک خلش سی تھی، اپنے ہی وطن کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا اور بات تھی، مگر وطن کے راز دشمن عناصر کو پہنچانا اور بات تھی، جس کا احساس اب زوار شاہ کو پوری شدت سے ہونے لگا تھا، وہ چاہ کر بھی راہ فرار اختیار نہیں کر پا رہا تھا، دونوں طرح اس کی رسوائی اور موت تھی۔

''ایک فائل لانی ہے بلیو کلر کی، اس کا طریقہ کار ہم تمہیں بتا دیں گے۔'' سریش آہستہ آہستہ اس کو طریقہ سمجھانے لگا تھا، جس کو سن کر زوار شاہ کا چہرہ مزید فق ہو گیا تھا، وہ بے طرح پریشان سا واپس لوٹا تھا۔

☆☆☆

آج مونا کی رخصتی کا دن تھا، مونا بی جان کو روتا چھوڑ کر آ گئی تھی، عیبرہ بار بار اس کے گلے لگ کر رو رہی تھی، مگر مونا ہی تھی ایک جو برف کے تودے کی مانند تھی، جس کو نجانے کیوں رونا ہی نہیں آ رہا تھا، کوئی جذبہ اس کو پگھلا نہ سکا تھا اور وہ سب کو روتا چھوڑ کر آج رخصت ہو کر وقار کے سامنے دلہن بنی بیٹھی تھی، وقار رسمی سے انداز میں اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا، مگر وہ مسلسل خاموش بیٹھی تھی، جسے لفظ اس کے کانوں سے ہو کر دل کو نہ چھو رہے ہوں، بالآخر وقار نے بھی اس کی مسلسل خاموشی کو شدت سے محسوس کر لیا تھا۔

''کیا بات ہے، یہ لبوں پہ قفل کیوں لگائے بیٹھی ہو، کیا اس شادی سے خوش نہیں ہو؟ تم تو ایسے پیش آ رہی ہو جیسے یہ شادی زبردستی کی گئی ہے، اس میں تمہاری خوشی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، کیا وہاں کوئی پسند آ گیا تھا۔'' آخری جملہ نے

مونا کے وجود میں ارتعاش برپا کر دیا تھا، وقار کے طیش نے اس کو لرزا سا دیا تھا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے آپ بالکل غلط سمجھ رہے ہیں۔'' مونا کو لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز گہری کھائی سے آئی ہو۔

''تو یہ سوگ کس بات کا ہے؟'' وقار کا کہنا ہی تھا کہ آنسو جو اس کے دل پر گرتے رہے تھے، اچانک چھم چھم کر کے اس کی آنکھوں سے برسنے لگے تھے۔

''اب یہ ٹسوے کس لئے بہا رہی ہو، ہے ناں کوئی اور یہ غلط نہیں، نہ ہی تم نے اس کی پرزور تردید کی ہے، امی ٹھیک ہی کہتی تھیں کہ یہ لڑکیاں آزاد ہو جائیں تو پھر ان کو آوارہ مزاجی منہ کو لگ جاتی ہے ہے نا۔'' وقار کے لفظ تیر بن کر اس کے دل میں پیوست ہوتے جا رہے تھے، وہ چاہ کر بھی اپنی صفائی میں ایک لفظ نہ کہہ سکی تھی، کہتی بھی کیا، یہاں تو سب پہلے ہی یقین کر لیا گیا تھا کہ وہ سب درست اور وہی غلط ہے اس لئے اس نے لب پر قفل لگا لئے تھے۔

وقار کو نجانے ماں نے کتنا بھرا ہوا تھا اس کے اندر کتنا زہر بھرا ہوا تھا کہ اس نے کس کس بات کا غصہ اس پر نکال دیا تھا، اس نے جیسے پھول کو مسل کر رکھ دیا جاتا ہے اس طرح اسے مسل کر رکھ دیا تھا، مونا کو آج احساس ہو رہا تھا کہ محبت کی طرح برتنے اور کسی ٹشو پیپر کی طرح برتنے میں کیا فرق ہوا کرتا ہے، تو کیا وقار کو محض اس کے جسم تک رسائی چاہیے تھی، روح تک تو رسائی ہوئی ہی نہ تھی، کیونکہ روح تو دل سے محبت سے اٹوٹ جذبے سے پروان چڑھتی ہے، کہ محبت دو روحوں کے تعلق کا ہی دوسرا نام ہوا کرتا ہے۔

مونا آج بری طرح سے ٹوٹ کر بکھر گئی تھی، مونا کو آج اپنے آپ سے ہی گھن آ رہی تھی۔

''کاش وہ پیدا ہی نہ ہوتی۔'' یہ پہلا خیال اسے اب تک اپنی پیدائش کے بعد نہ آیا تھا، مگر آج اسے ضرور آیا تھا، جب بیاہ کر وہ پیا کے گھر آئی تھی، اس کے اندر گہری خاموشی رچ بس گئی تھی۔

آنسوؤں میں ڈھل گئی ہے ساری رات
یونہی اکثر خود کو سزا دیتے رہو
کر زخمی ہو دل تو لہو ہوتی ہے چشم
درد بڑھ نہ جائے دوا دیتے رہو

☆☆☆

زوار شاہ بے حد پریشان تھا، وہ سریش کے ہاتھوں گٹھ پتلی بن چکا تھا وہ اسے استعمال کر رہا تھا، کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا تھا کہ ہائی الرٹ کی صورت میں سریش آرام سے زوار شاہ کی گاڑی استعمال کر لیتا تھا، اس کا حوالہ دے دیتا تھا، بند راستہ گاڑی کو دیکھ کر خود بہ خود کھل جاتا تھا، کئی مرتبہ وہ زوار کو فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر خود عقب میں بیٹھ جاتا تھا، زوار شاہ اب رفتہ رفتہ سمجھ رہا تھا کہ وہ گہری کھائی میں گرتا جا رہا ہے۔

یہ ملک دشمن عناصر تھے، جن کی وجہ سے ہی ہائی الرٹ سے چیکنگ کی جاتی تھی، ایسے حساس علاقے میں ان کا داخلہ ممکن ہی نہیں تھا، وہ بہ ظاہر نظروں سے اوجھل رہ کر اندرونی طور پر جڑوں کو کاٹ رہے تھے، جس طرح سرحدوں پر فوجی ملک کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اگر ملک کا ایک ایک فرد خواہ عام ہو یا خاص اپنا کردار خوش اسلوبی سے ادا کرے تو پھر اس طرح کے اندرونی خلفشار سر نہیں اٹھا سکتے ہیں، زوار شاہ اگرچہ ایک کرپٹ سیاست دان تھا مگر اس نے کبھی بھی ذاتی مفاد اور غرض کے لئے ملک کا سودا نہیں کیا تھا اور اب بھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ سریش کا گلا

دبا دے۔
لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ سرے سے قصور وار ہی نہ تھا، اگر پہلے قدم پر ہی وہ اسے انکار کر دیتا تو نوبت یہاں تک پہنچتی ہی نہیں، اس دن جب عالی کی وجہ سے مصطفیٰ نے اس کی درگت بنانے والی حالت کی تھی، اس کی کار کا شیشہ توڑ دیا تھا اس دن سریش نے اس کی خوب کلاس لی تھی کہ اس نے ایک فوجی کو کیوں اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے، دوسری طرف اسے گھر میں بھی پریشانی کا سامنا تھا، پلوشہ کو اپنانے کے علاوہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کیونکہ پلوشہ اس کی محبت میں گرفتار تھی، وہ جتنا اس سے کنارہ کشی اختیار کرتا تھا، وہ اتنا ہی اس کے گرد منڈلاتی رہتی تھی، اس کی شدتوں کے سامنے وہ جھکنے لگا تھا، چاہے جانے کی تمنا ہر دل میں ہی ہوا کرتی ہے اور پلوشہ کی یہ چاہت اسے معتبر بھی کر جاتی تھی، بالآخر اوپری دل سے ہی سہی اس نے پلوشہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''کیا بات ہے، بہت دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ بہت پریشان ہیں، جانتی ہوں آپ اس شادی سے خوش نہیں ہیں، مگر اب جبکہ ہم ایک لڑی میں پرو دیئے گئے ہیں تو ہماری خوشیاں ہمارے غم سانجے ہیں، میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے اپنی خوشیاں بانٹ نہیں سکتے، مگر شریک غم ہی کر لیں۔'' زوار شاہ نے ایک اچٹتی نگاہ پلوشہ پہ ڈالی تھی۔

''جیسا تم سمجھ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے، صرف کام کا بوجھ ہے، کچھ خاص الجھنیں ہیں ان کو جتنا سلجھانا چاہتا ہوں وہ اتنا ہی الجھ رہی ہیں، اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے، تم فضول خیالات کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کرو۔''

پلوشہ زوار کو دیکھ کر رہ گئی، وہ بخوبی واقف تھی کہ وہ اس وقت سچ نہیں بول رہا تھا، بلکہ اس کا چہرہ اس وقت بھی اندرونی اضطراب سے سرخ سا تھا۔

وہ فی الوقت اس کے سامنے بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھی، مگر اس نے اس بات کی ٹوہ لینا شروع کر دی تھی، جب زوار شاہ شاور لینے گیا تو اس نے اس کا موبائل چیک کیا تھا، وہ جانتی تھی وہ جو کچھ کر رہی ہے محض زوار شاہ کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کی بہتری کے لئے ہی کر رہی ہے، اس کا مقصد زوار کی الجھن کو سلجھن میں تبدیل کرنا تھا اس نے کسی وقتی جذبات کے بہاؤ میں آ کر زوار سے شادی نہیں کی تھی، یہ چند روز کی محبت تھی اسے واقعی زوار سے محبت تھی، برسوں سے اس کے دل پر زوار شاہ کا نام رقم تھا، وہی اس کے دل کا مکین تھا، وہ معاملہ فہم تھی، اس لئے جانتی تھی کہ زوار سے مزید باز پرس اچھی نہیں، اس نے فون کالز چیک کی تھیں تو بری طرح سے وہ چونک گئی تھی، کئی ہندوانہ نام کو دیکھ کر اس کا ذہن بری طرح سے الجھ سا گیا تھا اور اس نے فون واپس رکھ دیا تھا، اور پرسوچ نگاہیں لئے وہ باہر ٹیرس پر آ گئی تھی، اسے اب زوار کی فکر کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔

☆☆☆

''بیٹا اب تم اس گھر کی بہو ہو اور بیٹی ہو، اس گھر کی پریشانیوں میں تم کو بھی آگاہی ہونی چاہیے اصل بات یہ ہے کہ مالی لحاظ سے کاروبار مسلسل خسارے میں ہی ہے، تم تو جانتی ہو کہ اس کی لگی بندھی رقم ہے، پھر وقار کی سہل پسندی بھی اب تم سے چھپی نہیں رہی ہے، اسے کام کاج سے جیسے نفرت سی ہے، اس کا جی ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کاروبار ہو، اب جو جمع جتھا تھا، وہ سب تو تم دونوں کی شادیوں میں اٹھ گیا ہے، خالی ہاتھ ہیں ہم،

ذہنی سکون بھی نہیں ہے میرے بچے کو، پھر تم کو کیسے خوش رکھے گا۔'' شبانہ بیگم نے اسے سامنے بیٹھا کر کہنا شروع کیا تو لگاتار بولتی ہی چلی گئی تھیں۔

''جانتی ہوں محبت میں عظمت ہے، اس لئے میں نے اب وقار کو سمجھا دیا ہے، وہ کہتا ہے رقم ہو تو اپنا کاروبار دلجمعی سے کرے گا، خوب دل لگا کر، عباس صاحب سے تم کہو گی تو خواہ مخواہ ہی بات پھیل جائے گی، تمہارے اکاؤنٹ میں جو چھ لاکھ روپے ہیں ناں وہ نکلوالاؤ، ذاتی اکاؤنٹ ہے تمہارا، اس رقم کا کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے، پھر باقی ضرورت جیسے جیسے پڑتی رہے گی، تم کچھ بہانہ بنا کر لیتی آنا۔'' شبانہ چچی نے کس قدر چالاکی سے اپنا مطمع نظر پیش کر رہی تھیں، وہ حیران تھی۔

''جی مگر۔'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، اس کا الجھن زدہ انداز دیکھ کر شبانہ بیگم پھر بولی تھیں۔

''بیٹی تم پریشان کیوں ہوتی ہو، روپیہ پیسہ کیا تمہیں وقار سے زیادہ عزیز ہے، وہ نکمار ہے گا ان گنت سوچوں میں الجھا رہے گا، تم تو جانتی ہی ہو، فرصت ہو تو مرد کے ذہن میں پراگندہ خیالات آتے ہیں، تم خود بھی سوچو پھر گھر گھر ہستی کے لئے یہ سب ضروری ہے۔''

وہ اسے نجانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں مگر وہ بھی اتنی ناسمجھ تو نہ تھی، ساس کے ہر انداز کو بخوبی سمجھ رہی تھی، اسے انکار تو کرنا نہیں تھا، وہ جانتی تھی اس کا ایک انکار اس کے لئے ہی عذاب جاں بن جائے گا۔

''جی میں آج ہی شام کو نکلوا دیتی ہوں رقم۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا تھا، شبانہ بیگم نے طمانیت بھری سانس بھری تھی۔

''دیکھو اب اپنے گھر میں نہ یہ بات گھما دینا جانتی ہی ہو کہ ایک بات کے سو افسانے بن جائیں گے۔'' شبانہ بیگم بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھیں۔

''جی میں جانتی ہوں، اگر ایسا ہی کرنا ہوتا تو انکار ہی کر دیتی، مگر میں اپنا گھر بسانا چاہتی ہوں، اپنے بابا کے لئے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا، اس کی بات شبانہ بیگم کو تیر کی طرح لگی تھی، مگر اس وقت چپ کی بکل مارے بیٹھی رہی تھیں اور وقار کے آفس سے آتے ہی اس کے کان بھر دیئے تھے، وقار یوں بھی مونا کی خاموش طبع فطرت سے بجھ سا گیا تھا، مونا اس کے نزدیک تو تھی، مگر اس کے لئے جیسے کسی قسم کے محسوسات سے یکسر لاتعلق بنی رہتی تھی، اس کو مونا کے یہ طور طریقے محض اس کا اکڑو پن لگا کرتا تھا، اس کا مونا کو ہر طریقہ سے زچ کر کے نیچا دکھانا مقصود ہوا کرتا تھا، وقار کمرے میں آیا تو مونا چپ چاپ بیٹھی اس کی منتظر تھی۔

''چلیں میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی، میں ساتھ چلوں یا چیک پر میرے دستخط ہی کافی رہیں گے۔'' مونا نے سادگی سے کہا تھا، مگر وقار کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر تھپڑ کا نشان بنا گیا تھا۔

''پہلی اور آخری مرتبہ بتا رہا ہوں، میری ماں کا ہر لفظ میرے لئے ہی نہیں تمہارے لئے بھی حکم کا درجہ رکھتا ہے، آج کے بعد میری ماں سے منہ ماری کی تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔'' وقار نے جہالت سے اس کا بازو مروڑا تھا، وہ درد کی شدت سے کراہ کر رہ گئی تھی، کیا ایک مرد کی یہی شان رہ گئی ہے کہ ایک بے بس لاچار عورت پر تشدد کرے ہاتھ اٹھا کر اپنی مردانگی کا جھنڈا بلند کرتا پھرے۔

''مگر میرا قصور کیا ہے؟ میں نے تو ان کو آرام سے ہاں کہہ دی ہے، میرے لئے رقم کوئی

اہمیت نہیں رکھتی ہے۔'' وہ درد سے کہہ اٹھی تھی۔

''یہی یہی تمہاری اکڑ ہے ناں دولت پر گھمنڈ کرتی ہو، تمہاری یہی اکڑ ایک دن ختم کر دوں گا سمجھی تم۔'' وقار نے اس کو بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا تھا، زوردار جھٹکا لگنے سے مونا اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی اور نیچے زمین بوس ہو گئی تھی۔

''ارے ارے بیٹا آرام سے، میں نے کہا چھوڑ بھی دو اب کیا جان لو گے، سمجھ گئی ہو گی اگر نہیں سمجھتی تو عمر پڑی ہے سمجھانے کے لئے۔'' شبانہ بیگم نے کمرے میں آ کر با آواز بلند کہا تھا، وہ شبانہ بیگم کے چہرے پر بکھرے ہوئے مکارانہ تاثرات دیکھ کر اپنی پہلی والی اذیت بھی بھول چکی تھی، اسے دکھ اور رنج سا ہونے لگا تھا، اس کا نرم رویہ اس کے لئے ہی مصیبت کا سبب بن رہا تھا، مگر وہ ایسا کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے بی جان کو اس عمر میں دکھ ملے یا اس کے بابا کا سر جھکے، وہ اپنے والدین اپنے بڑوں کی عزتوں کا پاس رکھنے والی ایک فرماں بردار بیٹی تھی، جسے رشتوں کا بھرم رکھنا مان رکھنا بخوبی آتا تھا۔

شبانہ بیگم کو اسی شام مونا نے ساری رقم نکال کر دے دی تھی، مگر اس کے بعد بھی اس کی زندگی کے غم کم نہ ہوئے تھے، بلکہ آزمائشوں نے اس گھر میں بسیرا ہی کر لیا تھا، وہ اب کچھ آس لگائے ہوئے تھی کہ وقار اب اپنا ذاتی کاروبار شروع کرے گا تو زندگی شاید سنور جائے گی، مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ سارا دن نکما گھر میں پڑا اینڈتا رہتا تھا، شبانہ بیگم نے شاپنگ کے سلسلے شروع کر دیئے تھے اور پھر انہوں نے پری اور عمر کی دعوت کی تھی، پری شادی کے بعد پہلی مرتبہ گھر آئی تھی، خوب نک سک سے تیار پری بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، شادی شدہ زندگی کا اصل سکھ اور خوشی کیا ہوتی ہے، پری کے چہرے پر وہ الگ رنگوں میں دکھائی دے رہی تھی، پری کا بات بے بات کھلکھلانا اور مسکرانا اس کی شادمانی کا شاہد تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو؟'' مونا نے پیار سے اسے گلے لگایا تھا، اسی شام مونا نے بے حد اہتمام سے پری اور عمر کی آمد پر سارے کھانے تیار کیے تھے، مونا کا سادہ سا حلیہ دیکھ کر پری حیران رہ گئی تھی۔

''آپ تو بالکل ہی سادہ سی لگ رہی ہیں، ذرا بھی تیار نہیں ہوئی ہیں۔'' پری نے کچھ حیرت سے کہا تھا۔

''اسے تو عادت ہو گئی ہے سب پر یہ ظاہر کرنے اور جتانے کی کہ یہ ناخوش ہے، اور کیا نہیں ہے اس کے پاس، اتنے سارے ملبوسات زیورات سب کچھ ہے، کیا ہے نا کہ خوشی کا تعلق دل سے ہوتا ہے، مگر شاید تمہاری بھابھی خوش نہیں میرے ساتھ، تو دکھاوا کیسے کرے اب۔'' یہ ظاہر تو وقار نے ہنستے ہوئے یہ سب کہا تھا، مگر عمر کو یہ سب بے حد برا لگ رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ مونا ایک سادہ مزاج کی لڑکی ہے، کچھ کم گو بھی ہے، مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ اس شادی سے ناخوش ہو، جہاں تک وہ جانتا تھا اس نے مونا کو بھی کسی اور شخص کے حوالے سے نہیں دیکھا تھا، پھر یہ رشتہ تو برسوں سے طے شدہ تھا۔

''اچھا کیا کمی ہے میرے بھائی میں ہمیں بھی تو پتہ چلے ذرا۔'' پری نے منہ بسور کر کہا تھا، شبانہ بیگم معاملہ فہم تھیں عمر کی ساری توجہ مونا کی سونی کلائیوں اور سونے کانوں پر مرکوز تھیں، آنکھوں میں عجیب سی ویرانی کے ڈیرے تھے، شبانہ بیگم نہیں چاہتی تھی کہ داماد پر ان کا کوئی تاثر خراب پڑے، اسی لئے جلد ہی معاملہ فہمی سے بولی

تھیں۔

"ارے ایسے ہی لگا ہوا ہے، مذاق کی تو عادت ہے اس کی، تم تو جانتی ہی ہو اپنے بھائی کو یونہی مذاق کر رہا ہے اور پھر دیکھو مونا نے کتنے دل سے چاہت سے سارے کھانے بنائے ہیں، میں کہتی رہی میں کر لیتی ہوں، مگر کہنے لگی کہ نہیں دونوں میرے کزن میرے بہن بھائی ہیں ان کے لئے میں خود ہی سب بناؤں گی اور ایسے میں تیار ہی نہیں ہوئی، اب مہنگے مہنگے لباس اوڑھتی تو کام کاج کیسے کرتی؟" شبانہ بیگم کا جواز بے حد بودا سا تھا، جسے عمر نے بالکل بھی قابل غور نہیں جانا تھا، مگر بات دب ضرور گئی تھی۔

"لو بیٹا اب کھانا کھاؤ۔" وہ سب کو کھانے کی طرف متوجہ کر گئی تھیں۔

"یہ بریانی کھاؤ بہت مزے کی بنائی ہے مونا نے۔" شبانہ بیگم روایتی ساس نہ دکھائی دینے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہی تھیں، مگر چہرے پر ثبت کرختگی نرمی میں ڈھل ہی نہیں رہی تھی۔

بعض اوقات کچھ لوگ اس قدر سخت دل اور سخت رویے روا رکھتے ہیں کہ جب ان کو دکھاوا بھی کرنا پڑے تو ان کے چہرے پر ثبت خشونت نرمی میں نہیں ڈھل سکتی ہے۔

"اچھی بیٹیاں اپنے گھر بسانے کے لئے اپنے ماں باپ کا مان رکھتی ہیں، روزانہ تکیہ بھگوتی ہیں مگر اپنے پیاروں کی آنکھ میں نمی کا ایک ہلکا سا تاثر بھی برداشت نہیں کر سکتی ہیں، سب ٹھیک ہے کا لیبل چہرے پر چپکائے زندگی کی تلخ و ترش رویے لئے بدصورتی کو بھی ہنس کر برداشت کر لیتی ہیں۔" مونا بھی ان ہی میں سے ایک تھی، اس وقت بھی اس کا چہرہ اس لئے کھل رہا تھا کہ اس کو پری کو دیکھ کر واقعی خوشی ہو رہی تھی اور عمر اس کا بھائی جیسا تھا اور مونا عمر کو خوش دیکھ کر اندر تک خوشی محسوس کر رہی تھی، وہ نہیں تھی تو کوئی تو خوش تھا، رات کھانے کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے تھے، ان کے جاتے ہی شبانہ بیگم جیسے قہر برس کر مونا پر ٹوٹ پڑی تھیں۔

"یہ کیا طور طریقہ تھا کیا جتانا چاہتی ہو تم، میری بیٹی کی سسرال میں اپنی بے آرامی ناخوشی کی خبریں پہنچانا چاہتی ہو، تا کہ میری بیٹی کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا جائے۔" شبانہ بیگم کو اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ غصہ میں وہ کیا کچھ بول رہی ہیں۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں رہا کبھی بھی، میں نے تو پورے دل سے محبت سے ان کے لئے پکوان بنائے تھے۔" وہ چاہتی تھی کہ اب اس بات کو طول دے کر بڑھاوا نہ دیا جائے، وہ اس بات کو ختم کر دینا چاہتی تھی، مگر وہ شبانہ بیگم ہی کیا جو بات کو ختم کر دیتی۔

"اب احسان جتاؤ گی دو کھانے بنا کر، کون سی دنیا کی بہو ہے جو اپنے گھر کے کام نہیں کرتی ہے، بڑے گھرانے کی بیٹی ہو گی اپنے گھر میں اور یہاں تم کو وہی طور طریقے اپنانے ہوں گے جو شرفاء کی بیٹیاں اپناتی ہیں۔" شبانہ بیگم نے زہر خند لہجہ میں کہا تھا۔

"آپ بات کو بالکل غلط سمت لے جا رہی ہیں، میں نے کب کہا کہ یہ احسان تھا، میں نے یہ کب چاہا کہ اس کا گھر خراب ہو یا یہ کہ میں ایک بڑے گھرانے کی بیٹی ہوں، اب میں جو ہوں جیسی ہوں اس گھرانے کی شناخت بن چکی ہوں۔" مونا کے لہجے میں آزردگی سی گھل رہی تھی، اس کا جواب اپنا صفائی پیش کرنا بھی بے ادبی کے زمرے میں شمار کر کے اس کی توہین شمار کی جاتی تھی، تبھی وقار نے آ کر اس کے منہ پر طمانچہ رسید کیا تھا، شبانہ بیگم کے دل کو جیسے ٹھنڈی

ہوا نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، جیسے جلتے ہوئے شعلوں کو ایک دم سے شبنمی پھولوں میں بدل دیا ہو کسی نے۔

''تم کو میں نے پہلے دن ہی کہا تھا کہ میری ماں سے بدکلامی کرنے کی جراًت نہ کرنا اور بار بار کی نصیحت کا بھی تم کو رتی برابر اثر نہیں ہوا ہے۔'' اس کا لہجہ اشتعال انگیز تھا تو آنکھیں لہو رنگ تھیں، اس کو ماں کے تیور سمجھ آتے تھے، ماں کا انداز سمجھ آتا تھا اور وہ صرف ماں کی سنتا تھا، بیوی کی صفائی بیوی کی صاف دل سوچ اور شفافیت اسے دکھائی ہی نہیں دیتی تھی، اس کا اجلا پن بھی میلا لگتا تھا اور ماں کے دل کی میل کچیل بھی نکھری ستھری دکھائی دیتی تھی، رشتوں میں توازن اس وقت برقرار رہ سکتا ہے جب دونوں فریقین کی باتوں کو پرکھا اور سمجھا جائے، کسی ایک ہی فریق کی بات کو درست قرار دے دینا جبکہ دوسرا جواز بھی رکھتا ہو اور دلیل بھی رکھتا ہو۔

مگر ایک تواتر اور تسلسل کے ساتھ اس کے ہر جواز اور اس کو قابل قبول گردان ہی نہیں سکتا ہے، کچھ ایسا معاملہ بھی شبانہ اور وقار نے مونا کے ساتھ روا رکھا تھا، ان کا اصل مقصد تو اس کی ذات کی دھجیاں بکھیرنا اور اس کو نیچا دکھانا تھا، اس کے لئے وہ ہر دن ہر وقت ایک نئی چال اور ایک نیا پینترا بدلتے تھے، مونا بے بسی سے اپنے آنسوؤں سمیت کمرے میں چلی گئی تھی، جہاں اس کی نا رسائی کے ماتم اس کے ہمنوا تھے۔

☆☆☆

عالی بہت دنوں کے بعد لائبہ اور فہد سے ملنے گئی تھی، مگر وہاں ایک پرسوز اور روح فرسا خبر اس کی منتظر تھی، فہد دو دن سے لاپتہ تھا، اس کا کہیں اتا پتہ نہیں تھا، لائبہ کا تو رو رو کر برا حال تھا اسے بامشکل کھلایا پلایا جا رہا تھا، یہاں بہت سے بچے تھے، مگر اسے ان دونوں بچوں سے خصوصی انسیت تھی اور فہد تو بے حد پیارا بچہ تھا اور یہ بھی تھا کہ یہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کے ساتھ خصوصی طور پر رہتے تھے کہ ان کا آپسی نظریہ اور آپسی تعلق بھی بے حد مضبوط تھا، اس لئے اگرچہ والدین کی شفقت اور گھر کی راحت سے الگ تھے، مگر انہیں یہ خوشی تھی کہ وہ دو ہیں، ایک دوسرے کے دکھ اور سکھ میں برابر کے شریک کار ہیں، مگر اب عالی یہاں لائبہ کو دیکھ کر جیسے سکتے کی سی کیفیت میں تھی، لائبہ کی آنکھوں میں تیرتی وحشت اس کی قلبی بے چینی کی غماز تھی۔

''کیا بات ہے لائبہ، فہد کہاں چلا گیا، یہ سب ہوا کیسے؟'' وہ لائبہ کے سلکی بالوں میں ہاتھ پھیرتی اسے گود میں بھرے سسک کر سوال کر رہی تھی اور لائبہ اس کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، سارے پرانے درد اچانک ہی بیدار ہو گئے تھے، درد ہی تو تھے ان کے نصیب میں۔

''بھیا کو میں نے بہت کہا تھا، ضد چھوڑ دو، باہر نہیں جاؤ، ان کا کہنا تھا کہ داتا دربار پر منت مانگو تو پوری ہو جاتی ہے، ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ اس طرح دعا کرنے جائیں گے تو ان کی مراد پوری ہو گی اور بابا کو کسی طرح علم ہو جائے گا کہ ہم یہاں ہیں۔'' وہ اپنی معصوم سی بات بیان کر رہی تھی، لائبہ اور فہد کے والدین کی ایک دوسرے سے علیحدگی ہو چکی تھی، اس کے والد تو پہلے ہی شادی کر کے اپنا دوسرا گھر بسا چکے تھے اور اس کے بعد بھی ان کے بچے تھے، ان کو شاید اس لئے اپنی اس اولاد کی کمی محسوس ہی نہیں ہوتی تھی، جبکہ ان کی ماں نے سوچا تھا کہ ساری زندگی تیاگ دیں گی، مگر ان کو کینسر جیسا موذی مرض لگ گیا تھا، اس کے بعد ان کے اپنے ہی بھائیوں

کا روپیہ بے حد برا ہو گیا تھا، ان کے اخراجات پورے کرتے، ہاسپٹل کی فیس بھرتے یا بچوں کی دیکھ بھال، بیویاں اس نئی افتاد نا گہانی پر برو خستہ تھیں، ادھر لائبہ اور فہد کی امی نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے موندی تھیں اور انہوں نے بچوں کو سینٹر بھجوا دیا تھا کہ فی زمانہ اپنے ہی بچوں کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، یہ تو تھا کہ اخراجات کی مد میں کچھ رقم یہاں بھی بھجوائی جاتی تھی، یہاں ان بچوں کو اپنوں کی خلش تڑپاتی تھی، ان کو اپنے بابا بھی یاد آتے تھے وہ اس جگہ پر سکون نہ تھے، گھر کا ماحول اور گھریلو ماحول میں پلنے والے بچے اس ماحول کے عادی نہ ہو سکے تھے اور فہد اس لئے کہ ان کے بابا کو کس طرح ان کے یہاں موجود ہونے کا علم ہو جائے وہ وہاں داتا دربار پر منت مانگنے گیا تھا، مگر پراسرار طور پر وہاں سے غائب ہو گیا تھا، یقیناً کسی نے بچہ سمجھ کر اکیلا سمجھ کر اسے اغواء کر لیا تھا، یہ بے حد پریشان کن بات تھی۔

''آہ یہ کیا کیا فہد نے، دعا تو ہر جگہ ہر وقت قبول ہو جاتی ہے، رب سے جو مانگو اور وہ صرف کسی مخصوص جگہ پر ہی نہیں ہر وقت دعا سنتا ہے، ارے وہ تو شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے، تم اب دعا کرو فہد مل جائے۔'' اس وقت عابی کو خود بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس ننھی سی بچی کی کیسے تشفی کروائے، عابی کا اپنا دل بے طرح پریشان ہو رہا تھا، اس نے اس وقت مصطفیٰ کو کال ملائی تھی، مصطفیٰ اس کی ایک فون کال پر آ گیا تھا، اس نے آ کر جب متورم آنکھیں لئے اپنی طرف متوجہ عابی کو دیکھا تو اس کا دل اس کے لئے اداس سا ہو گیا تھا۔

''کیا ہوا عابی سب خیریت تو ہے ناں، آپ نے مجھے اس طرح بلایا اچانک، میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر آیا ہوں۔'' مصطفیٰ اس کو دیکھ کر مضطرب سا ہو گیا تھا، عابی کا چہرہ آنسوؤں سے دھلا ہوا تھا۔

''مصطفیٰ فہد دو دن سے لاپتہ ہے میں اس کے لئے بہت پریشان ہوں، لگ رہا ہے جیسے کوئی میرا گلا دبا رہا ہے اور میرا دم نکلا جا رہا ہے۔'' عابی کا چہرہ اس کے اندرونی خلفشار کا غماز تھا، مصطفیٰ بھی فہد کی اس طرح گمشدگی کی خبر سن کر بے انتہا پریشان ہو گیا تھا، مگر اس نے اپنے حواس بحال رکھے تھے، اسے اندازہ تھا کہ فہد کو کسی نے ضرور اغواء کر لیا ہے، اب اس کے پیچھے کون تھا یہ پتہ لگانا تھا۔

''مصطفیٰ میں نے بہت مان سے یہ کام آپ کو سونپا ہے، لائبہ مرجھا گئی ہے اس کا بخار اترتا کم ہوتا ہے پھر چڑھ جاتا ہے، یہ ننھی سی بچی اپنے بھائی کے لئے ہلکان ہو رہی ہے، نہ کچھ کھا رہی ہے نہ پی رہی ہے، اس طرح یہ زندگی کا طویل سفر کیسے طے کرے گی؟ آپ کچھ کریں مصطفیٰ میں جانتی ہوں آپ کچھ کر سکتے ہیں۔'' اس نے ایک آس سے کہا تھا، اس کی آس دیکھ کر لائبہ نے بھی پر امید نگاہوں سے مصطفیٰ کی جانب دیکھا تھا، لائبہ ابھی بھی عابی کی گود میں تھی جیسے اس سے زیادہ اچھی جاہ پناہ کہیں نہیں ہو۔

''عابی اس کے والد کا پتہ کرو اور ان کو کہو کہ اسے گھر لے جائیں، اسے اپنوں کی ضرورت ہے، اپنائیت توجہ محبت سب ہوں تو یہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' مصطفیٰ اس کی ہسٹری سے واقف تھا، سو اس نے کہا تو عابی سر ہلا کر رہ گئی تھی، پھر کسی طرح سے لائبہ کے والد سے رابطہ قائم کیا گیا تھا اور اس کے بعد اس کے والد یہاں آ گئے تھے، اپنوں کو علم ہی نہیں تھا کہ لائبہ کی والدہ فوت ہو چکی ہیں اور ان کے بچے یہاں رلتے پھر رہے

ہیں۔

"آپ کیسے باپ ہیں بے شک بچے اس کی ماں کے پاس بھی ہوتے، آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ ان سے رابطہ کرتے، ان بچوں کی کفالت آپ کا فرض ہے، یہ ننھے گلاب یہ آپ کی توجہ اور محبت کے طلبگار رہیں اور آپ اپنی نئی زندگی کی شروعات کے بعد زندگی کی بہاروں کے مزے اڑاتے رہے، جبکہ یہ خزاں کی شام میں بجھی جھلستی دھوپ میں تپتے رہے، مرجھاتے رہے، اب ان کی ماں بھی نہیں رہی تو ان کے ماموؤں نے سر کا بوجھ یہاں اتار پھینکا کہ پیدا کرنے والے ہی جب فکر کرنا چھوڑ دیں تو دوسروں سے کیا توقع؟" مصطفیٰ کا لب ولہجہ حد درجہ دکھی تھا، اسے واقعی لائبہ کا دکھ تھا، جو اپنے بھائی کی گمشدگی کے بعد ٹوٹ کر بکھر رہی تھی اور فہد نجانے کن حالات سے دوچار تھا، وہ دس سال کا ایک ننھا سا بچہ گم تھا، حوادث زمانہ سے لڑتے ہوئے نجانے کہاں مار کھا رہا تھا، لائبہ کے والد ریاض صاحب کا سر جھکا ہوا تھا۔

"میں گناہ گار ہوں، اپنے بچوں کا، ان کی ماں کا۔" ان کے آنسو آنکھوں کے کنارے سے چہرے کو تر کرنے لگے تھے۔

"اب کیا فائدہ خود کو کوسنے کا، اب بھی وقت ہے اگر کچھ کر سکیں، میں فہد کی بازیابی کے لئے کوشش کروں گا، آپ ان بچوں کو گھر لے جائیں، پیار دیں، ایسا نہ ہو سوتیلی ماں کا خوف ان کی رہی سہی امید زیست بھی چھین لے۔"

ایک خدشہ سا تھا جو مصطفیٰ کی زبان سے ادا ہوا تھا۔

"نہیں رانی ایسی نہیں ہے، وہ تو بارہا مجھے کہتی رہی کہ ان بچوں کو دیکھیں جا کر، مگر میں اور لائبہ کی ماں انا کی ضد میں اپنی ہی دنیا میں مگن رہے، بچوں کے لئے اگر ہم اس وقت ہی اپنا بھرم اپنی انا کچل ڈالتے تو آج ہم الگ بھی نہ ہوتے اور نہ ہمارے بچے رلتے۔" ریاض صاحب کا لہجہ تھکن زدہ سا تھا، انہوں نے لائبہ کو گود میں بھر لیا تھا اور لائبہ باپ کے گلے لگ کر سسکنے لگی تھی، اس کے اندر جو دکھ تھا وہ آنسوؤں سے بہہ نکلا تھا۔

"میرا بیٹا کہاں ہے میں اس کو ڈھونڈ نکالوں گا، میں اسے بھی لے آؤں گا۔" ریاض صاحب کا لہجہ پرامید تھا، مصطفیٰ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"آپ لائبہ کو گھر لے جائیں میں فہد کے سلسلے میں کارروائی شروع کرتا ہوں۔" مصطفیٰ نے ریاض صاحب کے کندھے سے ہاتھ ہٹا کر واپسی کا قصد کیا تھا۔

عابی بھی اس کے ہم قدم تھی، وہ لوگ لائبہ کو ریاض صاحب کے ساتھ کار میں بیٹھے اور اپنی نگاہوں سے دور جاتے دیکھتے رہے، مگر ایک پریشانی ابھی بھی ان کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی، فہد بچہ تھا، نجانے کہاں ہوگا؟

پھر وہ عابی کو اس کے گھر چھوڑ کر سیدھا پولیس ہیڈ کوارٹر میں گیا تھا، اس نے تمام تفصیلات منگوائی تھیں، پورے پاکستان بھر سے پچھلے ایک ہی ہفتہ میں ٹوٹل پانچ بچوں کی گمشدگی کی رپورٹیں درج ہوئی تھیں، اس نے باریک بینی سے ان تمام رپوٹوں کو دیکھا اور پڑھا تھا اور پر سوچ انداز میں باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

شام کا ملگجا سا اندھیرا کمرے میں پھیلا ہوا تھا، بساندزدہ سا کمرا تھا جس کے ننگے پختہ روش فرش پر بچے ٹھٹھرتے ہوئے ایک دوسرے سے سمٹے بیٹھے تھے، یہ بچے تعداد میں تقریباً نو کے

قریب تھے اور ان میں سے کسی کی بھی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی، مگر ایک بچہ مسلسل چیخ رہا تھا رو رہا تھا، شور مچا رہا تھا، اس کے رونے میں بے پناہ درد تھا، صحت مند ڈیل ڈول کا مالک یہ بچہ فہد تھا جو اس وقت اس کمرے میں بند تھا اور بے پناہ دکھ میں مبتلا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہاں سے فرار ہو جائے، اسے بس اتنا یاد تھا کہ اس نے دعا کے لئے اپنے دونوں ننھے ہاتھ پھیلائے، اس کا رواں رواں دعا گو تھا، اس کی نگاہیں نم تھیں اور اس وقت اچانک ہی بند نگاہوں سمیت ہی اس کی نگاہوں میں تاریکی پھیل گئی تھی، کسی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ کر اسے بے ہوش کر دیا تھا، اس سے قبل وہ چیخ و پکار کرتا وہ خرد کی دنیا سے بیگانہ ہو چکا تھا اسے جب ہوش آئی تو وہ یہاں اس سنگین زدہ کمرے میں بند تھا، جہاں اس کی طرح دوسرے لڑکے بھی موجود تھے، وہ سب شاید بہت دنوں سے یہاں تھے، اس لئے اب ان میں رونے اور واویلا کرنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی اور بالکل جامد خاموشی چھائی تھی۔

''بہت رونا آ رہا ہے تجھے چھورے۔'' نریندر نے غصے سے اندر آ کر اس لڑکے فہد کے بال نوچے تھے، وہ تکلیف کی شدت سے کراہ اٹھا تھا۔

''سنا ہے تو نے بہت شور ڈالا ہوا ہے، آزادی چاہیے، اگر زیادہ شور ڈالا نا تو نے تو اس جیون سے مکت کر دیئے جاؤ گے۔'' اس وقت نریندر کا چہرہ بے حد غلیظ و غضب لئے سفاک لگ رہا تھا، فہد لرز اٹھا تھا، ایک دم ہی اس کی سسکیاں بھی بند ہو گئی تھیں۔

''سب سن لو اگر اب اس کے بعد کسی نے ذرا سی بھی چوں چراں کی اس کا قصہ اس وقت یہیں تمام کر دیا جائے گا۔'' تمام بچوں نے مزید سمٹ کر ایک دوسرے کو ہراس زدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''اگر تم سب یہاں سے زندہ سلامت جانا چاہتے ہو تو جیسا کہا ہے ویسا ہی کرو، تم سب کو باری باری کام بھیجا جائے گا، ایک تھیلا ہو گا، اسے ایک جگہ پر رکھنا ہو گا اور بس اس کے بعد تم لوگ اپنے اپنے گھر لوٹ جانا، ہم نہیں کہیں گے کچھ۔'' نریندر کی بات سے سب بچے حیرت زدہ سا ہو کر ایک دوسرے کو کن اکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔

''کیا بھیج دو گے ہمیں باہر، میں......

میں...... میں تیار ہوں، مجھے باہر جانا ہے، میری چھوٹی بہن میرا انتظار کر رہی ہے، اسے میری یاد ستاتی ہو گی، میں نے اس سے وعدہ کیا تھا میں لوٹ آؤں گا، اس کے بابا سے وعدہ کیا تھا وہ اس کے پاس آ جائیں گے، سب ٹھیک ہو جائے گا، سب اچھا ہو جائے گا۔'' فہد نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

''شاباش اس طرح سے، شیر جیسا جگر رکھ لے اور کام کر دے، اب سب سے پہلے تیرا ہی نمبر ہے تو نے ہی سب سے پہلے ہمارا کام کر دیا تو تجھے سب سے پہلے آزادی مل جائے گی۔'' اور فہد پرسکون سا ہو گیا تھا، کچھ اچھی پر امید سی سوچ لئے وہ رات کو ایک جانب ہی ڈھے کر سو گیا تھا، شاید بہت جلد اسے یہاں سے رہائی مل جاتی تھی، کرنا ہی کیا تھا، ایک کام چھوٹا سا اور آزادی، مکمل آزادی۔

☆☆☆

جب میں خاموشی ہوتی ہوں
یہی سوچتی ہوں اکثر
میرے خدا نے تو انسان کو ہے اپنی فطرت پر بنایا
پھر کیوں وہ ملوث ہے قتل و غارت و خونریزی میں

کیا ملتا ہے معصوم بچوں کی جان لے کر
کون سا نامہ اعمال ہے جو جاؤ گے اگلے جہان لے کر
کس قدر کٹھنائیاں ہیں
بے ضرسی زندگی میں
ہر لمحہ وحشت بھرا ہے
ہر چہرہ دہشت زدہ ہے
کیا یہ ممکن نہیں تم بھی خدا کے سپاہی بن جاؤ
وفا کے کھیت کے راہی بن جاؤ
کرو ملن سکون وامن وآشتی کی بات
یہ ننھے گلاب دعائیں دیا کریں گے تمہیں
پھر کس قدر خوشحالی ہوگی چہار سو
زندگی مہک اٹھے گی چہار سو
مردنی چھائے گی نہیں
نہ آنسو قطرہ قطرہ بن کر دریا بنیں گے
نہ کھر وندے ان دریاؤں میں بہیں گے
نہ کوئی اپنے گلشن سے نوچا جائے گا
نہ کسی کی خوشی کو دبوچا جائے گا
چہار سو امن ہوگا
چہار سو شانتی ہوگی
جب میں خاموش ہوتی ہوں
یہی سوچتی ہوں اکثر

فہد دو دن سے یہاں تھا، اس دن کے بعد اس نے رونا دھونا مچلنا شور مچانا چھوڑ دیا تھا، اسے ایک آس سی بندھ گئی تھی کہ اب اس کو یہاں سے رہائی مل جائے گی، اس لئے وہ ان لوگوں کے ہر حکم ہر فرمان کو من وعن پورا کرنے کی سعی کر رہا تھا، کھانا جیسا بھی ملتا چپ چاپ زہر مار کر لیتا تھا، آپس میں بچوں کو بات چیت پر پابندی تھی، کچھ بچے کھسر پھسر کر کے آپس میں چہ میگوئیاں کر لیتے تھے، دل کی بھڑاس بھی نکال لیتے تھے مگر وہ بالکل بھی اب کسی سے بات نہیں کرتا تھا، جامد خاموشی کی آس کا دیپ اس کے اندر سلگتا جلتا بجھتا رہتا تھا، اپنی بہن کا معصوم چہرہ اسے بے کل رکھتا تھا، نجانے وہ دو ہی دن میں کس طرح اتنا ذمہ دار سا بن گیا تھا، اسے فکر تھی تو صرف لائبہ کی، اسے اور کسی کا خیال نہیں ستاتا تھا اور یوں بھی اس رواں زندگی میں بہن کے علاوہ اب اس کے پاس کل پونجی کوئی اور رشتہ بچا بھی تو نہیں تھا، وہ ان ہی خیالات میں غلطاں اور مگن تھا، جب اچانک دروازے کی چرچراہٹ سے سب بچے اپنی جگہ سہم سے گئے تھے، کیونکہ یہ نہ تو کھانے کے اوقات تھے اور نہ ہی اس وقت کوئی آتا تھا یہ دوپہر کا وقت تھا، اس وقت نریندر اندر داخل ہوا تھا، پرسوچ نگاہیں اس نے سب بچوں پر ڈالی تھیں، ان میں سے ایک بچہ بھی تھا سانولی رنگت والا۔

''تو......تو اٹھ کر ادھر آ۔'' وہ بچہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا، اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں، یہ سب نے ہی محسوس کیا تھا۔

''آج تیری باری ہے، آج تو اپنے گھر چلا جائے گا ہمیشہ کے لئے۔'' نریندر کی بات پر اس بچے کی آنکھوں میں گہری چمک عود کر آئی تھی۔

''کیا نام ہے رے تیرا۔'' نریندر نے اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ اس بچے سے اس کا نام بھی پوچھا تھا۔

''زاہد...... زاہد نام ہے میرا۔'' اس بچے نے بڑی امید سے جواب دیا تھا۔

''آ جا نہا دھو کر تیار ہو جا، سامان ایک جگہ پہنچا کر تو گھر چلا جانا۔'' نریندر اس کا ہاتھ تھامے باہر نکل گیا تھا، سب بچے ایک دوسرے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، کچھ یہ سوچ رہے تھے کہ وہ بچہ کتنا خوش نصیب ہے اور کچھ یہ سوچ رہے تھے کہ کاش وہ اس بچے کی جگہ آزادی پا

لیتے۔

زاہد کو نہلا دھلا کر سفید لباس دیا گیا تھا، وہ کلف زدہ کپڑوں میں نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا، اتنے عرصے بعد اس کو صاف ستھرا اپنا آپ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"چل آ۔" زبیدر نے اسے اپنے ساتھ ہی کار میں بٹھا لیا تھا۔

"ایک جگہ میں کہوں گا تو اتر جانا اور ہاں وہاں جو شخص تجھے سامان جس جگہ جس طرح پہنچانے کا کہے کر دینا، ذرا سی بھی چالاکی دکھائی تو یاد رکھ کبھی اپنے گھر واپس نہیں جا سکے گا۔" زبیدر کی بات پر اس بچے نے تیزی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، اسے بھی واپس جانا تھا اپنوں سے ملنا تھا، اماں اس کا انتظار کرتی ہوگی، اس کے لئے روتی ہوگی، بابا کا خوف تو تھا کہ گھر جاتے ہی اسے مار پڑے گی کہ وہ بنا اجازت کہاں گھر سے نکل گیا تھا، مگر وہ جانتا تھا کہ بابا بھی اس سے پیار کرتا تھا اسے گلے لگا کر معاف کر دے گا۔

ایک پلازہ مال کے سامنے کار رک گئی تھی۔

"وہ دیکھ سامنے ایک سرخ شرٹ میں ملبوس جو آدمی ہے اس کے پاس چلا جا۔" اور زاہد اثبات میں سر ہلا کر سیدھا اس شرٹ والے آدمی کے پاس چلا گیا تھا، اس آدمی نے اسے کان کے پاس نجانے کیا کہا تھا اور ایک بیگ تھما دیا تھا، اس بیگ میں کیا تھا؟ یہ وہ پوچھتا بھی تو اسے بتایا نہ جاتا، سو وہ چپ چاپ چل دیا تھا۔

☆☆☆

"مونا بیٹی کیا بات ہے کیا ناراض ہو اچھی بچی ہے، دیکھو یوں روٹھتے نہیں ہیں، رشتوں میں اونچ نیچ تو ہو ہی جاتی ہے، پھر اپنوں میں ہی رنجش ہوتی ہے اور اس کے بعد مزید محبت بڑھ جاتی ہے۔" شبانہ بیگم اس وقت مونا کے کمرے میں آ کر اس کے عین مقابل بیٹھی اس کو باقاعدہ نگاہوں سے اس کے تاثرات بھانپ رہی تھیں، مگر وہاں کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ ملتا تھا، بہنوز چپ کی بکل سوتا مارے بیٹھی تھی، لیکن سوچ رہی تھی کہ آج چچی جان کو اس بناوٹی لب و لہجہ کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔

"جی میرے دل میں کوئی ملال نہیں ہے۔" اس نے اب کچھ کہنا تو تھا ہی رکھی ہی سہی، رسم دنیا بھی تو نبھا رہی تھی وہ۔

"شاباش میری بچی، تو نے یہ کہہ کر میرا دل جیت لیا ہے، تو سمجھدار بچی ہے، اب سنو میں ہی نہیں تم نے محسوس کیا ہوگا کہ وقار بھی پچھلے کچھ دنوں سے بہت پریشان ہے۔" وہ بری طرح سے چونکی تھی، یہ سچ تھا کہ واقعی وقار بہت دنوں سے چپ تھا اور پریشان سا بھی تھا، نہ تو اس سے الجھا تھا اور یہ ہی اس دن کے بعد چچی نے اسے زبان کے تیروں سے چھلنی کیا تھا بلکہ وہ دونوں اب خاموش رہے تھے۔

"جی میں نے دیکھا ہے وہ بہت چپ ہیں مگر میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ اس طرح کے سوال و جواب آپ کو اور وقار کو پسند نہیں ہیں۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتا گئی تھی، کیا کرتی جو اسے مل رہا تھا، وہ لوٹا تو نہیں سکتی تھی، مگر اس کا لہجہ کب تک مٹھاس لئے رہتا جب دوسرا اسے زہر کا پیالہ ہی پلاتا رہا ہو۔

"تو بیٹی تو نے پوچھا کیوں نہیں، ہم اب ایک ہیں، دیکھو تم تو جانتی ہو کہ تم نے جو رقم دی تھی اس سے وقار نے کاروبار شروع کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر جہاں یہ سلسلہ شروع کیا، بنیاد ہی دھوکہ دہی پر تھی، سارا روپیہ ساری رقم ڈوب گئی ہے، اب تم سے کیا چھپانا، سب کچھ تو سامنے کی

بات ہے اور پھر اس نے مایوس ہو کر آفس جانا بھی چھوڑ رکھا ہے، تم کچھ کرتی کیوں نہیں، اس کی دلجوئی کے لئے اسے کچھ رقم کا بندوبست کردو، تم کرسکتی ہو، اپنے بابا کو ایک فون کال کرو اور اس وقت رقم کا بندوبست ہو جائے گا۔'' چچی جان نے بلا کسی ردوبدل اور تردد کے اس کے گوش گزار سارا معاملہ کر دیا تھا۔

''مگر میں کیسے؟'' وہ انکار کر دینا چاہتی تھی، یہ سب سن کر اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے، اگر وہ انکار کرتی تو پھر اس کو مار پڑتی، ابھی تو پچھلے نیل ہی اس کے بدن پر اپنا نشان چھوڑے ہوئے تھے۔

''میں کیا کہوں ناں، تم ایک کال کردو، جانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔'' چچی جان بضد تھیں۔

''لو میں نمبر ملا دیتی ہوں۔'' انہوں نے اس کو خاموش دیکھ کر نیم رضامند محسوس کرتے جھٹ نمبر ملا کر اسے فون تھما دیا تھا اور وہ اب چاہ کر بھی کیا انکار کرتی، دوسری طرف لائن مل چکی تھی اور بیل جارہی تھی۔

''ہیلو۔'' عباس صاحب نے بشاشت سے کہا تھا۔

''ہیلو پاپا۔'' اس کا دل بھر آیا تھا، کتنے دنوں سے اس نے اپنے گھر والوں سے ملاقات بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی اس نے اتنے عرصے سے گھر کال کی تھی مبادا گھر والے اس کے اس درد کو نہ جان لیں جس درد میں وہ مبتلا تھی۔

''ارے میری چندا کا فون آیا ہے، ماشاء اللہ کیسی ہے میری بیٹی؟'' عباس صاحب نے خوشدلی سے پوچھا تھا۔

''جی پاپا میں بالکل ٹھیک ہوں گھر میں سب کیسے ہیں؟'' وہ اب اپنے لہجے کو ہموار کر چکی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں اور تمہیں بہت زیادہ یاد کرتے ہیں، تم آجاؤ ناں کچھ دنوں کے لئے کہو تو میں شبانہ بہن سے کہوں، تم بات کروا دو ابھی۔''

وہ سب شاید اب اس کی اتنی دنوں کی غیر حاضری کو شدت سے محسوس کر رہے تھے، سب کو بھی علم تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی شادی کے بعد نئی گھر گرہستی میں مصروف ہو گئی ہے، عابی تو کتنی مرتبہ شکوہ بھی کر بیٹھی تھی کہ مونا شادی کے بعد بدل گئی ہے۔

''ارے بابا ایسی کیا بات ہے میں آجاتی ہوں بلکہ کل ہی آجاؤں گی، مگر اس وقت میں نے ایک اہم مسئلہ کے لئے فون کیا تھا۔'' اس نے سنبھل کر بات کرنا شروع کی تھی، کیونکہ سامنے بیٹھی شبانہ بیگم کے اشارے کنارے مسلسل جاری وساری تھے۔

''ہاں بیٹا کہو سب خیریت تو ہے ناں؟'' عباس صاحب کا لہجہ پرتشویش تھا، وہ رنجور سی ہو گئی تھی، آہ کیسے کہوں۔

''پاپا میں چاہ رہی تھی کہ آپ کچھ رقم میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیں، مجھے ضرورت تھی۔'' اس نے قدرے جھجک کر کہا تھا، دوسری طرف فون پہ گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی، وہ ڈر گئی کہیں انکار نہ کر دیں بابا۔

''اتنی سی بات کے لئے تم پریشان ہو بیٹا، مجھے علم ہے کہ تم نے اپنی رقم نکلوائی ہے اور تمہارا اکاؤنٹ خالی ہو گیا تو مجھے اچھا نہیں لگا تھا اور دوسرے دن ہی میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں دس لاکھ کی رقم جمع کروا دی تھی، بیٹا میرا سب کچھ میرے بچوں کا ہی ہے، تم خوش رہو، یہی میری خوشی ہے، تم کل وقار کو بھی ساتھ لانا، اس کے لئے میں نے ایک سرپرائز بھی رکھا ہے۔'' اس کے اندر اور باہر آنسو ہی آنسو تھے۔

آہ والدین کس طرح بنا کہے اپنی بیٹی کے

درد کو جان لیتے ہیں، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آنکھ میں آئے آنسوؤں کا احساس اس کے باپ کو ہو، اس لئے اس نے چھلک جانے والے آنسوؤں کو جلدی سے صاف کیا تھا۔

''پاپا آئی لو یو پاپا۔'' وہ چاہ کر بھی آواز میں گھلی نمی کو چھپا نہیں سکی تھی۔

''آئی لو یو ٹو بیٹا، کل ضرور آنا۔'' عباس صاحب بضد تھے۔

''جی پاپا ضرور آئیں گے۔'' اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

''پاپا نے میرے اکاؤنٹ میں دس لاکھ روپے ٹرانسفر کروا دیئے ہیں، وقار سے کہیں وہ نکلوا لے اور ہاں کل بابا نے ہم دونوں کو بلوایا ہے۔'' اس نے فون بند کر کے بے قرار چچی جان کو بتایا تو ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''جیتی رہو بیٹی میں بہت خوش ہوں، تم ایک اچھی فرمانبردار بیٹی ہو اور ہاں کل ضرور جانا، اور بے شک دو دن وہیں رہ بھی لو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' روپے پیسے نے ان کا لہجہ بھی خوبصورت بنا دیا تھا، وہ تحیر زدہ چچی جان کا کھلکھلاتا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''اچھا اب میں یہ بات وقار کو بھی بتا دوں۔'' وہ باہر نکل گئی تھیں اور اس کا اپنا آپ اپنے باپ پر نثار ہو رہا تھا، جسے اس کے پل پل کی خبر تھی، اگلی شام وہ تیار ہو کر وقار کے ساتھ جانے لگی تھی، جب وقار نے اسے اس کے شانوں سے تھام لیا تھا۔

''میں جانتا ہوں میں بہت برا ہوں نجانے کیوں میں تشدد پر اتر آتا ہوں، مگر میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا، تم میرا یقین کرو، میں خود چاہتا ہوں کہ میں تمہیں ایک پرسکون آسودہ زندگی دوں۔'' وقار کا انداز ملتجی سا تھا۔

ایسا لگتا تھا جیسے وقار کو خوف حائل ہو کہ وہ اپنے بابا سے یا بی جان سے اس کی کوئی شکایت نہ کر دے، اس لئے اب اس کا رویہ بھی لچک دار سا تھا، وہ پھیکی سی مسکراہٹ لئے بولی تھی۔

''میں وہاں صرف ملنے جا رہی ہوں، رہنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب
- خمار گندم
- دنیا گول ہے
- آوارہ گرد کی ڈائری
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلیے
- نگری نگری پھرا مسافر
- خط انشاء جی کے
- اس بستی کے اک کوچے میں
- چاند نگر
- دل وحشی
- آپ سے کیا پردا

ڈاکٹر مولوی عبد الحق

- قواعد اردو
- انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ

- طیف نثر
- طیف غزل
- طیف اقبال

لاہور اکیڈمی

چوک اردو بازار لاہور

فون: 042-37321690, 3710797

بھی نہیں سکتی ہوں، عابی اور بی جان کا اصرار ہے، ورنہ میرا تو دل ہی نہیں چاہتا کہ اب میں بھی جاؤں۔" اس کا لہجہ بکھرا ہوا تھا۔

"دیکھو میں کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔" وقار کا انداز اس کی سمجھ سے باہر تھا، اس نے کہا کچھ نہیں بس یک ٹک دیکھتی رہ گئی تھی کیا اس کے اندر کے گھاؤ اتنے آرام سے بھر سکتے تھے، کیا اس کے اندر باہر لگے زخموں پر صرف ایک معافی مرہم رکھ کر اس کے گھاؤ بھر سکتی تھی، ابھی شاید اس کا وقت بھی نہ تھا۔

"میرا خیال ہے چلتے ہیں۔" اس نے قدم بڑھا دیے تھے اس کو پورا یقین تھا کہ یہ سب محض روپے کا کرشمہ تھا، دکھاوا تھا، کار اس کے اپنے سابقہ گھر کے راستے پر رواں دواں تھی، وہی جانے پہچانے راستے، غمناک نگاہیں لئے وہ راستوں کو دیکھ رہی تھی، بی جان اور عابی اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھیں، عابی سے گلے لگ کر اسے اتنا سکون محسوس ہوا، بعض اوقات ہم لفظوں سے اپنے محسوسات بیان نہیں کر پاتے ہیں، ایسی ہی کچھ متضاد کیفیات کا وہ شکار تھی، بی جان نے اس کے من پسند کھانے بنوائے تھے۔

"کتنی دبلی ہو رہی ہو، کیا ٹھیک سے کھاتی پیتی نہیں ہو کیا؟" بی جان نے متفکر لب ولہجہ میں وقار سے پوچھا تو وقار گڑبڑا سا گیا تھا۔

"جی......" وہ کیا کہتا، اس نے تو آج تک بیوی سے پوچھا ہی نہیں تھا کہ اس نے کھانا کھایا بھی ہے کہ نہیں، اس وقت ندامت نے اسے بری طرح سے گھیر لیا تھا۔

"ارے بیٹا یہ تو شروع سے ہی کھانے کے معاملے میں چور رہی ہے، اپنی فکر ہی نہیں کرتی ہے، دوسروں کی ہی فکر میں ہلکان رہتی ہے، تم ہی اس کا خیال رکھ لیا کرو۔" بی جان نے ناصحانہ انداز اپنایا تھا، وقار مبہم سا مسکرا دیا تھا، عابی بغور مونا کو یک ٹک دیکھ رہی تھی، آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے اس کی بے خوابی اور رتجگے کی داستان سنا رہے تھے۔

"بی جان، ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں تو پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں مگر کیا کروں آپ کی اور عابی کی یاد ستاتی رہتی ہے، اس لئے میں اداس سی رہتی ہوں، نیا ماحول ہے، ایڈجسٹ ہونے میں وقت تو لگتا ہی ہے ناں۔" وہ بات سنبھال رہی تھی، مگر بی جان ہونق اس کا چہرہ یوں دیکھ رہی تھیں جیسے اس نے کوئی عجیب سی بات کر دی ہو۔

"یہ تم نے خوب کہی لڑکی، پانچ ماہ ہونے کو آ رہے ہیں، تم نے تو پلٹ کر یہاں جھانکا تک نہیں اور کہتی ہو کہ تم ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہی، خیر چھوڑو ان باتوں کو اپنی پری کو ہی لے لو، کیا فل میک اپ کیے بالوں کا یہ اونچا جوڑا بنائے ٹک ٹک کرتی کئی مرتبہ یہاں کا چکر لگا گئی ہے۔"

"پتہ نہیں بی جان۔" یہ وقار کو سنا رہی تھی یا جتا رہی تھی، وقار محسوس کیے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"اچھا یہ بتائیں میٹھے میں کیا بنایا ہے۔" صاف ظاہر تھا کہ مونا صرف بات کو بدل رہی تھی اور بی جان بھی اتنی نا سمجھ نادان نہ تھیں کہ کچھ سمجھ ہی نہ پاتیں، بہرحال اس رات کو بھی ماحول میں ایک عجیب سی تشنگی سی رہی تھی، ماحول میں ایک بوجھل پن سا در آیا تھا، پھر عباس صاحب گھر آ چکے تھے۔

"بیٹا کیسے ہو تم نے تو آفس آنا ہی چھوڑ دیا ہے؟" عباس صاحب نے وقار سے گلے ملتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا تھا۔

"جی انکل بس جی میں خواہش تھی کہ اپنا کچھ کاروبار شروع کیا جائے، مگر اس معاملے میں اناڑی واقع ہوا ہوں، سارا سرمایہ ڈوب گیا۔"

وقار نے بھی کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، دراصل وقار ایک کٹھ پتلی کا رول پلے کر رہا تھا، اس نے ہمیشہ اپنی ماں کی کہی بات پر ہی عمل کیا تھا، ماں نے جاتے وقت اس کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ جا کر اچھے طریقے سے بات کرنا، اگر کاروبار یا اس کی جاب کے حوالے سے سوال جواب کیے جائیں تو پھر وہ بھی ساری بات کر لے، یہی وہ وقت ہے جب بات کی جا سکتی ہے، دراصل ان لوگوں کے لئے مونا ایک سونے کی چڑیا تھی جو ان کے ہاتھ لگ گئی تھی اب اس سے کس طرح کب اور کتنا فائدہ حاصل کرنا ہے یہ دیکھنا تھا۔

''تو اس میں کیا مشکل ہے اور دیکھ لو ادھر تم نے خواہش کی، ادھر تمہارے انکل کو بھی احساس ہو گیا، میں نے بھی تمہارے لئے کچھ اسی طرح کا سوچ رکھا تھا اور بہت عرصے اس معاملے میں کوشاں بھی تھا اس لئے میں نے ایک چلتے پھرتے کاروباری مرکز کو چن لیا ہے تم نے صرف اس آفس میں باس کی کرسی سنبھالنی ہے، چاہو تو ورکز وہی رکھ لو یا نئے یہ تمہاری صوابدید پر ہے، مگر میں نے باقی سارے معاملے حل کر لئے ہیں اور یہ لو آفس کی چابیاں۔'' عباس صاحب نے اسے اس کے آفس روم کی چابیاں دی تھیں، وقار کے چہرے پر جیسے کہکشاں سی بکھر گئی تھی، وہ بے حد خوش تھا، اس نے عقیدت سے چابیاں تھام لی تھیں۔

''یہ دراز اور باقی ماندہ چابیاں ہیں، فائلز پر کام ہو رہا تھا، تم چاہو تو نئے سرے سے پراجیکٹ پکڑ لو اور جو چل رہے ہیں ان کو ایسے ہی چلنے دو، کل سے جوائن کر لو، میں چاہتا ہوں کہ تم جتنا جلدی ہو سکے اپنے اس معاملے میں دلچسپی لو۔'' عباس صاحب نے خوشدلی سے کہا تھا، وقار نے ممنونیت سے اس کو تھام لیا تھا، کھانا بے حد پر تکلف ماحول میں کھایا گیا تھا، خوشگوار ماحول میں جب واپسی کے لئے وقار نے قصد کیا تو مونا بھی تیار کھڑی تھی۔

''میں کہہ رہا تھا کہ تم بھی رہ لو۔'' وقار کو نہ جانے کیوں اپنے ناروا سلوک کا کچھ کچھ احساس ہو رہا تھا، شاید اس لئے کہ یہاں ماں موجود نہ تھی۔

''رہ لو بچی، جی بہل جائے گا۔'' بی جان نے لجاجت سے کہا تو وہ رک گئی تھی، محض دو دن کے لئے۔

☆☆☆

اخباروں کی سرخیوں میں دو جگہ دو مختلف شہروں میں دھماکے ہوئے تھے، ان بم بلاسٹ میں بہت سارے بے گناہ معصوم لوگ شہید ہو گئے تھے اور اس کاروائی میں ملوث جو لوگ تھے ان سب نے آگے بڑھ کر بچوں کو پیش کیا تھا، ایک بچہ زاہد جو ملتان سے تھا اور دوسرا بچہ عابد تھا جو گوجرانوالہ سے تھا، یہ دونوں بچے پچھلے ایک ہفتے سے لاپتہ تھے، گھر والے اپنے بچوں کے لئے اشد پریشان تھے اور اب ان بچوں کی جلی ہوئی لاشیں ملی تھی، ان کی شناخت بھی کس قدر مشکل ترین امر تھا، مگر بامشکل گھر والے اپنے بچوں کو شناخت کر پائے تھے، مگر زاہد کے ساتھ تو معاملہ مختلف تھا، زاہد کا دھڑ سلامت رہا تھا اور اس وجہ سے گھر والوں کو شناخت میں کرنے ذرا بھی مشکل نہیں ہوئی تھی، کہرام تو کئی گھروں میں مچ گیا تھا، پولیس اور حکومت تو سوالیہ نشان بنایا جا رہا تھا، ہر طرف ہراس اور خوف پھیل گیا تھا، سب سے زیادہ فکر کی بات تو یہ تھی کہ جن کے بچے لاپتہ تھے ان کا انجام بھی اب صاف صاف دکھائی دینے لگا تھا، مائیں ان کے انجام سے قبل ہی ماتم

کناں تھیں، ہر طرف ماتم سا پھیل گیا تھا اور پھر وہ خود بے حد پریشان تھا، مصطفیٰ کو اب ساری سکیم سمجھ میں آ گئی تھی اور فہد کے لئے اس کی فکر مندی مزید بڑھ گئی تھی اور اس معاملے میں ریاض بھی ہر دوسرے دن فون کر کے اس سے پوچھتا رہتا تھا، مگر مصطفیٰ ابھی خود بھی فہد کے معاملے میں لاعلم تھا، تو اسے اس کے بارے میں کیا بتاتا، وہ خود بھی نہ صرف فہد کے لئے بلکہ ان تمام گمشدگان بچوں کے لئے پریشان حال تھا، ان کے گھر والے بھی اس طرح بلک رہے تھے اور مضطرب تھے اور ان کا آئے دن پولیس چوکیوں کا چکر لگ رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' ولی صاحب نے مصطفیٰ کو چھٹی کے دن گھر آتے ہوئے بھی، فکر مند سا اخبار تھامے دیکھا تو پوچھ بیٹھے تھے، مصطفیٰ نے چپ چاپ پرچہ باپ کو تھما دیا تھا، مصطفیٰ کے پاس تو وہ لفظ بھی نہ ہے کہ وہ اس معاملے میں کچھ کہتا۔

ولی صاحب نے اخبار تھام کر مطالعہ شروع کیا تھا، ولی صاحب کو باقاعدہ یہاں آنے کے بعد ٹریننگ دی گئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اس ملک کے لئے کچھ کریں، وطن کی محبت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، مگر ہجرت کے ماروں کو شاید ایک دم اتنا اعتبار نہیں دیا جاتا ہے اور ان کے صبر نے اب مصطفیٰ کے رنگ میں اپنا آپ منوا لیا تھا، اگرچہ ولی صاحب کا عملاً فوج سے کوئی تعلق نہ تھا مگر وہ ماضی میں اپنے سسر کے ساتھ مختلف معرکوں میں شریک رہے تھے، ان کی مدد کرتے رہے تھے، وہ اس طرح کے جشن میں بہت فعال اور سرگرم ہو جایا کرتے تھے، ان کا اس قدر محب وطن ہونا اور ان کا اس قدر جوشیلا ہونا سب کو بھاتا تھا، اس لئے وہ اکثر معرکوں میں ایک خصوصی اجازت نامے کے تحت میجر صاحب کے ساتھ شریک رہا کرتے تھے، کیونکہ وہ دس سال کی عمر میں یہاں آئے تھے، اس کے بعد کا سارا وقت انہوں نے یہاں میجر صاحب کی سرکردگی میں گزارا تھا، اس لئے ان کی تربیت کچھ اس نہج پر ہوتی تھی جس طرح کسی فوجی کی ہوا کرتی ہے اور وہ نشانہ بازی گھڑ سواری سرکشی میں طاق تھے، انہوں نے اپنی زندگی برباد نہیں کی تھی، اب بھی ان کے بازوؤں میں اتنا دم خم ضرور تھا کہ وہ کسی بھی مقابلے میں شریک ہو سکتے تھے، سب سے بڑھ کر ان کو تجربہ حاصل تھا اور اب بھی ان کو اہم حلقوں میں معتبر نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، ان کی تعظیم کی جاتی تھی، اخبار کو دیکھ کر وہ بے حد خاموش سے ہو گئے تھے اور ایک لائن نے انہیں چونکا دیا تھا کہ اس ساری چالبازی کے نتیجے کچھ دشمن عناصر ملوث ہیں، اس پاک سرزمین کا دشمن کل بھی وہ کافری عناصر تھے اور شاید آج بھی ان کے پس منظر میں کہیں نہ کہیں ایسا ہی کچھ تھا، یہ سچ تھا کہ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں، بھارت میں مقیم مسلمان کہاں رہنے والے پاکستانی مسلمان بھائیوں سے میل ملاقات اور باہمی محبت اور اخوت کے طلبگار ہے، مگر صرف مسلمان اور کچھ ایسے لوگ جن کے دلوں میں احساس کی شمع روشن تھی۔

رفتہ رفتہ کشمیر کی سرزمین پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دیکھ کر وہاں کے ہی مقیم اب اپنے ہی ہم وطنوں کو لعن طعن کرنے لگے تھے اور بے گناہ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے ان بے گناہ کشمیریوں کے لئے ان کے دل دکھتے تھے، مگر یہاں تو بے حسی کی چادر اوڑھے ہوئے ان پر ظلم ڈھائے جا رہے تھے، کشمیر کی گلیوں میں نہتے بے گناہ مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا، صرف اس احساس کو دبانے کے لئے ان کا

مطمع نظر کچلنے کے لئے ان کا حق خود ارادیت کو پسپا کرنے کے لئے، مگر حق کو نہ ماضی میں کبھی فنا کیا جا سکا تھا اور نہ ہی مستقبل میں فنا کیا جا سکتا ہے۔

ولی کا ماتھا پر سوچ شکنوں سے بھر گیا تھا اور دل اس طرح کے واقعات کو پڑھ کر کڑھ رہا تھا۔

''بابا آپ کیا کہتے ہیں۔'' اب مصطفیٰ نے سنبھل کر بابا سے پوچھ ہی لیا تھا، وہ بری طرح سے چونکے تھے۔

''بیٹا کوئی بھی مسلمان اس طرح کی حرکت نہیں کر سکتا ہے، ایک کلمہ گو کبھی کسی مسلمان کو اسی طرح بے دردی سے نہیں مارنے کا سوچ سکتا، مجھے اس کالم میں لکھے گئے ایک جملہ سے مکمل اتفاق ہے کہ اس میں دشمن عناصر ملوث ہیں۔'' ولی صاحب نے ہموار لہجہ میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

''تو بابا جانی اب کیا کیا جائے۔'' وہ پریشان ہوا اٹھا تھا، کافران کی صفوں میں گھسا بیٹھا تھا اور وہ ناواقف تھے۔

''بیٹا اس کا ایک ہی حل ہے کہ ان نا سوروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے جن کے توسط سے ان دشمنوں کو ہماری صفوں میں گھسنے کا موقع ملا ہے، سچ کڑوا ہوتا ہے، مگر جتنی جلدی سچ کو قبول کر لیا جائے اس قدر جلد ہی حقیقت حال کا ادراک ہو جاتا ہے اور پھر فیصلہ کرنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔'' ولی صاحب نے پر سوچ انداز میں کہا تھا۔

''جی بابا میں آپ کی بات سے بالکل متفق ہوں۔'' وہ سر ہلا کر رہ گیا تھا، تبھی کنول اور ساتھ میں سلمیٰ بیگم کچن سے لوازمات لئے لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔

''لیجئے گرما گرم پکوڑے میرے ہاتھوں کے۔'' کنول نے چہک کر کہا تھا۔

''لو جی یعنی آج پھر کوئی بدمزہ سا ذائقہ۔'' وہ منہ بسور کر بولا تھا۔

''سن رہے ہیں بابا جانی یہ میری انسلٹ کر رہیں ہیں اور اپنی اس عابی صاحبہ کے بارے میں کیا خیال ہے اس دن میں گھر گئی تھی، اداس تھی سوچا بھابھی سے ایک ملاقات ہو جائے، اف انہیں تو کچھ بنانا ہی نہیں آتا ہے، گرم ابلتے کھولتے پانی میں انڈے ڈال دیے، حد ہے بھئی۔'' وہ چڑاتے ہوئے بولی تھی، مصطفیٰ کا جاندار قہقہہ اٹھ پڑا تھا۔

''اچھا تو تمہاری بھابھی بھی تمہاری طرح ہی سگھڑ ہیں، پھر تو اللہ ہی حافظ ہے۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

''ارے نہ ستاؤ ہماری بیٹی کو۔'' سلمیٰ بیگم نے سرزنش کی تھی۔

''جی بالکل ہماری بیٹی کو تو سب کچھ بنانا آتا ہے۔'' ولی حیات صاحب نے کنول کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، جو اس وقت ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی اور لاڈ سے کندھے پہ سر رکھے ہوئے تھی۔

''جی واقعی۔'' یہ واقعی حیران کن تھا کہ پہلا پکوڑا منہ میں ڈالتے ہی مصطفیٰ چونک سا گیا تھا، پکوڑے بہت ہی خستہ اور مزے دار تھے۔

''اب یہ بھی بتا دو کہ اس میں کتنا کمال تمہارا ہے اور کتنی لذت امی کے ہاتھوں کی ہے۔'' مصطفیٰ ہنس دیا تھا، وہ منہ بنا کر رہ گئی تھی۔

''جی یہ سب میں نے خود کیا ہے، صرف نمک مرچ امی نے ڈالی ہے۔'' سچ منہ نکل ہی آیا تھا اور وہ زبان دانتوں تلے داب کر رہ گئی تھی اور سب کے بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے تھے۔

''خبردار جو کسی نے میری بیٹی کو ستایا تو،

مصطفیٰ تمہیں ڈانٹ پڑے گی۔'' ولی صاحب نے اب کے مصطفیٰ کو گھورا تھا، جب ان کی نگاہ آنکھوں میں نمی لئے ہوئے کنول پر پڑی تھی۔

''اب دیکھیں آپ میں کیسے روایتی نند پن کر آپ کی بیگم کا جینا دوبھر کرتی ہوں۔'' کنول نے بھی زبان نکالی تھی۔

''اچھا کیسے بنتے ہیں روایتی نند ذرا بن کر دکھاؤ۔'' مصطفیٰ نے ہنس کر لطف لیا تھا۔

''اس کے پل پل کی خبر امی کو دوں گی۔'' وہ بھی دوبدو بولی تھی۔

''یعنی تم بھابھی کے آنے کے بعد رپورٹر بن جاؤ گی۔'' مصطفیٰ ہنسا تھا۔

''تو اور کیا میری دوست کی بھابھی آ چکی ہیں وہ مجھے ان کے دن کی شروعات لے کر ان کے سونے تک کی تمام تفصیل بتاتی ہے، پھر یہ بھی کہ ان کی بھابھی کب گھر سے نکلے گی، کب گھر لوٹے گی، وہ تو بھابھی پر ایک کڑی نگاہ رکھتی ہے۔'' کنول ہنس دی تھی۔

''توبہ کرو لڑکی اس طرح تو تم میری زندگی واقعی جہنم بنا دو گی۔'' مصطفیٰ اپنے مستقبل کا نقشہ دیکھ کر سہم سا گیا تھا۔

''اچھا ان باتوں کو چھوڑو، میں سوچ رہی ہوں کہ اس جمعہ کو ہی منگنی ہو جائے۔'' سلمیٰ بیگم نے مسکرا کر کہا تھا۔

مصطفیٰ کے چہرے پر خوشی دیکھ کر سلمیٰ بیگم نہال ہو گئی تھیں۔

''دیکھا کتنی جلدی ہے بھائی کو۔'' کنول نے بھی سب کی توجہ مصطفیٰ کے چہرے کی جانب مبذول کروائی تھی۔

''بیگم جیسا مناسب سمجھیں بہتر ہے۔'' ولی صاحب نے اثبات میں جواب دیا تھا، کنول پر جوش سی جانے کی تیاری کی باتیں شروع کر چکی تھی، مصطفیٰ بظاہر بول نہیں رہا تھا مگر اندر سے فہد کے لئے بے طرح پریشان تھا۔

☆☆☆

''میں چاہتا ہوں کہ اس کام کے لئے مصطفیٰ اپنی خدمات پیش کرتے، ان کے دادا جان اور نانا جان کا نام تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔'' کیپٹن سجاد نے بے حد توصیفی انداز میں اس وقت کانفرنس روم میں سب سے آراء طلب کی تھی، سب ہی اس وقت ہونے والی پے در پے وارداتوں اور دہشت گردی کی لہر کے خلاف کوئی لائحہ عمل ترتیب کرنے کے لئے اس وقت اکٹھے ہوئے تھے اور اس ساری کاروائی کے لئے ایک ٹیم تشکیل دی تھی، جس کا ہیڈ انہوں نے مصطفیٰ کو بنایا تھا، مصطفیٰ اس وقت بے حد سنجیدگی سے یہاں موجود ساری گفت و شنید کو بغور سن رہا تھا۔

''مصطفیٰ اس ٹیم میں حسب ضرورت جتنے افراد چاہیں شامل کر سکتے ہیں، مگر فی الحال یہ پانچ رکنی ٹیم تشکیل دے دی گئی ہے، مصطفیٰ ان کے ساتھ ارسل، وہاب، عامر، طلحہ ہوں گے اور مصطفیٰ مزید کیا چاہتے ہیں، وہ بھی بتا دوں۔'' سجاد صاحب نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا تھا، کمرے میں گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔

''جی سر میں چاہتا ہوں کہ اس میں صرف ایک ممبر کا اضافہ کر دیا جائے، مجھے امید ہے کہ آپ اس معاملے میں میرا ساتھ دیں گے میری اس خواہش کو محض جذباتیت کا نام نہیں دیں گے۔'' مصطفیٰ نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا تھا۔

''جی کہیے کہیے۔'' سجاد صاحب نے اب ہمہ تن گوش ہو کر پوچھا تھا۔

''سر میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں میرے والد صاحب کو بھی شامل کر لیا جائے، میں جانتا ہوں کہ اب ان کی عمر تقریباً پچاس سے تجاوز

کر چکی ہے، مگر ان کے پاس ایک طویل تجربہ ہے، عملاً نہ سہی وہ اس کیس میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔'' مصطفیٰ نے دلیل کے ساتھ کہا تھا، سجاد صاحب کے ہونٹوں سے دھیما سا تبسم ٹھہر سا گیا تھا۔

''جی میں جانتا ہوں جب جب بھارتی درندوں کا ذکر ہوتا ہے تو ہمارے محب وطن پاکستانی تڑپ جاتے ہیں، ان کا جوش و ولولہ دیدنی ہوا کرتا ہے اور قابل ستائش بھی۔'' سجاد صاحب نے لمحہ بھر کے لئے رک کر سانس لیا تھا اور مصطفیٰ ان کے چہرے سے اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ آیا کہ جواب ہاں میں ہوتا کہ ناں میں۔

''میں نے جب اس کیس کو پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ تمہارے ہاتھوں میں سونپ ہی دیا ہے، تو پھر مجھے یقین ہے کہ انجام بخیر ہوگا، ہمارے جواں مرد ہی نہیں ان کے خون میں دوڑتے ہوئے خون کی اصل وجہ ہماری نسل در نسل آنے والی ہر نسل کا خون وطن کے رنگ میں خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے بھی اعزاز ہوگا جب ولی صاحب اس کیس میں شامل ہوں گے۔'' سجاد صاحب نے حامی بھر لی تھی۔

اور اس کے بعد مصطفیٰ نے کھڑے ہو کر بے حد عقیدت سے سلیوٹ کیا تھا، اسے فخر تھا کہ اس کو اس اہم مشن کے لئے چن لیا گیا تھا، اس کے اس مشن میں اس کے ساتھ اب اس کے بابا بھی ہوں گے یہ بھی اس کے لئے بے حد خوشی اور طمانیت کا سبب تھا۔

اب اس خوشی کی خبر کو صرف اور صرف اپنے بابا جانی کو سنانا تھا اور اس کے لئے وہ خود بھی بے صبرا سا ہونے لگا تھا، بات ہی ایسی تھی۔

☆☆☆

پلوشہ اپنی زندگی میں مگن سی تھی، مگر اسے اب تک زوار شاہ کی سمجھ نہیں آ پائی تھی، جو پل میں تولہ پل میں ماشہ والی صورتحال اس سے روا رکھتا تھا، وہ اس لیئے اس ساری بات کو اپنے باپ سے بھی چھپا دیتی تھی، آج اس سے ملنے کے لئے آفتاب صاحب آئے تھے۔

''کیسے ہیں بھائی صاحب۔'' مریم بیگم نے مسکرا کر ان کا والہانہ استقبال کیا تھا، آفتاب صاحب کا انداز بے حد سنجیدگی سے پر تھا، جسے مریم بیگم نے بغور دیکھا تھا، مگر کہا کچھ نہیں۔

''جی بخیریت ہوں، مگر کیا بات ہے زوار پلوشہ کو کیا ٹھیک طریقے سے وقت نہیں دے پاتا ہے، پلوشہ کو اتنے دنوں سے میں نے کہہ رکھا ہے کہ وہ آئے گھر، مگر اس کا تو اتنے مہینوں میں ایک چکر بھی گھر کا نہیں لگا ہے۔'' آفتاب صاحب کا شکوہ اپنی جگہ تھا، جسے مریم بیگم چاہ کر بھی جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

''بھائی آپ کی بات درست ہے، مگر نئی نئی شادی کے بعد کئی جگہ دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور پھر زوار کی اتنے عرصے تک کاموں سے لاپروائی بھی ہو چکی تھی، اس کے بعد اب وہ کام کے لئے سنجیدہ ہو گیا ہے۔'' مریم بیگم نے بات پر پردہ ڈالا تھا۔

''جی وہ سب تو ٹھیک ہے، میں سمجھتا ہوں مگر ایک آدھ دن میں چند گھنٹے بھی نہیں ہوں بیوی کے لئے تو افسوس ناک صورتحال بن جاتی ہے۔'' آفتاب صاحب بھی اپنی بات سے پھرنے والے نہیں تھے، بضد ہی رہے۔

''ارے ناراض نہ ہوں، میں خود زوار کو آج ہی کہتی ہوں، کل ہی وہ پلوشہ کو لے آئے گا، کوئی اور حکم بھائی صاحب۔'' مریم بیگم نے چہرے پر

بناوٹی مسکان بھرتے ہوئے کہا تھا۔
''نہیں پلوشہ کو بلوادیں۔'' آفتاب صاحب صوفہ پر بیٹھتے ہوئے نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے مطمئن انداز میں بولے تھے۔
''بیٹیوں کے گھروں میں میکے کے قدم پڑتے ہی سسرال والے اپنے رویے پر اکثر نظر ثانی پر مجبور ہوجایا کرتے ہیں۔''
پلوشہ تھوڑی دیر بعد ہی آ گئی تھی اور بابا کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔
''اوہ بابا میں آپ کو بہت یاد کررہی تھی۔'' پلوشہ نے ان سے لپٹ کر محبت سے کہا تھا۔
''تو تم آجاتی کیا کوئی منع کرتا ہے تمہیں۔'' آفتاب صاحب نے چونک کر پوچھا تھا۔
''نہیں نہیں دراصل میں خود ہی زاور سے الگ نہیں رہ سکتی آپ کو تو معلوم ہی ہے۔'' پلوشہ نے شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو آفتاب صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔
''میں تو سب جانتا ہوں، مگر تم بھی اب سمجھ لو کہ اپنی جگہ بنانی ہی پڑتی ہے، اپنی بات کو منوانا پڑتا ہے، اپنی جگہ بنانے کے لئے کبھی کبھی منظر سے نہیں پس منظر کا حصہ بھی بننا پڑتا ہے، ہر وقت سر پر سوار بیوی بھی دل کو نہیں بھاتی ہے۔''
آفتاب صاحب نے ناصحانہ انداز بناتے ہوئے کہا تھا اور وہ کچھ سمجھی اور نا سمجھی کے عالم میں اپنے باپ کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔
''بابا میں نے کچھ اہم معاملہ آپ سے ڈسکس کرنا تھا۔'' وہ اردگرد دیکھتے ہوئے بولی تھی، اس کی ساس ڈرائینگ روم میں نہیں تھی صرف وہ دونوں ہی موجود تھے۔
''ہی بیٹا ایسی کیا بات ہے کیا اس لڑکی کا چکر دوبارہ شروع ہوگیا ہے۔'' آفتاب صاحب نے بے حد سفاک لہجہ میں پوچھا تھا، غصہ ان کے چہرے پر رقم تھا۔
''نہیں بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں نے زوار شاہ کو بہت دنوں سے پریشانی میں دیکھا ہے اور پھر ان کا کسی ہندو سریش نامی شخص سے روابط بھی کچھ اچنبھے کا سبب بن رہے ہیں، اپنے فون کالز کو وہ ہمیشہ الگ جا کر بے حد پراسرار طریقے سے سنتے ہیں اچانک کسی کے بلاوے پہ چلے جاتے ہیں، گہری سوچ میں رہتے ہیں، مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے کچھ گڑبڑ ہے، میں زوار کی بیوی ہوں، اس لئے ان کی ہر خوشی مگر غم سب میں برابر کی شریک ہوں۔'' وہ اس وقت بے حد سنجیدگی سے آہستہ آہستہ ساری باتیں باپ کو بتا رہی تھی اور آفتاب صاحب اس کی بات سن کر واقعی پریشان سے ہو گئے تھے، اب زوار کی زندگی کے ساتھ ان کی اپنی بیٹی کی زندگی مشروط تھی، اس کے ساتھ خوشیاں اور غم تھے۔
''تم پریشان نہ ہو، میں اس سلسلے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''
''تم کہو تو میں زوار شاہ سے براہ راست بات کر لیتا ہوں۔'' آفتاب صاحب نے سوالیہ انداز میں کہا تھا۔
''نہیں نہیں آپ براہ راست بات نہ کریں، ورنہ ان کو یقین ہو جائے تاکہ میں نے ہی آپ کو بتایا ہے۔'' وہ فوراً سے ٹوکتے ہوئے بولی تھی۔
''بیٹی جیسا تم مناسب سمجھو، میں اس کا بھی کوئی حل نکال لوں گا، تم فکرمند نہ ہو اور مجھے خوشی ہے کہ جیسا میں سوچ آیا تھا، ویسا کچھ بھی نہیں ہے تم زوار کے ساتھ خوش وخرم ہو تو میں بھی خوش اور مطمئن واپس لوٹ رہا ہوں۔'' آفتاب صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،

پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد آفتاب صاحب واپسی کا قصد کر کے جانے لگے تھے اسی وقت مریم بیگم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھیں۔

"ارے بھائی صاحب کھانا بالکل تیار ہے، میں نے خانساماں سے خصوصی طور پر کھانا تیار کروایا ہے، بس اس وجہ سے میں کچن میں کچھ مصروف ہو گئی تھی، دوسرا میری خواہش تھی کہ اتنے عرصے کے بعد باپ اور بیٹی کی ملاقات ہوئی ہے، تو جی بھر کر کھل کر باتیں کریں۔" وہ مسکرا رہی تھیں۔

"جی بس کھانے کا وقت تو ہے، مگر مجھے کچھ جلدی ہے، ایک جگہ بہت ضروری جانا ہے، بہت معذرت میری طرف سے سب کھانا میری بیٹی کھا لے گی۔" آفتاب صاحب اب مزید بھیجنا بھی نہیں چاہتے تھے زوار کی آمد سے پہلے وہ یہاں سے جانا چاہتے تھے اور پھر معذرت کے بعد وہ واقعی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

شام سے قبل زوار کی واپسی ہوئی تھی، اس کو مریم بیگم نے ساری صورتحال بتا رہی تھی زوار کا موڈ ایک دم سے آف ہو گیا تھا کیونکہ اس کی ماں کا نیا حکم نامہ جاری ہو گیا تھا کہ وہ پلوشہ کو شاپنگ کروائے، اور اسے اس کے میکے کا بھی چکر لگوائے، یہ سب بے حد ضروری ہے، اس کے بعد زوار کا موڈ آف سا ہو گیا تھا، لیکن ماں کے سامنے بولا کچھ نہیں تھا۔

سیدھا کمرے میں آ کر اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کن اکھیوں سے پلوشہ کو دیکھا تھا، جو آئینے کے سامنے بیٹھی اپنا میک اپ چیک کرتے ہوئے تراشیدہ بال ماتھے سے ہٹاتے پلٹی تھی۔

"آ گئے آپ۔" اس کے لہجہ میں محبت گھلی تھی، جبکہ زوار نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور بنا کچھ کہے واش روم میں گھس گیا تھا، اس کا یہ ناروا سلوک اور انداز اجنبیت اس کے اندر دکھ کے گہرے بیج بو دیتا تھا اور اسی طرح اس کے اندر سسکتے ہوئے کرب کرلاتے تھے، مگر اس یقین تھا کہ اگر اس کی محبت میں واقعی گہرائی ہے تو سب کچھ ایک دن ٹھیک ہو جائے گا، اسے اسی دن کا بے حد شدت سے انتظار تھا۔

☆☆☆

میرے ہمدم
خوشی کیوں نہیں آتی راس دل کو
تیرے ملنے کی نہیں باقی کوئی آس دل کو
تیرے وصل کی سب کوششیں رائیگاں ٹھہریں
تیرے ہجر کے قصے
تیری دوری کے ڈر
ان دیکھے سرسراتے انجانے خوف
انمٹ ٹھہرے
وہ لمحہ پرفسوں جب تم اور میں تھے
ہم قدم
زیست کی ان راہوں میں
ساتھ ساتھ
کہاں جا ٹھہرا
محبتیں، چاہتیں، آرزوئیں
سب ناکام ٹھہریں
سب ناتمام ٹھہریں
دستورِ دنیا میں سب محبتیں خواب ٹھہریں
سب چاہتیں سراب ٹھہریں
مگر یہ کیا کہ
تیرے خیال کے نکس ابھی باقی ہیں
انہیں ابھی چکنا چور ہونا ہے
گر یہ چکنا چور ہو جائیں
تب بھی دل میں پیوست ہو جائیں
انہیں کھرچوں کیسے میں

کہ یہ انمٹ نقوش ٹھہرے
کوئی دل سے نکالے تب
میں تب مانوں
میں جب مانوں
تیری یادوں کے بھنور سے
کوئی نکالے مجھ کو
زندگی کی ان سب شاہراہوں پہ سنبھالے مجھ کو
مگر یہ ممکن ہی تو نہیں
تو کیوں میں سمجھوں
یہ چاہتیں سراب ٹھہریں
میری یہ محبتیں سراب ٹھہریں

فہد آج بے حد خوش تھا، کیونکہ اس کو آج چن لیا گیا تھا، اسے آج رہائی ملنے والی تھی، اس کے چہرے پر بکھری خوشی بے حد گہری تھی، اسے لائبہ سے ملنے جانا تھا، لائبہ سے ڈھیروں باتیں کرنی تھیں، اس نے طے کیا تھا کہ جیسے ہی حکم نامہ جاری ہو گا جیسے جیسے اسے کہا جائے گا وہ ویسے ویسے ہی کرے گا، ذرا بھی حکم عدولی نہیں کرے گا، اس لئے جیسے ہی اسے نیا نکور لباس فراہم کیا گیا تھا، اس نے نہا دھو کر اس لباس کو زیب تن کر لیا تھا اور تیار باہر نکلا تھا، ایک بات تھی کہ اسے جاتے ہوئے تھوڑا سا دکھ اس لئے ہوا تھا کہ دو دن قبل آنے والا لڑکا فراز سے اس کی گہری واقفیت اور دوستی ہو گئی تھی، فراز کو بھی لاہور کے مضافاتی علاقے سے اغواء کر لیا گیا تھا اور اب اسے بھی اپنے اہل خانہ سے ملنے کی جلدی تھی، فہد نے فراز کو ساری صورتحال مدہم لہجہ میں جب موقع ملا بتا دی تھی۔

فراز چودہ سال کا تھا اور چہرے سے خاصا سمجھدار سا لڑکا لگتا تھا، یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ کیسے اس وہاں میں پھنس گیا تھا، مگر اس کی عمر تو بہرحال ناسمجھی کی ہی تھی، وہ بھی اس قید خانے میں آ گیا تھا، فہد کو نریندر نے اوپر سے نیچے تک دیکھا تھا اور او کے کا سگنل دیا تھا۔

''چلو میرے ساتھ کار میں چلو گے، وہاں سے جب تمہیں نیچے اترنے کو کہا جائے اور جدھر جانے کا کہا جائے تمہیں سیدھا وہیں جانا ہو گا۔'' نریندر نے اسے دیکھ کر حکمیہ لہجہ میں کہا تو وہ جو گھر کے واحد مکین لائبہ سے ملنے کا شدت سے تمنائی تھا، جھٹ بولا تھا۔

''جی میں سمجھتا ہوں جیسا کہا جائے گا ویسا ہی کروں گا بالکل ویسا، لائبہ میری بہن میرا انتظار کر رہی ہو گی۔'' وہ بچوں جیسی معصومیت اور جوشیلے انداز میں بولا تھا، نریندر اسے دیکھ کر مسکرایا تھا، آنکھوں میں مکاری سی لہراتی تھی، طنزیہ سی مسکان، مگر کہا کچھ نہیں تھا، اس کی پیٹھ تھپک دی تھی۔

فہد اس کے ساتھ عقبی نشست میں بیٹھ گیا تھا اور کار سڑک پہ انجانے رستوں پر رواں دواں تھی، فہد اتنے دنوں بعد سڑک پر زندگی کی ہلچل کو دیکھ رہا تھا، اسے یہ سب بہت بھلا لگ رہا تھا، اتنے دنوں سے ایک حبس زدہ کمرے میں بند گھٹن، ذرہ ماحول میں رہ کر اس کے اندر جیسے بے حد افسردگی سی گھل گئی تھی، مگر اب ٹریفک پر رواں زندگی کو دیکھ کر اسے اپنے جینے کا احساس اجاگر ہو رہا تھا، ایک پر ہجوم ایریا میں جہاں پر بازار تھے اور لوگوں کا ہجوم تھا، بھانت بھانت کے چہرے والے لوگ اپنی اپنی مصروفیات میں مشغول ہے، ایسے میں ایک جگہ اسے نریندر نے اترنے کا اشارہ کیا تھا۔

''سامنے دیکھو وہ آدمی دیکھ رہے ہو، اس آدمی کے پاس سیدھے چلے جاؤ وہ تمہیں ایک بیگ دے گا، اسے کہاں کیسے رکھنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا، تم جاؤ میں واپسی پر ادھر ہی ملوں گا۔'' فہد

نے اطمینان سے ایک جانب شرٹ اور پینٹ میں ملبوس ایک آدمی کو دیکھا تھا، جو اس طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھا، اس کے ہاتھوں میں ایک بیگ تھا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سیدھا اس کے پاس گیا تھا اور اس کے ہاتھوں سے بیگ تھاما اس سے پہلے ہی اس شخص نے اسے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اندر ایک جانب اشارہ کر کے کچھ کہا تھا کہ وہاں بیگ رکھنا ہے، ریک سا بنا ہوا تھا، اسے سمجھ آ گئی تھی تو اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔

''تم سمجھ گئے ہوناں، اگر غلطی کر دی تو گھر نہیں جا سکو گے، میں ادھر ہی کھڑا ہوں، ساری کاروائی دیکھ رہا ہوں، کوئی بھی غلطی یا کسی قسم کی گڑ بڑ نہ کرنا۔'' اس شخص نے تیز تیز لہجہ میں کہا تھا، فہد نے جلدی سے کہا تھا۔

''جی میں سمجھ گیا۔'' بیگ فہد کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا تھا، مگر قبل اس کے کہ فہد اس شخص سے آگے بڑھتا اچانک ہی اس شخص کی کمر پر کسی نے عقب میں پستول تان لی تھی۔

''خبردار بالکل بھی ہلنا مت ورنہ ابھی گولیوں سے بھون کر رکھ دیئے جاؤ گے۔'' کیپٹن ارسل نے سخت لہجہ میں کہا تھا، جبکہ اس کے قدرے خاصے پر موجود مصطفیٰ نے فہد سے وہ بیگ تھام لیا تھا، جسے فہد بالکل بھی دینے پر آمادہ نہیں دکھائی دے رہا تھا، مصطفیٰ نے اسے کہا تھا۔

''فہد اگر لائبہ سے ملنا ہے تو اس بیگ کو مجھے دے دو، اس بیگ میں بم ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی بہن کو کبھی نہ دیکھ پاؤ، کیا تم ایسا چاہتے ہو؟'' مصطفیٰ کی بات پر فہد کا رنگ اڑ گیا تھا، فق چہرہ لئے اس نے بیگ مصطفیٰ کو تھما دیا تھا۔

''ابھی اور اسی وقت اس بیگ میں موجود بم کو آف کر دو۔'' مصطفیٰ نے اس بیگ کو اس شخص کے قریب کرتے ہوئے بے حد سختی سے کہا تھا، اس شخص کی توجہ تو یہاں تھی ہی نہیں، وہ سامنے موجود کار کی جانب متوجہ تھا، مگر وہاں نریندر بھی ہتھکڑیوں میں الجھا ہوا بے چین کھڑا تھا، اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس وقت جیسا کہا جا رہا تھا، اس پر ایسا ہی عمل کرتا۔

آناً فاناً وہاں فوجی آ گئے تھے انہوں نے ان دونوں دہشت گردوں کو اریسٹ کر لیا تھا اور مصطفیٰ کو یقین تھا کہ وہاں جہاں بچے بند ہیں اس جگہ کو بھی ولی نے عامر کے ساتھ مل کر اچھے اب تک سے چھاپا مار دیا ہو گا اور اب تک وہاں بھی فوجی اپنا کام کر رہے ہوں گے۔

''آؤ فہد گھر چھوڑ دوں۔'' مصطفیٰ نے فہد کو اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا، مگر مصطفیٰ سے پہلے ان سفاک درندوں کو حوالات میں قید کیا تھا، اس کے بعد فہد کو لے کر اس کے والد کے گھر گیا تھا، لائبہ اور ریاض صاحب فہد کو زندہ سلامت دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئے تھے۔

''میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں، میرے پاس الفاظ بھی نہیں ہیں، مجھے فخر ہے کہ قوم کو ایسے جاں باز بیٹے نصیب ہوئے جن کو ابھی بھی قوم کی آن بان جان، سب سے زیادہ پیاری ہے۔'' ریاض صاحب نے مصطفیٰ کو گلے سے لگا لیا تھا۔

مصطفیٰ کے لئے یہ مشن ایک چیلنج کی طرح تھا، مشکل تھا، مگر ولی صاحب کے اس مشن میں شامل ہوتے ہی جیسے مشکل آسان ہی ہو گئی تھی۔

انہوں نے فراز نامی ایک ٹرینڈ لڑکے کو اس مشن کا بے حد خوبصورتی سے حصہ بنانے کی تجویز دی تھی، جسے سب نے سراہا تھا، دراصل یہ تو طے شدہ بات تھی کہ مخالف پارٹی کو نوعمر لڑکوں کی اشد ضرورت تھی اور اس کے لئے آئے دن اغواہ بھی

ہونے لگے تھے، اس کی ایک کڑی فہد بھی تھا، اس لئے اس مشن کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لئے مزید لڑکوں کی ضرورت تھی، اس لئے ایک منصوبہ بنایا گیا تھا کہ فراز کو مہرہ بنا کے پیش کیا جائے، فراز کا مسلسل تعاقب جاری تھا، جس کی وجہ سے مطلوبہ مقام تک رسائی بے حد آسان ہوگئی تھی، فراز کے ذریعے ان سب لڑکوں تک پہنچنا بے حد سہل ثابت ہوا تھا، مگر یہاں سے اصل مشکل تھی کہ کس طرح سے اندر کے حالات معلوم کیے جائیں، کیونکہ فراز تو نہتا خالی ہاتھ ہی گیا تھا، اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، کوئی ایسا ذریعہ جس سے سے رابطہ ممکن ہوتا، پھر ایک سخت نگرانی کے بعد ایک دن اندر کی نقل وحرکت میں واضح تبدیلی محسوس ہوئی تھی، وہی شخص جو شاید ان کا سرغنہ تھا، اس کی آمد کے بعد سب چوکس ہو گئے تھے، پھر جب فہد کو اس شخص کے ساتھ گاڑی میں دیکھا گیا تو سارا شک یقین میں تبدیل ہو گیا اور یہ بھی کہ آج کا دن کس طرح ان کے لئے ان کے مشن کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

فراز کی قربانی رائیگاں نہیں گئی تھی فہد کو جس بم بلاسٹ کے لئے لے جایا جا رہا تھا اس سے روکنے کے لئے بہت تیزی سے مصطفیٰ نے نفری کو وہاں پہنچنے کا حکم صادر کیا تھا، تعاقب کرتی کاروائی کی تعداد میں بالکل غیر محسوس طریقے سے اضافہ ہوا تھا، تو دوسری طرف ولی صاحب نے مطلوبہ مقام کو بھی خاموشی سے گھیرے میں لے لیا تھا، مگر اس مقام پر کسی قسم کی ہنگامہ آرائی سے گریز کیا گیا تھا، کیونکہ اس طرح اندر بچوں کی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا، اس کے لئے بیرونی نگاہ کی ضرورت تھی اور مصطفیٰ جیسے ہی فہد کو محفوظ کر لیتا اور نریندر کو اریسٹ کر لیتا اس کے بعد اس نے کال کے ذریعے اندر سب بچوں کو محفوظ کرتے اور چھاپہ مارنے کے احکامات صادر کر دیئے تھے اور اسی طرح دونوں طرف کامیابی سے اسی مشن کو مکمل کر لیا جانا تھا، اور ہوا بھی بالکل من وعن ایسا ہی تھا، سب بہت خوش تھے میڈیا پر مصطفیٰ کی خصوصی کاروائی کو قابل تعریف قرار دیا جا رہا تھا۔

ٹی وی پر کمرے میں بیٹھے ہوئے سریش نے اس ساری خبر کو بے حد بے دلی سے سنا تھا، اس کا موڈ بے حد خراب تھا، اس کو اس شکست کی قطعاً امید نہیں تھی، اس کے نزدیک تو شاید پاکستانی قوم جذباتی قوم تھی، اس طرح کی خوبصورتی منصوبہ بندی ممکن نہ تھی، اب اسے اپنی اس شکست پر بے انتہا وحشت ہو رہی تھی، اسے اس کے بعد اپنی ہی حکومت کے ان اعلیٰ عہدہ داروں کو جواب طلبی بھی دینا تھی، جن کے اشارے پر وہ یہاں موجود تھا اور یہاں پر دہشت گردی پھیلا رہا تھا، انتشار برپا کر رہا تھا، مگر اس طرح مصطفیٰ کی ایک چال سے اس کا سارا منصوبہ غارت گیا تھا، ابھی تک زوار بھی فائل لانے میں ناکام ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اسے وہاں تک رسائی ہی نہیں مل پا رہی ہے، جہاں سے ساری خفیہ راز کی پردہ داری کی جاتی ہے اس کے بعد اس کا بھڑکنا بے حد عام سا عمل تھا، اس کا غصہ اس وقت دیدنی تھا اور اس نے دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا تھا کہ مصطفیٰ کو اس ساری کاروائی کے لئے مزہ ضرور چکھائے گا، مصطفیٰ کی توصیفی خبروں پر شدید قسم کی تلملاہٹ ہو رہی تھی، سارے بچوں کی بازیابی کی شہ سرخیاں ان کے والدین کے جانب سے فوج کو سلام اور خراج عقیدت کے پھول پیش کیے جا رہے تھے، اس مشکل وقت میں قوم جس طرح متحد ہوگئی تھی یہ اس کے لئے اشتعال انگیز تھا۔

☆☆☆

وقار میں واضح طور پر تبدیلی آرہی تھی، جسے مونا نے وقتی طور پر وقار کا بدلاؤ سمجھا تھا، وہ اس کا وقتی ابال نہیں تھا، اس میں مزید حیران کن تبدیلی یہ آئی تھی کہ اب پہلے کی طرح شبانہ بیگم کے اکسانے پر وہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا، شبانہ بیگم تو اپنی عادت سے مجبور تھیں، مگر اب وقار واقعی عباس صاحب کے احسانوں سے جیسے دب کر رہ گیا تھا اور اسے شرم محسوس ہوتی تھی کہ وہ بدلے میں ایک لڑکی کو خوش نہیں رکھ سکا تھا، اتنے عرصے میں اس نے دیکھا تھا اور مونا کو پرکھا تھا، مونا کا رکھ رکھاؤ اور اس کا ہر بات پر صبر کا گھونٹ بھرنا قابل تحسین عمل تھا، وہ باہر نہیں جاتی تھی، حتیٰ کہ اپنے والد کے بھی گھر نہیں جاتی تھی اور اس پر ایک عرصہ تک ماں کے کہنے پر اس کے دل میں یہ بدگمانی پلتی رہی تھی کہ وہ ایک آزاد خیال لڑکی ثابت ہوگی، جو گھر کی چار دیواری میں رہنا اپنی آزادی کی موت تصور کرتی ہے، مگر وقت نے یہ بھی دکھایا کہ وہ گھر میں ہی بالکل گھریلو عورت بن کر رہ گئی تھی، وہ اس کا بے دریغ پیسہ پانی کی طرح بہاتا تھا، کس طرح کے طنز و تشنیع سے گریز نہ کرتا تھا، پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ اپنی ہی ماں کے بہکاوے میں آکر اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھانے لگ گیا، مگر اب اسے اپنی ماں کی باتوں میں بالکل بھی حقیقت محسوس نہ ہوا کرتی تھی، بلکہ اب اسے اپنی کھلی آنکھوں سے مونا کی اصل فطرت اس کا ٹھہراؤ اس کا صبر و ایثار دکھائی دینے لگا تھا اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے دل میں اپنے لئے غصہ بڑھنے لگا تھا، وہ ناسمجھ اور نادان تھا جو سونے کی قدر نہ کرسکا تھا اور اب پچھتا رہا تھا، پھر اب شبانہ بیگم بھی کیسے اپنے بیٹے کے ان تیوروں کو نہ دیکھتی سو کہاں چوکتی تھی ان کی زبان وہ حملہ کرنے سے نہ رکتی تھیں۔

''تم کھاتے ہو نا اپنے سسر کا اس لئے تم تو اب اپنی بیوی کے گن گاؤ گے ہی، مگر مجھ سے یہ امید نہ رکھنا میں تمہاری طرح اس کو نہیں اپنا سکتی۔'' اس کی ماں نے ہر موقع پر مجھ پر اپنی برتری ثابت کی ہے اور اب اس کی بیٹی آگئی ہے مجھ پہ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے، ہوگی بڑے گھرانے کی، مگر میں اس کو یہاں سیدھا کرکے رکھ دوں گی، یہ میرا گھر ہے، شبانہ کا گھر ہے، اس کی ماں کا گھر نہیں ہے۔

شبانہ بیگم بولتی رہتی تھیں مگر مونا ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی تھی، اپنے کاموں میں جتی رہتی تھی، اس کو اب شبانہ بیگم کی باتوں میں کھلا زہر برا نہیں لگتا تھا، ان کو لگتا تھا جیسے سانپ کی فطرت میں ہی ڈسنا ہوتا ہے اور اس کو اس کی فطرت ڈسنے پر مجبور کرتی ہے اور ڈسے بغیر رہ نہیں سکتا ہے، اسی طرح وہ خود کو اب مظلوم نہیں سمجھتی تھی، بلکہ اسے مظلوم تو شبانہ بیگم لگتی تھیں جن کے اندر اتنا زہر بھرا تھا جو زبان سے نکلنے کا متقاضی رہا کرتا تھا اور وہ ہر ہر بات میں اس کے عیب اور نقص نکالتی رہتی تھی، اس کے عیب گوئی میں مشغول رہتی تھی، یہی نہیں اس کی ماں کو بھی نہیں چھوڑتی تھی اور وہ بس سن کر بھی ان سنی کر جاتی تھی۔

وقار نے ایک شام اپنی ماں کی اسی طرح کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر مونا کو کمرے میں اکیلے میں دیکھ کر کندھے سے تھام لیا تھا۔

''مونا تم خفا تو ہوتی ہوگی، غصہ تو آتا ہوگا ناں؟'' وقار کا لہجے میں بے حد ندامت چھلک رہی تھی۔

''نہیں، کس بات کا غصہ، میں جانتی ہوں میری امی بہت اعلیٰ اور نفیس خاتون تھیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا تھا۔

''مگر امی کا ناروا سلوک اور امی کی بد گوئی۔''
وہ اس سے نجانے کیا پوچھنا چاہتا تھا، وہ ہنس دی تھی۔
''وقار اب میرے لئے یہی کافی ہے کہ آپ مجھے ایک بد کردار عورت نہیں سمجھتے اور جس کے ساتھ میری زندگی کا دن رات کا ساتھ لکھا ہے اس شخص کو میری قدر ہو رہی ہے، اس کے علاوہ میں نے کچھ چاہا ہی نہیں تھا۔'' مونا نے بے حد آرام سے کہہ دیا تھا۔
''مگر میں نے کب تم سے یہ سب کہا کہ میں......'' لفظ گم تھے۔
''بے شک وقار آپ نے اب تک مجھ پر تہمت لگائی، میرے کردار پہ حرف زنی کی ہے، میرے اوپر بے اعتباری کے کانٹے پھینکے ہیں، مگر اب میں نے آپ کے انداز میں واضح تبدیلی محسوس کر لی ہے، میں نے دیکھا ہے، اب آپ کی امی کی بدزبانی پر آپ کا چہرہ نادم ہوتا ہے، آپ مجھے پہلے کی طرح مارنے کے لئے لپکتے نہیں ہیں، میری طرف آپ کی اٹھتی ہوئی نگاہوں میں محبت ہوتی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر نگاہ جھکا گئی تھی۔
''مونا تم کتنی سمجھدار ہو، میرے نصیب کی خوش نصیبی ہے کہ مجھے تم ملی ہو، پلیز مونا مجھے معاف کر دو۔'' وقار کو ان تین لفظوں کو ادا کرنے میں کتنے عرصے سے تردد ہو رہا تھا، مگر آج اس کے سامنے اس کی حوصلہ افزائی ملتے ہی اس نے یہ کہہ دیا تھا، وہ جواب تک ذہن میں لفظ بنتا رہتا تھا، کیسے اس نے یہ ادا کر دیئے تھے۔
''میں تو کب کا معاف کر چکی ہوں وقار، عورت کو سمجھنا بہت مشکل امر ہے عورت کا دل بے حد وسیع ہوتا ہے، اس پر جتنی مرضی نفرت کی لکیریں کھینچ دو، اس کو اگر صرف ایک مرتبہ محبت کی آنچ دے دو، وہ ساری لکیریں خود اپنے ہاتھوں سے مٹا دیتی ہے اور یاد رکھتی ہے تو صرف ان خوبصورت لمحات میں پر فسوں یادوں کو اور میں نے بھی یہی کیا ہے وقار میں اگر اب نہ کرتی تو میرے پاس جینے کا حوصلہ ہی نہیں رہتا۔'' وہ بے حد ٹھہرے ہوئے لہجہ میں بولتی چلی گئی تھی۔
وقار نے اسے پر جوش انداز میں گلے سے لگا لیا تھا، یہ لمحہ بے حد خوبصورت تھا جب سچ میں دو دل مل گئے تھے۔

☆☆☆

لان کو بے حد خوبصورتی سے سجا دیا گیا تھا، آج مصطفیٰ اور عابی کا نکاح منعقد ہو رہا تھا اور اس تقریب میں صرف اہل خانہ اور بے حد قریبی لوگ مدعو کیے گئے تھے، ان کا خیال تھا کہ اگلے ماہ رخصتی کی تقریب کو شاندار طریقے سے منایا جائے گا، فی الفوقت اس تقریب میں بے حد قریبی لوگوں کو مدعو کیا جائے۔
عابی کن اکھیوں سے اپنے روبرو بیٹھے بے حد وجیہہ پر وقار مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی، جو شان بے نیازی سے بیٹھا ہوا تھا، ایک بے حد خوبصورت مسکان اس کے لبوں پر جیسے جامد ہو گئی تھی اور یہ محبت کی معراج تھی اور محبت نے اس کے اندر تک رنگ بھر دیئے تھے۔
یونہی چلا آیا کوئی میری دنیا میں دبے پاؤں
اے دل بتا تو سہی اب میں کدھر جاؤں
اک تیرے قرب سے چار سو اجالے پاؤں
سونا سونا رہے دل کا نگر گر تجھے نہ پاؤں
''بہت ہی دلکش لگ رہی ہو آج۔'' وہ اچانک اس کے کان کے پاس سرگوشی کرتے ہوئے بولا تھا، وہ ٹھٹک سی گئی تھی، دل ایک الگ ہی تال پر دھڑکنے لگ گیا تھا، دل میں محبت اپنے راگ الاپنے لگی تھی، وہ سر جھکا کر شرما سی گئی تھی۔
''اچھا اب تم بتاؤ میں کیسا لگ رہا ہوں۔''

اس نے اس کے کانوں کے پاس سرگوشی کی تھی۔

''بہت برے۔'' اس نے دو بدو کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا، جس کی وجہ سے قریب بیٹھی کنول چونک گئی تھی۔

''اچھا جی میری بھابھی کو ابھی سے تنگ کیا جا رہا ہے، یہ میں ہونے نہیں دوں گی۔'' کنول نے اس وقت عابی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ کیا شعر ہے کنول مجھے آج اچانک سے یاد آنے لگا ہے۔'' مصطفیٰ کے لہجہ میں شرارت ٹپک رہی تھی۔

''اچھا کون سا شعر؟'' اب کنول نے بھی ذومعنی نگاہوں سے اپنے ساتھ بیٹھی عابی کو دیکھا تھا، جس کا چہرہ شرم سے گلنار ہو رہا تھا۔

تیری خوشبو نہیں ملتی تیرا لہجہ نہیں ملتا
کہیں تو شہر میں کوئی تیرے جیسا نہیں ملتا
زمانے کو قرینے سے وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے
مگر میرے لئے اس کو کوئی لمحہ نہیں ملتا

اس نے اپنے عقب میں بیٹھی ہوئی عابی کی جانب جھک کر کہا تھا، وہ سر مزید جھکا کر رہ گئی تھی۔

''اچھا جی مگر آپ کو تو مل گئی ہیں بھابھی۔'' کنول ہنس دی تھی۔

منگنی اور نکاح ساتھ ساتھ تھے اور اس کی انگلی میں پہلے انگوٹھی پہنائی گئی تھی، اس کے بعد نکاح کی تقریب اپنے خوشگوار انجام کو پہنچی تھی، کھانا پرتکلف انداز میں سب کے لئے تیار تھا، سب نکاح کے بعد مبارک باد دینے کے بعد کھانا کھانے میں لگ گئے تھے۔

''بھیا آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے حیرت سے دیکھا تھا، جب اس نے مصطفیٰ کو ایک جانب پلیٹ میں کھانا سجاتے دیکھا تھا۔

''اسے بھوک لگی ہو گی ناں۔'' اس نے سادگی سے کہا تو سلمٰی بیگم ہی نہیں چچی جان بھی ہنس دی تھیں، جو قریب ہی تھیں۔

''دیکھو تو کیسا باؤلا ہو رہا ہے پگلا نہ ہو تو۔'' بی جان ہنس دی تھیں اور خوش بھی تھیں کہ ان کو ایسا داماد ملا تھا جو اب ان کی پوتی کو اتنا چاہتا تھا اور مطمئن تو وہ یہاں وقار اور مونا کو دیکھ کر بھی ہو رہی تھیں اور کچھ کچھ اس کایا پلٹ پر حیران بھی تھیں، کیونکہ وقار جب اسے لے آیا تھا مونا کے گرد کے ہی منڈلا رہا تھا اور مونا بھی اس کے ساتھ کھل کر بات چیت کر رہی تھی، شبانہ بیگم کے لئے یہ انکشاف بے حد تکلیف دہ تھا کہ وقار اور مونا اتنی جلدی ایک دوسرے کے دلی طور پر اس قدر قریب آ گئے تھے ان کا ایک ساتھ انتہائی محبت سے رہنا ان کو اندر ہی اندر کھا رہا تھا اور غصہ بھی انتہاؤں پر تھا، جبکہ اب عابی کے لئے مصطفیٰ کی شدت بھی دیکھ کر بی جان بے حد مطمئن سی تھیں، پھر مصطفیٰ اسٹیج پر عابی کے لئے کھانا لے کر گیا تھا۔

''لو جی مستقبل کی بیگم صاحبہ کھا لو۔'' اس نے بے حد ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''ارے مجھے بھوک نہیں ہے سب کے جانے کے بعد کھا لوں گی۔'' اس نے صاف انکار کر دیا تھا، مگر وہ بھی بضد رہا تھا۔

''کہو تو اپنے ہاتھوں سے کھلا دوں؟'' اس کا انداز واقعی ایسا تھا کہ اگر اس نے انکار جاری رکھا تو وہ واقعی اپنے ہاتھوں سے کھلانا شروع ہو جائے گا، ایسے میں مونا اپنی بہن کو دور سے ہی پریشان دیکھ کر آ گئی تھی۔

''ارے چھوڑیں رہنے دیں، آؤ عابی کمرے میں آ جاؤ، آرام سے وہاں کھا لو، یوں بھی مہمان جا رہے ہیں سب۔''

مونا نے آج رات ادھر ہی رہنا تھا اور اس لئے بھی کہ اب وقار نے اسے دل سے اجازت

دی تھی وقار کی تو خواہش تھی کہ وہ بھی یہاں ہی رہے مگر اس نے اصرار کیا تھا کہ یوں گھر میں شبانہ بیگم اکیلی ہو جائیں گی، اس لئے ان کو اکیلا نہ چھوڑے، ان کے ساتھ ہی گھر چلا جائے، اس لئے سب چلے گئے تھے اور وقار بھی شبانہ بیگم کے ساتھ گھر چلا گیا تھا اور پھر مصطفیٰ اور ولی صاحب اور سلمٰی بیگم بھی واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''اچھا چلتے ہیں، مگر یاد رکھیں کہ اب یہ آپ کی امانت نہیں ہماری ہے۔'' سلمٰی بیگم نے کہا تھا۔

بی جان نے آگے بڑھ کر سلمٰی بیگم کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی کو اتنی اچھی سسرال ملی ہے قدر دان لوگ مل رہے ہیں۔'' بی جان نے بھی کھلے دل سے کہا تھا۔

مونا عابی کو بار بار چھیڑ رہی تھی، آج کتنے دنوں بعد مونا عابی کے ساتھ اس کمرے میں تھی، ورنہ اب تو اسے تنہائیوں کی عادت سی ہو چلی تھی، اکیلا سونا پڑتا تھا کیونکہ بی جان تو بار بار جاگتی تھیں اس لئے نیند میں خلل پڑتا تھا۔

وہ سونے کے لئے لیٹی تھی جب اس کے فون پر مصطفیٰ کا لنگ دیکھ کر اس کا دل ایک الگ ہی لے پر دھڑک اٹھا تھا۔

''سنو کھانا کھا لیا کیا؟'' مصطفیٰ نے محبت سے پوچھا تھا۔

''جی آپ کو میرے کھانے کی اتنی فکر کیوں ہے؟'' وہ بظاہر منہ بنا کر بولی تھی، جبکہ دل تو اندر بلیوں اچھل رہا تھا، اس کا جیون ساتھی اس کے لئے اتنا فکر مند تھا، آج سے اس کا نام ہی نہیں اس کا دل بھی مصطفیٰ کے ساتھ جڑ گیا تھا۔

سنو!

معصوم سی بھولی بھالی سی
انجان سی لگتی ہو
تم لڑکی اک شرمیلی سی
نادان سی لگتی ہو
کچھ کھوئی سی گم صم
ناراض سی لگتی ہو
آنکھوں میں سنہرے خواب لئے
ہونٹوں پر دبی مسکان لئے
اس دنیا سے تم ہٹ کر
نرالی سارے جگ سے ہو
جو سچ پوچھو تم مجھ کو
میری جان سی لگتی ہو

محبت نے اس سے پہلے کبھی یوں اپنا آپ آشکار کیا نہیں تھا، آج اس نے محسوس کیا تھا کہ مصطفیٰ دل کھول کر اس سے اظہار محبت کر رہا تھا، اس سے اپنی التفات کا اظہار کر رہا تھا۔

''کیا آپ واقعی مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں میں کس قدر خوش نصیب ہوں مجھے محبت کرنے والی ہستی آپ ہیں۔'' اس نے بے حد فخر سے کہا تھا۔

''ہاں عابی میں نے جس روز تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس دن ہی میں نے اپنے دل میں محبت کی ایک کونپل کھلتی محسوس کی تھی، پھر میں نے رفتہ رفتہ تمہیں جانا تو احساس ہوا کہ تم اندر سے بھی اس قدر خوبصورت ہو جتنا بظاہر تم لگتی ہو۔'' مصطفیٰ نے دل کی بات بیان کی تھی۔

''جانتے ہیں مصطفیٰ میں بھی یہ سوچ کر خوش ہوں کہ میرے نصیب میں ایک ایسا انسان درج ہے جس کا نام ہی نہیں اس کے اندر بھی اتنی ہی سادگی معصومیت اور خوبصورتی ہے، جذبوں سے گندھا احساس لئے سب کے لئے فکر مند رہنے والا شخص میرا نصیب بن گیا ہے مصطفیٰ بس مجھے

آپ کو کھونے سے ڈر لگتا ہے، ڈر لگتا ہے کہیں میں آپ کو کھو نہ دوں، آپ کے اس طرح کے معرکوں میں بننے والے دشمن بھی تو تعداد میں بہت ہوں گے۔" آج عابی نے بھی فون پر اس سے اپنے خدشات بیان کیے تھے۔

"دیکھو عابی ہزار دشمن بھی ایک دوست کے آگے ہیچ ہیں، وہیں ایک خالص دوست سب پر بھاری ہے، جانتی ہو وہ دوست کون ہے، وہ ہے اللہ پاک، میں جس راستے پر شفافیت سے چل رہا ہوں وہ میرے رب کا عطا کردہ سیدھا راستہ ہے اس لئے تم بھی یہ فضول خیال دل سے نکال دو۔"

پھر وہ دونوں بہت دیر تک بات کرتے رہے، لگتا ہی نہیں تھا کہ کبھی وہ ایک دوسرے کے لئے نا آشنا بھی رہے ہیں، جبکہ مونا نے باتوں کا جو اپنے دل میں عہد باندھا تھا وہیں رہ گیا تھا، کیونکہ مونا تو سوچتی تھی اور اگلی صبح وہ ساری باتیں بتاتی مگر دوپہر کو ہی فون آ گیا تھا کہ شبانہ بیگم سیڑھیوں سے گر گئی ہیں شاید چوٹیں لگنے کی وجہ سے ہاسپٹل میں تھیں، مونا فوراً ہاسپٹل پہنچی تھی۔

☆☆☆

نہ دیکھ یوں مجھے
ڈر ہے کہیں تیری آنکھوں کا
نمکین پانی
میرے دل کے ساحل پہ
نہ اتر جائے
میں نے جو سنبھالا ہے
ریزہ ریزہ وجود اپنا
کہیں بکھر نہ جائے کہیں
ریت کی صورت میں
میں ہوں سمندر گر تو
تو ہے ساحل میرا
میں ہوں گر زخم، زخم تو
تو ہے مرہم میرا
اے ہمدم
اے میرے ہم راز
بھول جاؤں تجھے یہ ممکن نہیں رہا
تو جو ملا ہے اب تو
زندگی نے اک نیا باب کھولا ہے
جس کے حرف حرف میں ہے
میرے لئے نئی آس
اور مجھے بھی تو ہے منزلوں کی پیاس
پر میرا یقین رکھنا
اپنے خیالوں میں
خوابوں میں رکھنا
یا اپنے دل میں بھی رکھ لینا کہیں
کہ تو تو اب خوشبو بن کر
میری زیست میں بکھر چکے ہو

وقار اپنی ماں کو دیکھ کر پریشان تھا، مگر اس وقت مونا کی آمد سے جیسے اسے از سر نو حوصلہ ملا تھا، بی جان بھی یہاں موجود تھیں۔

"بیٹا یہ سب کیسے ہوا؟" وہ حیران پریشان تھی۔

"جی واقعی کل تک تو سب کچھ ٹھیک تھا، وہ کھانا کھا کر دوپہر کو اوپر کا جائزہ لینے گئی تھیں واپسی پر نجانے کیسے سیڑھیوں سے چکرا کر گر گئی تھیں، خاصی چوٹیں آ گئی ہیں، خون بھی بہت ضائع ہو گیا ہے، میں تو آفس میں تھا جب ملازمہ نے مجھے اطلاع دی، ماں کو بہت دیر سے طبی امداد ملی ہے۔" اس کا لہجہ ٹوٹا بکھرا ہوا سا تھا، مونا اس کے کرب کو محسوس کر سکتی تھی، اپنے ماں کو کھو دینے کا دکھ اسے معلوم تھا۔

اس نے شبانہ بیگم کے ہوش میں آنے سے گھر تک منتقل ہونے تک ان کی ہر طرح کی خدمت کی تھی، اس نے بھولا دیا تھا کہ ان کے

لفظوں کے تیر ماضی میں اس کے دل میں چھید کرتے رہے ہیں، اس وقت وہ مکمل طور پر اس کے سامنے بے بس تھیں ایک پاؤں کی ہڈی اور دوسرے بائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی، وہ مکمل طور پر بستر پر آ چکی تھیں۔

شبانہ بیگم بسا اوقات نفرت انگیز انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیتی تھیں، اس کے ہاتھ سے کھانا کھانے سے انکار کر دیتی تھیں اس سے اب تک نفرت کا وہ ساتھ نبھا رہی تھیں، اس کے لئے دل میں نفرت، کینہ، کدورت اور کینہ تھا، مگر نجانے کیوں وہ خود کو پھر بھی مونا کے سامنے بے بس محسوس کرتی تھیں، ان کی مسلسل نفرت نے بھی مونا کے رویے میں نرمی کو گرمی میں نہیں بدلا تھا، اب شبانہ بیگم بھی جھکنے سی لگی تھیں، بس اب چپ چاپ جیسے جیسے مونا کہتی تھی اس کے سامنے خود کو پیش کر دیتی تھیں، اس کے سامنے اب بحث و تکرار یا اس کے سامنے نفرت کا اظہار کرنا ترک کر دیتی تھیں۔

''کیا بات ہے چچی جان آپ اب مجھے برا بھلا نہیں کہتی ہیں، میں پریشان ہوں آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، میں نے پوری کوشش کی ہے کہ آپ پہلے جیسی ہو جائیں، کل پرسوں تک ڈاکٹر آپ کی فل بینڈیج کھول دے گا، آپ پہلے کی طرح چلنے پھرنے لگیں گی، آپ بالکل فکر مند نہ ہوں۔'' مونا ان کے سامنے بیٹھی ان کو تشفی اور تسلی کروا رہی تھی اور وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں، وہ نفرت سے اس کا دل تار تار کرتی رہی تھیں، مگر وہ آج بھی ان کے لئے فکر مند تھی کہ کہیں ان کی چپ کی وجہ ان کے اندر کی توڑ پھوڑ تو نہیں ہے، ان کی ماں بھی تو ایسی ہی تھی، اس کی ایسی خاصیت پر تو پی جان اور سب حتی کہ ان کے اپنے شوہر ان کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

وہ آج بھی اس نفرت میں سلگ رہی تھیں، مگر یہ نفرت تو کبھی بھی دو طرفہ نہیں رہی تھی، وہ آج بھی ان سے ہار گئی تھی کیونکہ ان کی بیٹی آج ان کے سامنے ان کا عکس ان کا پرتو بن کر کھڑی تھی، ان کو بے بسی کی انتہاؤں میں بھی اکیلا نہیں کیا تھا اور ایثار کی حد تک وہ ماں جیسی تھی۔

مونا کے سامنے وہ خود کو بے حد نیچا اور گرا ہوا پا رہی تھیں، انہوں نے تو اس رشتے کو بدلنے کے لئے ہی چنا تھا مگر نجانے کیسے وہ اس بار بھی ہار گئی تھیں، مگر اس ہار میں بھی اس مرتبہ ان کو دکھ نہیں بے عزتی نہیں، سکون سا محسوس ہو رہا تھا، جب دل سے نفرت کی میل کچیل دھل جائے تو پھر محبت اپنا بسیرا کر لیتی ہے، اب انہیں بھی بہت دنوں سے مونا سے نفرت نہیں اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی اور آج مونا کے ان لفظوں نے اس کے احساس نے ان کا دل جیت لیا تھا، وہ گلے لگ گئی تھیں۔

''بیٹی مجھے معاف کر دو، میں نفرت میں اتنی اندھی ہو گئی تھی کہ اپنے ہی بیٹے کا گھر خراب کرنے پر تل گئی تھی۔'' وہ رو دی تھیں۔

''ارے مجھے شرمندہ نہ کریں، آپ میری ماں جیسی ہیں، اگر کبھی کچھ کہہ بھی دیا تو میں کیا اب اس کو دل میں رکھتی میں بھول گئی ہوں پھر آپ میرے وقار کی امی ہیں، میرے لئے یہ سب سے اہم تر ہے۔'' عقب سے سنتا ہوا وقار ان لفظوں کے سحر میں جیسے گرفتار ہو کر رہ گیا تھا بے شک سامنے کا منظر بے حد حسین تھا اس وقت وہ دونوں آپس میں گلے لگ کر ایک دوسرے کے لئے ساری باتیں بھلا چکی تھیں، مگر وقار کو اس لئے زیادہ اچھا لگ رہا تھا کہ مونا نے اس کے لئے کہا تھا ''میرے وقار'' کتنا ہی دلفریب اور خوش کن

احساس تھا جس میں وہ گھر چکا تھا۔
آج یہ گھر مکمل طور پر خوبصورت بن گیا تھا، خوشبوؤں کو بانٹنے والے آسودگی کا سامان کرنے والے، دوسروں کا احساس کرنے والے ایک دن ضرور اپنی ان نیک نیتوں کا پھل پا لیتے ہیں جیسے آج مونا نے پالیا تھا، اس کا چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔

☆☆☆

سریش اس وقت ولی کے وسیع و عریض ڈائننگ روم میں موجود تھا، اس نے کبھی بھی چھپ کر وار کرنا نہیں سیکھا تھا، ہاں شاطرانہ چالوں میں اس کو مہارت حاصل تھی، اس وقت وہ یہاں آیا تھا مگر اپنی اصل شناخت کے ساتھ نہیں آیا تھا اس کا ارادہ تھا کہ یہاں آ کر اہل خانہ کو ملے اور پھر فون پر مصطفیٰ کو احساس دلا دے گا کہ وہ اس گھر کے مکینوں کے کس قدر نزدیک ہے اور وہ ان کو کس وقت بھی کچل سکتا ہے ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے، نریندر سے تو اس کو اب کوئی خطرہ لاحق نہ تھا نریندر نے پولیس تھانے کی حدود میں داخل ہونے تک ہی کیپسول کھا کر اپنی جان لے لی تھی، ان کافروں کے لئے مذہب کیا تھا، کیا خودکشی کے معنی معلوم تھے، انہیں صرف اپنے ایک مشن کو پھیلانا تھا امن آشتی اور پیار کی جگہ نفرت، بے سکونی اور انتشار پھیلانا تھا، کنول نے ان سے پوچھا تھا۔
''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟''
''میں مصطفیٰ کے حوالے سے ان کے والد صاحب سے ملنا چاہ رہا تھا۔'' اس نے کنول کو بغور دیکھا تھا، اس نے سن رکھا تھا کہ مصطفیٰ کی ایک بہن بھی ہے، مگر اس نے دیکھا آج ہی تھا، کنول نے سریش کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا۔
''جی بیٹھیں بابا آ رہے ہیں۔'' وہ کہہ کر غائب ہو گئی تھی۔
تبھی ولی حیات صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے، اس وقت خود سریش کمرے میں موجود تصاویر کو بغور دیکھ رہا تھا۔
''السلام علیکم!'' ولی صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا، سامنے سے سریش نے چہرہ سیدھا کر کے ولی صاحب کا ہاتھ تھام لیا تھا، کتنی ہی بجلیاں اس وقت ولی کے اعصاب پر گری تھیں، یہ چہرہ وہ کبھی بھلا نہ سکے تھے، اس چہرے کو وہ اتنے برسوں کے بعد بھی پہچان گئے تھے، آنکھ سے اوپر وہی زخم کا نشان مزید شناخت میں معاون و مددگار ثابت ہوا تھا، اس کو یہاں دیکھ کر ان کو لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے جسم میں چیونٹیاں سی چلتی محسوس کر رہے ہوں، ان کی ماں کی بے نور آنکھیں ان کی بہن کی خون میں لتھڑی ہتھیلیاں ان کے بابا کا وہ آخری پرسکون دیدار آہ کتنے پیارے کھو دیئے اس نے اور جس نے یہ سب چھین لئے تھے سامنے روبرو تھا، ان کی ایک لغزش سے سریش چوکنا ہو سکتا تھا، جو اس وقت قدرے پرسکون انداز میں کہہ رہا تھا۔
''میں عارف ہوں، میں نے مصطفیٰ بیٹے سے ملاقات کا سوچا تھا، مگر معلوم ہوا کہ اس وقت وہ گھر پر نہیں ہے تو سوچا ان کے والد سے مل لیا جائے۔'' سریش کے چہرے پر پھیلی استہزائیہ مسکان نے ان کو باور کروا دیا تھا کہ وہ کوئی گہری سازش کے تحت اس گھر تک آ گیا تھا۔
''کیسے آنا ہوا؟ کیا کرتے ہیں آپ؟'' ولی صاحب نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، ان کے لہجہ میں لرزش موجود نہیں تھی، جبکہ اندر ان کے بے حد اتھل پتھل ہو رہی تھی، ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا، کیا اس شخص سے اس وقت بھی کوئی خطرہ ہو سکتا تھا، کیسا یہ ان سب کو مارنے آیا تھا

اور یہ یہاں پاکستان میں کیا بھی ہے وہ سب دہشت گردی کی وارداتوں میں، بے انتہا سوالات ان کے دماغ میں آندھیاں چلا رہے تھے۔

"جی ایک معمولی سا کاروباری ہوں کسی ایک معاملے میں آپ کے بیٹے نے مجھے مالی مدد دی تھی۔" سریش نے بے حد آرام سے جھوٹ بول دیا تھا، ولی حیات کا خون کھول اٹھا تھا، مگر اپنے اعصاب کو قابو میں رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"اب آئے ہیں تو خالی کچھ کھائے پیئے بنا تو جانے نہیں دوں گا، رکیں میں خانساماں کو چائے کا کہہ دوں۔" ولی صاحب کو اچانک اٹھتے دیکھ کر اس نے کچھ کہنا چاہا تھا، مگر وہ بہت عجلت میں کمرے سے نکل گئے تھے۔

پانچ منٹ بعد ہی خانساماں ان کے لئے چائے لے آیا تھا، ساتھ پر تکلف اشیاء ولوازمات تھے۔

"سنو تم جاؤ، چائے میں بنالیتا ہوں۔" ولی صاحب نے دھیمی مسکان سے کہا تھا اور پھر انہوں نے اٹھ کر پیالی میں چائے ڈالی تھی اور ایسا کرتے وقت انہوں نے سریش کی طرف سے رخ موڑ لیا تھا اس کے بعد پیالی بنا کر ولی نے سریش کو تھما دی تھی۔

"ویسے مصطفیٰ ہے کافی ہوشیار لڑکا۔" اس وقت سریش نے چائے کی پہلی چسکی لی تھی، اضطراب کا اس وقت ولی کے چہرے پر ثبت تھا۔

"جی کرم ہے اللہ پاک کا۔" وہ سادگی سے بولے تھے۔

"ہونہہ۔" سریش خاموشی سے چائے پینے لگ گیا تھا، چائے پیتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا میں چلتا ہوں لگتا ہے مصطفیٰ سے ملاقات اس وقت ممکن نہیں کل کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔" اس وقت سریش نے کہہ کر مڑا ہی تھا کہ اس کا سر چکرا کر رہ گیا تھا اور پھر لڑکھڑا کر گرتا چلا گیا تھا، اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔

☆☆☆

جب سریش کو ہوش آیا تو وہ ایک بہت ہی ملگجے سے اندھیرے میں ایک کرسی پر بندھا ہوا تھا، اس کی چلی ہوئی چال کس طرح اس پر ہی الٹی پڑ گئی تھی، وہ سمجھ نہیں پایا تھا، اس وقت اس کا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

اس کے سامنے مصطفیٰ ہی نہیں عقب میں کچھ اور فوجی بھی کھڑے تھے، جو بے حد مستعد تھے اور ان کی چوکس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تو تم ہو وہ شخص جس نے ہماری پاک زمین کو میلا کرنے کی ہمت کی ہے، اب اس حکمت کا شاخسانہ تو بھرنا ہی ہوگا، تمہیں مرنا تو ہوگا مگر پہلے سارے اعتراف کرنے ہوں گے اپنے وطن کی مکروہ چالوں کا اعتراف۔"، مصطفیٰ کا لہجہ غضبناک تھا، اس کے عقب میں کھڑے جوان بھی اس وقت بے حد نفرت سے سریش کو دیکھ رہے تھے۔

"تم...... تم قابل نفرین ہو سریش تم نے کیسے جانا کہ تم میرے گھر میں آؤ گے اور آرام سے چل نکلو گے۔" مصطفیٰ نے بے حد نفرت سے کہا تو سریش بری طرح سے چونک گیا تھا، یہ راز اسے کیسے معلوم ہوا کہ وہ سریش ہی ہے۔

"تم کیسے جانتے ہو میرا نام؟" اس وقت سریش کا وجود پہلی مرتبہ اندر سے کانپا تھا، وہ جو سفاکیت لئے دوسروں کو مارتا چلا آیا تھا اس وقت اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، اپنی حالت پر اس نے نگاہ ڈالی تھی، وہ بالکل بے بس تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو، میرا نام عارف ہے

میں کسی سریش کو نہیں جانتا۔" وہ اب اپنے اعصاب پر قابو پا چکا تھا۔

"اچھا تو تم نہیں جانتے۔" اچانک ہی ولی اس کے سامنے آ گیا تھا اور اس کے سر کے بال پوری شدت سے نوچ چکے تھے۔

"ہم کو نہیں جانتا تھا، تم جیسے مکروہ انسان کو میں نہیں پہچانتا، جس کے ہاتھوں بے گناہ معصوم کشمیریوں نے اپنی جانیں گنوا دی، کتنے گھر اجڑ گئے، تم درندے ہو سریش۔" سریش نے ولی کو بغور دیکھا تھا اسے اس کا چہرہ بالکل بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے پہچانو سریش، میں ہوں اس عظیم شہید کا بیٹا، جس کی ماں کو تم نے شہید کر دیا تھا، جس کی بہان کی آبرو ریزی کرتے تمہیں ذرا خوف محسوس نہیں ہوا، تم درحقیقت ایک بے حد گرے ہوئے انسان ہو سریش یاد کرو، یاد کرو وہ عالیان جس کے خون سے تم نے اپنے ہاتھ تر کیے تھے، اب ان سب کے خون کا حساب دو سریش۔" سریش کو لگ رہا تھا جیسے کئی حکم تیزی سے ریوائنڈ کے بٹن پر دب گئی ہو، ہاجرہ بیگم کی آہ و بکا، گریہ زاری اس کے ساتھیوں کا ظلم پر ظلم اس کے بعد عالیان کو بیچ چوراہے میں قتل کرنا ایسے سب یاد آ رہا تھا، مگر نہیں یاد آ رہا تھا تو یہ انسان جو اس کو پہچاننے کا دعویدار تھا اور ایک لمحہ صرف ایک لمحہ لگا تھا جب سرکشی دکھائی دی تھی جو برسوں پہلے انہوں نے دیکھی تھی یہ آنکھیں وہ بھلا نہیں سکتا تھا یہ آنکھیں تو اس نوعمر لڑکے کی نگاہیں تھیں، اب تک اس نے جس جس کو مارنے کا قصد کیا تھا، اس کو موت کے گھاٹ اتارا تھا، مگر ایک لڑکا جو حیات صاحب کا وارث تھا، لاپتہ ہو گیا تھا، گم ہو گیا تھا، وہ اس وقت مجبور تھا، مگر آج اپنی پوری آن بان شان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

شگفتہ شگفتہ ــــ رواں دواں

ابن انشاء

اچھی کتابیں

پڑھنے کی عادت ڈالیں

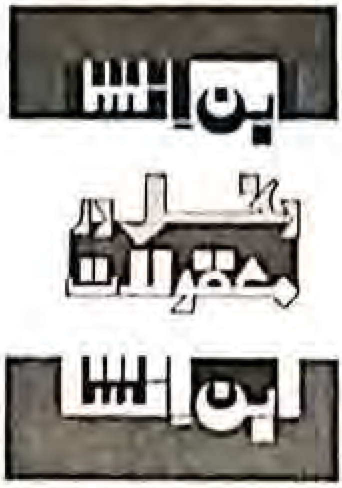

ابن انشاء کی تازہ تصنیف

دخل در معقولات

شائع ہو گئی ہے

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاهور اکیڈمی

چوک اردو بازار لاہور

042-3731797, 37321690

''ولی تم۔'' اس وقت سریش کے لہجہ میں پہلی مرتبہ ارتعاش تھا۔

''ہاں میں ہوں ولی حیات۔'' ولی نے فخر سے کہا تھا۔

''تم نے کیا سمجھا تم یہاں بھی اپنی سفاکیت پھیلانے آ جاؤ گے، یہ پاک زمین ہے یہاں پاک فوج کے سپاہی تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے۔'' مصطفیٰ نے اسے دو ٹوک ہاتھ لہرا کر کہا تھا۔

اس کے بعد یہ کیس حکام بالا تک پہنچا دیا گیا تھا کہ قانون اپنے ہاتھوں میں لینے کا عمل وہ نہیں کر سکتے تھے، کل بھی انہوں نے سریش کی گردن پر لاکھوں انسانوں کا قتل عام لکھا تھا، اسے روز محشر کے لئے روک دیا تھا کہ انصاف تو رب ہی دے گا جو سچا منصف ہے۔

☆☆☆

مصطفیٰ کو اس کی اعلیٰ کارکردگی اور وطن کے دشمن عناصر کو پکڑنے اور ان کا سر کچلنے کی وجہ سے انعام واکرام سے نوازا گیا تھا اور میڈل دیا گیا تھا، ولی حیات اس تقریب میں موجود تھے، ان کا سر فخر سے اونچا تھا، سریش کا کیس چل رہا تھا اور اس سے تفتیش جاری تھی، بھارت سے سریش کی رہائی کے لئے آئے روز تقاضے ہو رہے تھے، آپسی مفاہمت کی راہیں استوار کرنے کا کہا جا رہا تھا، مگر پاک فوج اس معاملے میں مفاہمت کے لئے تیار نہ تھی، تفتیش کے دوران میں زوار شاہ کا نام بھی سامنے آیا تھا، زوار شاہ کو ہتھکڑیاں لگا کر پکڑ لیا گیا تھا۔

بہت زیادہ باز پرس کے بعد بھی زوار شاہ کوئی اہم بات بتانے سے قاصر تھا، سوائے اس کے کہ وہ سریش سے ایک اہم فائل کے لئے مجبور کرتا تھا اور اس کی گاڑی کا غلط استعمال کرتا تھا، زوار شاہ کے بہرحال ایک غلط جرم پر پردہ پوشی کی تھی، ایک وطن کے دشمن کو پناہ دی تھی اور خود بھی غدار وطن ٹھہرا تھا، مگر اس کی سزا اس کے علاوہ یہ بھی تھی کہ اس نے لبوں پر قفل لگائے رکھا تھا۔

پلوشہ اور آفتاب صاحب نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اس کو بازیاب کروالیا جائے اور ضمانت پر رہا کروالیا جائے مگر یہ ممکن نہ رہا تھا، کیونکہ یہ اب وطن کی حفاظت کا معاملہ تھا، عدالتی معاملہ تھا، ہاں البتہ زوار شاہ کو اپنے سارے گناہوں کے اعتراف کے بعد اتنی مہلت ملی تھی کہ اسے سزائے موت کی بجائے عمر قید کی خبر ملی تھی، پلوشہ ٹوٹ کر رہ گئی تھی، جبکہ سریش کو پھانسی دے دی گئی تھی، اس کے ساتھ ساتھ اس کے باقی ماندہ کارندے بھی دھر لئے گئے تھے، مصطفیٰ کی کامیابی پر ولی حیات کا دل خوش تھا اور اپنے بابا کے بعد اہل خانہ کے قاتل کو موت کے گھاٹ اترتا دیکھ کر وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

اگرچہ آج بھی کشمیر کی سرزمین پر اس طرح کے درندے موجود تھے جو اپنے ظلم روا رکھے تھے، مگر حق کے لئے ڈٹ جانا اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دینے والے حیات عالم آج بھی اس طرح صف باندھے ایمان لئے کھڑے تھے، مگر ان کو ابدی زندگی مل گئی تھی کہ شہید کبھی مرتا نہیں ہے۔

☆☆☆

سونی آنکھوں میں تم خمار رکھنا
مہکا کر زلفوں کو سنوار رکھنا
برسات کی بھیگی اک رات میں
دلہن کا سولہ سنگھار رکھنا
شام کو تھکن سے جب چور پہنچوں
پھیلا کر بانہوں کا ہار رکھنا

میں دریا کنارے رہ جاؤں نہ پیاسا
وصل میں کوئی نہ عار رکھنا
ہر موسم ہو پیار کا موسم
خزاں میں بھی بہار رکھنا

مصطفیٰ جیسے ہی گھر کی دہلیز پار کر کے اترا تھا، سامنے ہی نک سیک سے تیار کھڑی ہوئی عابی اسے مخمور نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، مصطفیٰ اور عابی کی شادی کے بعد کی زندگی بے حد شاندار گزر رہی تھی۔

''واہ بیگم صاحبہ صدقے تمہارے اس انداز دلربائی پر۔'' مصطفیٰ نے اس کو سجا سنورا دیکھ کر تعریفی انداز میں سراہا تھا۔

''اچھا زیادہ باتیں نہ بنائیں اندر چلیں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں، تمہیں معلوم ہے ناں آج کنول کے سسرال والے تاریخ لینے آئے بیٹھے ہیں اس لئے تیار ہوئی ہوں، خوش فہم نہ ہوں۔'' وہ اسے چڑانے والے انداز میں بولی تھی۔

''اجی ہم تو کب سے آپ کی محبت میں پور پور ڈوبے آپ کے ہو چکے ہیں، ایک آپ ہیں کہ ابھی تک دل پر نقب زنی لگائے زخم دیتی رہتی ہیں، بالکل غیروں کی طرح۔'' وہ اس کے ماتھے پر آئی ہوئی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے محبت سے بولا تھا۔

''بس کریں یہ فلمی ڈائیلاگ، فوجی ہیں تو فوجی بن کر رہیں۔ وہ اٹھلائی تھی۔

''اچھا جی تو کیا فوجی انسان نہیں ہوتے ان کے سینے میں دل نہیں ہوتے اور اگر ان کی بیگم ہی اتنی حسین ہوں تمام اداؤں سے لیس تو قصوروار تو بیگم ہوئی ہیں ناں۔'' ابھی اس کا مزید گل فشانی کا ارادہ تھا، مگر اس سے قبل ہی وہ بول اٹھی تھی۔

''جانتی ہوں آپ کو بھی آپ کی باتوں کو بھی، میں نے ہار مان لی۔'' اس نے سر تسلیم خم کیا تھا، وہ اس کا ناک چھو کر ہنس دیا تھا۔

''یہ ہار بھی ہماری جیت بن جاتی ہے۔''

زندگی بہت سے رنگوں سے سج سنور گئی تھی، اس میں محبت کا رنگ سب رنگوں سے زیادہ گہرا اور پکا تھا۔

کنول کا رشتہ طے ہو گیا تھا اور ولی صاحب کا یہ آخری فرض بھی ادا ہو رہا تھا۔

سب اپنے اپنے گھروں میں خوش باش تھے، مونا کو وقار اور شبانہ بیگم نے خوشی سے قبول کر لیا تھا پھر ننھے عارش کی پیدائش کے بعد تو جیسے مونا خود بھی مکمل ہو گئی تھی اور اب عابی اور مصطفیٰ بھی خوش حال زندگی بسر کر رہے تھے۔

خوشیاں ہر سو رقصاں تھیں اب وہ دن بھی دور نہیں تھا جب مقبوضہ کشمیر پر آزادی کا سورج طلوع ہوگا۔

☆☆☆

''شادی مبارک''

ہم سب کی پیاری اور ہر دلعزیز مصنفہ بشریٰ سیال انتیس نومبر کو بابل کا انگنا چھوڑ کر پیا کے گھر چلیں گئیں، خوشی کے اس موقع پر ادارہ حنا کی طرف سے بشریٰ سیال کو دلی مبارک باد، دعا گو ہیں اللہ کریم ان کے دامن کو بے شمار خوشیوں سے بھر دے اور وہ سدا اپنے گھر میں خوش و خرم رہیں آمین ثم آمین۔

خواب زیست

سمارا انعم بھٹی

وہ شمع تھی۔

''اور میں ساری زندگی اس کے گرد کسی پروانے کی مانند منڈلاتا رہا، منڈلاتا رہا اور بالآخر نڈھال ہو کر ڈھے گیا، راکھ ہو گیا، خاک ہو گیا وقعت بس اتنی ہی تھی۔''

''مٹی کی ڈھیری بھی میری ذات سے زیادہ وقعت رکھتی ہے، ناکارہ، ادھورا نامکمل انسان۔'' استہزائیہ انداز اپنایا گیا۔

''آہ...... ادھورا انسان ادھوری زندگی۔'' خود ترسی کی انتہا پر آزردگی سے بولتے اس کی آنکھوں میں آنسو موتی بن کر چمکے، کتنی ہی دیر وہ یونہی ساکت و سامت سا ایک ہی پوز میں بیٹھا رہا، دیکھنے والی سب نگاہوں میں ستائش تھی چند لمحے کو جیسے سب ہی مسمرائز سے ہو گئے تھے، معاً ''کٹ'' کی آواز آئی۔

''واہ اتنا زبردست کلائمکس سین ہوا۔'' ڈرائیکٹر کی آواز کے ساتھ ہی تالیوں کا شور بلند ہوا تھا۔

ناولٹ

وہ وہیل چیئر سے اٹھا تو تیزی سے حارث رحیم اس کے نزدیک آیا، مرعوب مودب سا۔

''اوہ گاڈ سر آپ یہ سب کیسے کر لیتے ہیں؟'' اس کی آنکھوں میں ستائش ہی ستائش تھی، زید خان قدرے تفاخر سے مسکرایا۔

''بس بیٹا اسی کا تو نام ہے ایکٹنگ۔'' میک اپ مین قریب آیا تو وہ اس سے آئینہ لے کر اپنی آنکھوں کو دیکھنے لگا، بنا گلیسرین کے آنسو نکالنا اس کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا۔

وہاں موجود سب ہی نے اس کی عمدہ اداکاری ڈائیلاگ ڈیلوری پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے تھے مگر اسے اپنی بولتی کچھ کہتی آنکھوں سے آنسو بہانا فخر سے ہمکنار کر دیتا تھا۔

''واہ اتنے اوریجنل آنسو۔'' تب ہی ماہم

بلوچ (نامور ایکٹر) چلی آئی۔

"واہ ہیرو ایسے ہی تو دنیا دیوانی نہیں زید خان کی۔"

قدرے قریب آ کر داد دی تو وہ ہنوز بے نیاز سا مسکرائے گیا، وہ عاجز تھا اور عاجزی پسند کرتا تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ آج کا اسٹار تھا، ورنہ یہاں ایسے ہی فنکاروں کی کمی نہیں تھی جن کے دو چار ہٹ سیریل کیا آتے گردن میں سریے فٹ ہو جاتے، خود کو کوئی اعلیٰ وارفع شے سمجھتے اور دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ ایسے ایکٹرز چند سال میں ہی گم نام ہو چکے ہوتے ہر کوئی زید خان جیسا خوش قسمت خوش نصیب تھوڑی تھا جسے انڈسٹری میں لگ بھگ تیرہ سال ہو چکے تھے، وہ آج بھی پہلے دن کی طرح اپنے سینئرز کا احترام کرتا اپنے کام کو خندہ پیشانی سے سرانجام دیتا، محنت کرتا کہ محنت ہی سے تو نام بنتا ہے، ساتھ ہی گردن جھکائے رکھتا کہ یہ سب اس کی دین ہے جس کے آگے سب جھکتے ہیں بے شک وہ جسے چاہیے عزت دے۔

اور اس کا یہ بہترین ایٹی ٹیوڈ ہی تھا جس کی بدولت حارث رحیم پچھلے دو سال سے اس کے ساتھ کام کر رہا تھا، وہ اس کا منیجر تھا، زید خان من موجی تھوڑا لاپرواہ زیادہ حساس انتہائی وجیہہ ڈشنگ پرسنیلٹی کا مالک ہینڈسم نوجوان تھا لڑکیاں اس کنوارے ہیرو کی دیوانی تھیں، بہرحال (زید خان) وہ اپنی لائف اپنے خوابوں کے سہارے انجوائے کر رہا تھا۔

☆☆☆

صبح ناشتے کی میز پہ فلاح بیٹھی چھری کانٹے کی مدد سے ٹیبل بجانے میں مصروف تھی، بات یہی تک رہتی تو ٹھیک تھی لیکن وہ تو باقاعدہ گلہ پھاڑ کر فیورٹ سونگ گا رہی تھی۔

"افوہ فلاح، صبح صبح تمہارا گانا بجانا شروع ہو جاتا ہے، جانتی ہو خالی پیٹ تمہارا گانا سننا کتنا جان جوکھم کام ہے؟" ناشتے کی ٹرے لاتی ممی بولیں تو فلاح برا ماننے کی بجائے مسکراتے ہوئے ناشتہ کی سمت متوجہ ہوئی، ویسے بھی وہ ممی کی بات (میوزک پر) چٹکیوں میں اڑا دیا کرتی تھی، ممی نے ایک نظر ناشتہ شروع کرتی فلاح پر ڈالی پھر قدرے گردن موڑ کر علی کو آوازیں دینے لگیں۔

"علی بیٹا آ بھی جاؤ ناشتہ لگ گیا ہے۔" ان کے لہجے میں مٹھاس گھل گئی تھی۔

"بس ممی ام حاضر۔" فلاح نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دیکھا، علی اپنے مخصوص اسٹائل میں کسی جن کی طرح فوری حاضر ہوا تھا اور چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

ایک نظر سر جھکائے رغبت سے ناشتہ کرتی فلاح کو دیکھا پھر ہلکے سے کھنکھار کر لب کشائی کی۔

"ممی! ویسے آپ کی لاڈلی واحد سنگر ہے جو صبح کے وقت گاتی ہے ورنہ صبح سنگروں کے گلے سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔" لہجے ہی میں نہیں آنکھوں میں بھی شرارت پنہاں تھی، فلاح نے منہ بگاڑا۔

"اونہہ، جل ککڑا۔" وہ جانتی تھی وہ طنزاً لاڈلی کہہ رہا ہے، البتہ ممی ان کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہوتی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئیں، یہ معمول کی باتیں تھیں، وہ ناشتہ کی سمت متوجہ ہوئیں۔

"ممی ڈیڈی کب آئیں گے؟" دفعتاً بریڈ پر جیم لگاتی ممی کو فلاح نے اپنی طرف متوجہ کیا۔

ڈیڈی بزنس ٹور کے سلسلے میں اسٹیٹ گئے ہوئے تھے۔

"نیکسٹ ویک تک آ جائیں گے۔" ماہم

بیگم نے جواب دیا تو اس نے یونہی سر ہلا دیا تھا، علی کی نسبت وہ ڈیڈی کی لاڈلی تھی، بقول علی ''ڈیڈی فلاح کی نسبت اس سے غیروں والا سلوک کرتے ہیں، اجنبیت برتتے ہیں۔''

''آہ...... علی بیچارہ۔'' فلاح چڑاتی اور وہ چڑ بھی جاتا۔

☆☆☆

فلاح ناشتے کے دوران وقتاً فوقتاً نگاہ بائیں ہاتھ میں موجود موبائل پہ بھی ڈال لیتی تھی، ممی کو اس کی یہ سرگرمی خاصی گراں گزر رہی تھی، سو وہ ٹوکے بنا رہ نہ سکیں۔

''فلاح! ناشتے پہ توجہ دو۔'' ان کی تنبیہ پر فلاح نے گڑبڑاتے ہوئے موبائل ہی آف کر دیا۔

ماہم بیگم (ممی) کو ناشتے کے دوران اِدھر اُدھر کی سرگرمیوں سے ازحد کوفت ہوتی تھیں، یہ بات سبھی جانتے تھے ایون وہ ڈیڈی کو بھی اخبارات سے دور رکھتیں ویسے ڈیڈی بھی ناشتے کی میز پر ''اخبارات'' سے اجتناب ہی کیا کرتے ایک بار ناشتہ لگ جاتا تو جیسے سب ہی (بظاہر) شرافت کے جامے میں آ جاتے تھے، البتہ فلاح صبح صبح اخبارات سے اپنا فیورٹ صفحہ ''شوبزنس'' والا نکال کر ضرور دیکھتی کہ شاید کہیں اس کے ''ہیرو'' کی کہیں کوئی نیوز تو نہیں، وہ سپر اسٹار زید خان کی جنون کی حد تک دیوانی تھی، اس کی اداکاری سے زیادہ اس کی چارمنگ ڈیشنگ طلسماتی شخصیت کے سحر میں بری طرح گرفتاری تھی، الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا، کوئی بھی ایسا میڈیم نہیں تھا جو اس سے دور ہو یا کوئی خبر کے بارے میں زید خان اس سے مخفی ہو، اس کے بارے میں وہ ایک ایک بات ازبر رکھتی، اسے کیا پسند ہے، کون سا موسم کھیل خوشبو حتیٰ کہ کلر تک ذہن نشین تھا، اس کے کمرے میں جابجا زید خان کی لاتعداد پکچرز تھیں، اس کی ہر خبر پر مومنٹ پر نظر رکھتی ٹویٹس پڑھتی، اس کی فینز کی بڑھتی تعداد اسے خوشی سے ہمکنار کرتی اس کی تعریفیں اس کا سیروں خون بڑھا دیتیں، کم عمری کا بانکپن رو پہلی محبت (کہ فری اسے محبت کا نام دیتی تھی چڑا کر) اس کے روم روم میں سرائیت کرتی جا رہی تھی اس کے ہر عمل سے عیاں تھی، ممی اس کی زید خان کے لئے دیوانگی سے واقف تھیں اور اسے فلاح کا بچپنا قرار دیتیں تھیں، جبکہ علی اور فری باقاعدہ اسے زید خان کا نام لے لے کر چھیڑتے تو جواباً فلاح سکندر مسکرائے جاتی تھی۔

☆☆☆

زید خان اپنی نئی فلم ''سنگ تیرے'' کی پرموشن کے سلسلے میں شام چھ بجے مقامی شاپنگ مال میں اپنے کو اسٹارز ڈائریکٹر وغیرہ کے ساتھ آ رہا تھا۔

فلاح خبر سن کر ہی ایکسائیڈڈ ہو گئی تھی، ایکسائٹمنٹ اس قدر تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں ہی گویا پھول گئے تھے، صبح سے اس کی تیاری ہی نہیں ہو پائی تھی، تیاری کے گھن چکر میں اس نے کمرے کی حالت خاصی ابتر کر دی تھی۔

اسے شام میں پہننے کے لئے ڈھنگ کا جوڑا ہی نہیں مل رہا تھا، حالانکہ اس کی وارڈ روب کپڑوں سے بے طرح اٹی ہوئی تھی جبکہ فری بیڈ پر بیٹھی میگزین کھنگالنے میں منہمک تھی، یونہی ورق گردانی کرتے اس کے ہاتھ تھمے، قدرے سر اٹھا کر اسے دیکھا، فلاح اچھی خاصی مضطرب سی اضطراری انداز میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی، فری کو فلاح کی بے چینی و پریشانی ازحد کوفت میں مبتلا کر گئی۔

''اف...... فلاح فار گاڈ سیک، اتنے

کپڑوں میں تمہیں ایک سوٹ نہیں مل رہا؟'' ہاتھ میں تھاما میگزین تقریباً پٹختے ہوئے اسے گھورا، تو فلاح محض اسے بے بسی بھرے انداز میں دیکھ کر رہ گئی۔

''یار تم ہی مدد کردو مجھے تو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔'' اس کا انداز اچھا خاصا منت بھرا تھا، فری سر جھٹکتے بیڈ سے اٹھی، اس کی وارڈ روب کی طرف بڑھی اور ایک طائرانہ نگاہ اندر موجود کپڑوں پر ڈالی پھر اگلے ہی پل ہاتھ بڑھا کر ایک پنک کلر کا خوبصورت ٹاپ نکال ہی دیا، ساتھ ہی ٹھاہ کی آواز کے ساتھ الماری کا پٹ بند کیا۔

''یہ لو انتہائی خوبصورت ہے۔ بہت جچے گا تم پر۔''

''رئیلی؟'' فلاح نے آنکھیں چھوٹی کر کے دریافت کیا، فری نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے زبردستی واش روم کی سمت دھکیلا تو وہ ہنستی ہوئی واش روم میں گھس گئی، جبکہ فری نفی میں سر ہلاتی بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں ڈھے گئی۔

''اس لڑکی کا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

شام کو مال میں گویا دن کا سا سماں تھا۔

مصنوعی روشنیاں چمکتے دمکتے خوبصورت فانوس میں ستاروں کی گویا کہکشاں اتر آئی تھی، ہال میں معمول سے زیادہ گہما گہمی تھی، اتنا رش تو کبھی پریمیر پر بھی نہیں ہوتا تھا جتنا یہاں لوگ امڈ آئے تھے، لوگوں کی اپنے اسٹارز کو اپنے درمیان موجود دیکھ کر ایکسائیٹ منٹ ہی الگ تھی، وہ سب اپنے پسندیدہ ہیرو کے ساتھ سیلفی بنوانے کے لئے بے تاب تھے، کچھ اپنی پسندیدہ ہیروئن کی ایک جھلک کے لئے اوور ایکسائیٹڈ تھے، زید خان اور سمیر رحمان نے اپنے نئے تیزی سے (فیس) مشہور ہوتے گانے کے چند بولوں پر ڈانس اسٹیپ بھی کیے تو گویا سارا مال ہی جھوم اٹھا، خوب ہی ہو ہو کار مچی، آخر میں زید خان اور سمیر رحمان کی جانب سے فلم کے پوسٹر والی شرٹس تقسیم کی گئیں جو کہ خوش قسمتی سے فلاح کے ہاتھ بھی لگی جس پر زید خان کا سکلپچر بھی موجود تھا، شرٹ ہاتھ میں آتے ہی فلاح خوشی سے اچھل پڑی گویا ہفت اکلیم کی دولت ہاتھ آ گئی ہو، فری اس کے بچپنے پر ایک بار پھر بڑبڑا کر رہ گئی۔

جبکہ فلاح شرٹ سینے سے لگائے کسی اور ہی جہاں میں پہنچی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''حارث!'' جیسے ہی زید خان کو تھوڑی فراغت نصیب ہوئی وہ حارث کے پاس چلا آیا۔

''جی سر!'' حارث رحیم مستعدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں ہو یار؟'' زید خان، حارث رحیم کے گلے لگا، وہ پچھلے دنوں نئے سال کا استقبال کرنے کے لئے کام سے کچھ دنوں کا بریک لیا ہوا تھا، دو ویک سے وہ ترکی میں تھا اب واپس آیا تھا تو حارث سے ملاقات ہی نہ ہو پائی تھی، وہ اپنی بہن کی شادی میں مصروف تھا تو اسے جوائن ہی نہیں کر سکا، اب آیا تو زید اسے دیکھتے ہی اس کے پاس چلا آیا۔

''بس سر آپ جانتے تو ہیں میری سسٹر کی شادی تھی۔'' اس نے جیسے یاد دلایا۔

''ہاں چلو سب خیریت سے ہو گیا نا؟'' یونہی بات برائے بات کہا پھر ہاتھ میں موجود اسکرپٹ پر نگاہیں دوڑانے لگا، جبکہ جینز کی جیب میں موجود موبائل تھرتھرایا تھا۔

''یس سر سب کچھ بہترین ہو گیا اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے آمین۔'' حارث رحیم کے لہجے

میں بہن کے لئے محبت و پیار امڈ آیا تھا، زید خان مسکرا دیا پھر جیب سے موبائل نکال کر دیکھنے لگا، حارث نے اس کے ہاتھ سے اسکرپٹ لے کر یونہی ورق گردانی شروع کر دی تھی۔

دفعتاً اگلا شاٹ تیار ہو گیا تو ڈائریکٹر اسے آوازیں دینے لگا۔

''اوکے میرا شاٹ ریڈی ہے، ویسے تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے۔'' اسسٹنٹ کو قریب آتے دیکھ کر وہ بولا تو حارث محض سر ہلا کر رہ گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ زید خان جب بھی کبھی بیرون ملک ٹور سے واپس آتا تو اس کے لئے ''سرپرائز'' کے نام پر اچھی خاصی شاپنگ کر آتا تھا۔

''اچھا سنو!'' وہ جاتے جاتے پلٹا، ہاتھ میں تھاما موبائل فون اسے پکڑایا ساتھ ہی اسکرپٹ لے کر یہ بولتا ہوا سین ریکارڈ کرانے چلا گیا کہ ''ذرا میرے فینز کو جواب تو سینڈ کر دو۔'' حارث رحیم نے ایک لمحے کو رک کر اسسٹنٹ کے ساتھ جاتے زید خان کو دیکھا پھر نظریں جھکا کر ہاتھ میں تھامے موبائل کی سمت مرکوز کیں۔

''یہ جدید ماڈل کا نیا سیٹ تھا۔'' حارث قریب رکھی چیئر کو گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اس کے فیچرز ملاحظہ کرنے لگا، لاتعداد فنکشن سے مزین خوبصورت سیٹ خاصا اٹریکٹو تھا، زید خان کے سوشل میڈیا کے فلورز کو وہ اکثر و بیشتر جواب دیا کرتا تھا اب بھی مختصراً بات کرنے لگا، قدرے دلچسپی و انہماک سے وہ فینز کے کمنٹس دیکھ رہا تھا جب ایک فرینڈ ریکوئسٹ کے لوگو پر چونکا، وہ کوئی لڑکی تھی، اس نے ریکوئسٹ ایکسپٹ کر لی، اب وہ اس لڑکی کی خوبصورت پکس دیکھ رہا تھا، لڑکی انتہائی خوبصورت اور معصوم سی تھی، ایک کے بعد ایک پک سامنے تھی، ہر تصویر میں وہ پہلے سے بڑھ کر پیاری لگ رہی تھی، اسی اثناء میں زید چلا آیا، اسے اگلے سین کی تیاری کرنی تھی سو اسکرپٹ ساتھ ہی تھا۔

''او...... واؤ...... واٹ آ بیوٹی۔'' اسکرین پر ڈسپلے پک کو دیکھ کر بے ساختہ بولا تو انہماک سے دیکھتا حارث ایکدم چونکا اور قدرے گردن موڑ کر اپنے پیچھے دیکھا جہاں زید خان ہمیشہ کی طرح فریش سا کھڑا تھا نگاہیں اسکرپٹ پر مرکوز تھیں، اگلے ہی لمحے اس نے غیر محسوس انداز میں Exit کا آپشن استعمال کرتے ہوئے اسکرین ہی آف کر دی، نجانے کیوں؟

''سین ہو گیا؟'' قدرے گڑبڑا کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر یونہی استفسار کر گیا۔

''ہوں۔'' زید خان نے جواب دیا پھر ہاتھ میں تھامے اسکرپٹ میں سے اگلے سین کی تیاری کرنے لگا، حارث نے موبائل اس کی سمت بڑھایا، جسے بغیر دیکھے اس نے جینز کی پاکٹ میں اڑس لیا، وہ پوری توجہ سے اسکرپٹ سے اپنی لائنیں پڑھ کر دہرا رہا تھا، سیٹ پر سب ہی اپنا کام پوری جانفشانی سے انجام دیتے سو اس لئے کوئی بڑا ایشو کری ایٹ ہوئے بنا ان کا ڈرامہ مکمل ہونے کو تھا، زید خان بیک وقت فلم ٹی وی دونوں جگہ کام کر رہا تھا۔

حارث جاتے ہوئے گاڑی سے موبائل سیٹ لیتے جاتا، حارث ٹھٹکا، پیک اپ ہونے کو تھا جب زید نے حارث کو پکارتے ہوئے یاد دہانی کرائی تھی۔

''مطلب سرپرائز؟'' ابرو اچکائے دھیمے سے استفسار کیا۔

''یس مائی ڈیئر۔'' زید خان مسکرایا تو حارث بھی ہنس دیا۔

''سر آپ بھی ناخواہ مخواہ زحمت کرتے

ہیں۔" حارث بڑبڑایا تھا۔

پھر اگلے ہی لمحے وہ گاڑی کی طرف بڑھا جہاں ڈیش بورڈ پر اس کا ممکنہ سرپرائز گفٹ رکھا تھا، خوبصورت ریپر میں پیک وہ ایک جدید ہنڈ سیٹ ہی تھا۔

نہیں، بلکہ وہ سیم زید خان کے جیسا ماڈل تھا حتی کہ کلر بھی سیم ہی تھا وہ ششدر رہ گیا۔

حیران ہونا بنتا تھا، (وہ) زید خان واپس آیا تو حارث رحیم ابھی تک موبائل ہاتھ میں تھامے شاکڈ تھا۔

"حارث! اتنا حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے، میں اپنے لئے لے رہا تھا تو سوچا تمہارے لئے بھی لے لوں۔" لاپروائی سے کہتا وہ گاڑی کا ڈور کھولتے اس میں بیٹھ گیا تھا۔

"پھر بھی سر آپ جیسا موبائل یوز کرنا مجھے زیب نہیں دیتا پھر یہ تو خاصا مہنگا بھی ہے۔" وہ ابھی بھی سیٹ لینے میں متردد تھا، اس کی بات زید خان کی صبیح پیشانی پہ سلوٹیں لے آئی تھی، قدرے ناگواری سے اسے دیکھا پھر سنجیدہ و سپاٹ انداز میں بولا۔

"پہلی بات یہ کہ تم میرے ملازم ہرگز نہیں ہو کہ مالک کے برابر کچھ بھی یوز نہیں کر سکتے مانا کہ تم نوکری نہ ملنے کی وجہ سے کچھ عرصہ میرے ساتھ کام کر رہے ہو لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تمہاری قابلیت مجھ سے ہزار درجہ بہترین، بہت جلد تمہیں جاب مل جائے گی تو ہم اچھے دوست تو رہیں گے ہی نا اور دوستی میں گفٹ کی قیمت نہیں دیکھی جاتی۔" بولتے بولتے آخر میں اس کا لہجہ مسکراہٹ آمیز ہو گیا تھا، اس سے پہلے کہ حارث رحیم کچھ کہتا وہ پھر بولا۔

"ابھی اگر تم سہیل کی بات مان لیتے تو اس سے بھی ایکسپنسیو گفٹ مجھے دے رہے ہوتے۔"

اس کا شرارتی انداز اس کا موڈ ٹھیک کر گیا۔

سہیل سکندر مصروف ڈائریکٹر تھا اس نے ایک تقریب میں زید خان کے ساتھ آئے حارث رحیم کو دیکھا تھا اور اسے وقت ضائع کیے بغیر اپنے نئے پراجیکٹ کے لئے آفر کی ڈالی جیسے اس نے وہیں کھڑے کھڑے ہی رد کر دیا تھا، بعد میں زید نے بھی اسے بارہا سمجھایا لیکن اسے ایکٹنگ میں سرے سے کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔

☆☆☆

"فری! تم نے دیکھا زید خان نے میری فرینڈ ریکوئسٹ ایکسپٹ کر لی۔"

فلاح کی خوشی سے معمور آواز ائیر پیس سے اس کے کانوں میں گونجی۔

"ہاں تو اس میں بڑی بات کون سی ہے، اسٹارز کے لاکھوں کروڑوں فینز ہوتے ہیں، فرینڈز ہوتے ہیں۔" فری نے گویا اس کی خوشی خاک میں ملائی، فلاح جی بھر کر بدمزا ہوئی تھی۔

"فری کی بچی کبھی تم مجھے چیئر اپ نہ کرنا کیپ اٹ اپ مت کہنا بس ہر خوشی کو ملیامیٹ کرنا۔" قدرے منہ پھلا کر شکوہ کیا تو فری تدبر اختیار کر کے بولی۔

"فلاح میں تمہاری دوست ہوں اور دوستی کا ہی حق ادا کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں، یہ الگ بات کہ سچ ہضم کرنا مشکل ہوتا ہے۔" سنجیدگی سے بولتی فری چند ثانیے کو ٹھہری پھر گویا ہوئی۔

"ڈیئر فلاح اتنی اونچی اڑان مت اڑو، میں نے اکثر بہت اونچی اڑان اڑنے والوں کو منہ کے بل گرتے دیکھا ہے۔"

"اوفوہ! فری اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، تم نہ ہمیشہ نیگیٹو ہی سوچنا۔"

فلاح فری کی باتوں کا اچھا خاصا برا مان گئی

تھی، تب ہی قدرے ناگواری و ترش لہجے میں بولی۔

''فلاح ناراض مت ہو تم میری دوست ہو اور میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنی نادان کم عقل فرینڈ کو سمجھاؤں۔''

''ہاں جیسے خود سقراط بقراط ہونا'' اس کی بات کاٹ کر چڑتے ہوئے کہا تو دوسری جانب موجود فری کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''اللہ فلاح تم بھی نا۔'' فری نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔ فری نے جان بوجھ کر مزید کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی تیسرے کی وجہ سے ان کی دوستی میں دراڑ آئے یا خواہ مخواہ کسی بدمزگی پیدا ہو، سو چند ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

☆☆☆

جب سے اسے پتا چلا تھا کہ زید خان اسی جگہ شوٹنگ کر رہا ہے وہ فوراً ایکسائیٹڈ ہو کے پہنچ گئی تھی حالانکہ لوکیشن پہ غیر متعلقہ افراد کا داخلہ ممنوع تھا مگر وہ...... (بھلا منہ زور لہروں کا بھی کبھی راستہ رکا ہے؟) جیسے تیسے اندر جانے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی، حارث رحیم نے اسے جب دیکھا تو ٹھٹک گیا، اسے فلاح سکندر کو پہچاننے میں رتی بھر بھی دقت نہیں ہوئی تھی، اس کی معصومیت ہی تھی جس نے حارث رحیم کو پہلی ہی نظر میں اٹریکٹ کیا تھا، اس کی پکس وہ سینکڑوں بار دیکھ چکا تھا، بھلا وہ اسے کیسے نہ پہچانتا؟ لیکن یوں پہلی بار سامنے مجسم دیکھ کر وہ خود بھی اپنے دل کی حالت سے انجان تھا یا شاید سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتا تھا، معاً اس نے ہاتھ میں تھاما اسکرپٹ سامنے موجود ٹیبل پر دھرا، قدرے تیزی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اس کی سمت آیا۔

''السلام علیکم!'' بغور دیکھتے قریب آ کر سلام جھاڑا تھا۔

فلاح جو یک ٹک سین عکس بند کرواتے زید خان کو دیکھ رہی تھی یکدم چونکی۔

''آں...... ہاں...... وعلیکم السلام۔'' ٹک سک سے تیار کندھے پر بیش قیمت بیگ لٹکائے بس ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر نگاہیں دوبارہ زید خان پر مبذول کر لیں جو اپنی پوری توجہ ڈائیلاگ ڈیلوری پہ صرف کر رہا تھا، حارث رحیم گہری سانس بھرتا اس کے بیٹھنے کے لئے کہیں سے ایک عدد کرسی لے آیا تھا۔

''آپ بیٹھ جائیں۔'' بے خودی کے عالم میں زید خان کو دیکھتی وہ گم صم سی تھی، زید خان کو بولتے بولتے اندر کہیں گیا تھا، تو فلاح جیسے ایکدم ہوش میں پلٹی، چیئر کو ایک نظر دیکھا پھر اس پر نظر مرکوز کی، جو کہہ رہا تھا۔

''آپ سر کی فین ہیں نا؟ آپ نے کل کچھ پکس بھی شیئر کی تھیں۔'' اس کے لہجے میں یقین کامل تھا۔

''جی میرا نام فلاح سکندر ہے آپ کون ہیں؟''

''بہت پیارا نام ہے آپ کا اور میں زید سر کا منیجر حارث رحیم ہوں۔'' رسانیت سے تعارف کرایا۔

''اوہ...... مطلب میری کل آپ سے بات ہوئی تھی اور آپ نے یہاں بلایا تھا زید خان سے ملوانے کے لئے۔''

''جی بالکل فی الحال آپ بیٹھ جائیں میں بس دو منٹ میں آتا ہوں۔'' زید کے ہی سیل فون پر جب اس نے فلاح سکندر کی تصاویر دیکھی تو رہ نہ پایا پھر اسے ہر جگہ سرچ کیا بالآخر فلاح سکندر

اسے مل ہی گئی اور نہ صرف مل گئی بلکہ زبردستی دل میں بھی گھسے جا رہی تھی، وہ اپنے دل کی اس کایا پلٹ پر حیران تھا، سو تھا زید بھی اس میں تبدیلی محسوس کیے بنا رہ نہ سکا۔

''حارث یار خیریت کچھ عجیب عجیب سے ہو گئے ہو، سارا دن موبائل پر چیٹنگ کرتے رہتے ہو یا صبح لیٹ آنے لگے ہو، سب خیریت تو ہے نا؟''

''یس سر سب ٹھیک ہے بس رات سو نہیں سکا تو، سوری آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔'' وہ سراسر ٹالتے ہوئے کہتا یہ الگ بات کہ وہ اپنے فون کی نسبت اس کا فون زیادہ استعمال کرتا تھا، زید خان اتنا باریک بین نہیں تھا، اگر ہوتا تو کم از کم یہ بات تو ضرور ہی جان لیتا) دفعتاً زید خان کا منیجر جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کی بوتل تھی، غالباً نہیں یقیناً اس کی خاطر تواضع کے لئے، اس نے بے حد ممنونیت سے اسے دیکھا تھا، اس گرمی میں واقعی اسے کولڈ ڈرنک کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، حارث رحیم نے بوتل اس کی اور بڑھائی تو اس نے مارے تشکر کے تھینکس کہا تھا جواباً وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

وہ گھونٹ گھونٹ ڈرنک حلق سے اتارنے لگی، حارث بغور اسے دیکھنے لگا تھا وہ اپنی تصویروں سے بڑھ کر اٹریکٹیو تھی، اگر جو وہ شو بزنس میں ہوتی تو دیکھنے والوں کو اپنے معصوم حسن سے دیوانہ بنا دیتی، خیر دیوانہ بنانے کی اہلیت تو وہ اب بھی رکھتی ہے؟ معاً دل نے دماغ کی سرزنش کی تو اس کے لبوں پر آپ ہی آپ مسکان آمڈ آئی تھی، تب ہی اسسٹنٹ کی شاٹ مکمل ہونے کی آواز ابھری تو وہ سرعت سے پلٹتا زید خان کے پاس پہنچا۔

''سر وہ آپ کی فین کب سے بیقرار ہے وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔''

''اوہ تو حارث خود سنبھالو اس وقت میں کسی سے بھی نہیں ملنا چاہتا۔'' بیزاری اس کے انگ انگ سے نمایاں تھی۔

''مگر سر وہ کافی دیر سے آپ کا ویٹ کر رہی ہے اسے جب سے پتا چلا کہ آپ کی شوٹنگ اس ایریا میں ہو رہی ہے تو وہ......'' زید اس کی بات کاٹ کر سختی سے بولا تھا۔

''اسٹاپ اٹ حارث! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو، اتنی گرمی میں آؤٹ ڈور شوٹنگ اوپر سے کوٹ پہنا دیتے ہیں۔'' وہ کوٹ اتار کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔

''اف گرمی سے حالت کافی ٹائٹ ہو رہی ہے۔'' وہ بڑبڑا کر اسپاٹ بوائے سے پانی لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا، حارث نپے تلے قدم اٹھاتا واپس اس تک آیا تھا، فلاح نے اسے دیکھا تو چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی، بیقراری بے چینی اس کی رگوں میں پارہ بن کر دوڑنے لگی تھی۔

''وہ زید خان؟'' اسے دیکھتے ہی استفہامیہ انداز میں دریافت کیا، اس کی بے چینی بے قراری پر حارث کو اس پر از حد ترس آیا تھا، اس کی آنکھوں میں عجیب چمک تھی، روشنی تھی، شاید یہ زید خان کو ملنے کی وجہ سے تھی یا ویسے ہی اس کا خاصا تھی، وہ سمجھ نہیں پایا، لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اس کا معذرت سے بھرپور جواب اس کی آنکھوں کی جوت ضرور بجھا دے گا، وہ دل ہی دل میں مناسب الفاظ ترتیب دینے لگا، پہلی بار کسی لڑکی کے سامنے بولنے میں دشواری ہوئی تھی۔

''وہ ایکچوئیلی سر، بھی گھر جا رہے ہیں ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، موسم بھی تو کافی

گرم ہو رہا ہے نا۔'' قدرے ٹھہر کر کہا وضاحت بھی ساتھ ہی کر دی تھی، فلاح قدرے چونک کر ایکدم اٹھی تھی۔

''کیا؟ کیا ہوا انہیں وہ ٹھیک تو ہیں نا؟'' تشویش اس کے لفظوں سے ہی نہیں چہرے سے بھی ہویدا تھی، حارث رحیم نے بے ساختہ لب بھینچے تھے۔

''الس فائن ایسی کوئی خاص پریشانی کی بات نہیں، آپ ریلیکس رہیں میں انشاء اللہ بہت جلد آپ کی ملاقات کرا دوں گا۔'' فلاح بغور دیکھتی میکانکی انداز میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

معاً اس نے چیئر کی پشت پر ٹنگا پرس اٹھایا اور خدا حافظ کہتی آگے بڑھی۔

حارث رحیم سر ہلائے بنا سنجیدہ سپاٹ سا کتنی ہی دیر اس کے قدموں کے نشان دیکھتا رہا۔

☆☆☆

سادہ پراٹھا انڈہ اور بڑا سا مگ چائے ایک ٹرے میں لئے امی میز کے قریب آئیں۔

سنک سے ہاتھ دھوتا حارث ناشتہ کے لوازمات دیکھ کے ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔

''کیا ہے امی روزانہ پراٹھا؟'' برا سا منہ بنایا، امی مسکرائیں اس کی ناراضگی کی پرواہ کیے بنا تازہ اخبار میز سے اٹھایا کرسی سیدھی کی اور بیٹھ کر مطالعہ کرنے لگیں۔

''اف یہ بے نیازی۔'' وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ناشتہ کی سمت متوجہ ہوا کہ پیٹ میں دوڑتے چوہے ریس لگا لگا کر نڈھال ہو چکے تھے، سراسر دیسی ناشتہ تھا۔

اسے ناشتہ کرتے دیکھ کر سلمیٰ خاتون ہنوز شرارتی انداز میں مسکرائے گئیں، پھر توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''تم میری مانو تو اچھے اچھے بریک فاسٹ بنانے والی لے آؤں۔''

بالآخر وہ خاموشی توڑتے ہوئے بولیں بھی تو کیا وہ اکثر اسے شادی کا کہتی رہتی تھیں، ثانیہ کی شادی کے بعد تو ان کے پاس جیسے حارث کی شادی کے علاوہ کوئی موضع ہی نہیں تھا۔

''امی آپ جانتیں تو ہیں میری نوکری کو مستقل تو نہیں ہے جب تک اچھی جاب نہیں مل جاتی آپ سوچیے بھی مت اس بارے میں۔''

وہ خود بھی امی کو پریشان فکر مند نہیں کرنا چاہتا تھا، ان کی تنہائی اکیلے پن کا احساس تھا تب ہی تلخ حقیقت ان کے گوش گزار کی۔

زید خان کے ساتھ کام کرنے کے باوجود وہ اپنی جاب سے مطمئن نہیں تھا، تب ہی ساتھ ساتھ ملٹی نیشنل کمپنیوں میں سی وی وغیرہ بھجواتا رہتا تھا، اس پر امی ہمیشہ کی طرح خاموشی اختیار کر گئیں وہ خود بھی دعائیں کرتی اچھی نوکری اور روشن مستقبل کی، وجاہت رحیم (مرحوم) کے بعد وہ ان کا واحد سہارا تھا، امیدوں کا مرکز ثانیہ کا ذمہ دار بھائی باپ جیسا، وہ حارث کے ذمہ دار سمجھ دار ہونے کی جتنی بھی شکر گزار ہوتیں کم تھا۔

بس اب ایک ہی خواب تھا کہ کوئی اچھی سی لڑکی آئے اور ان کے گھر کو جنت بنا دے، سو اسی سلسلے میں آج کل ان کی بیٹی سے طویل طویل میٹنگ وغیرہ ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

''فری تم نے دیکھا زید خان نے اپنے آفیشل اکاؤنٹ سے مجھے پیغام دیا ہے۔''

فری اس کے کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ وہ بیڈ سے جمپ لگاتے اس کے پاس آئی، اس کے بازوؤں کو پکڑ کر گول گول گھمانا شروع کر دیا، اس کے ہر ہر انداز سے خوشی جیسے چھلکی پڑ رہی

تھی۔

''فلاح کی بچی چھوڑو مجھے پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟'' فری نے قدرے چیخ کر اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کی ناکام سعی کی۔

''ہاں میں پاگل ہو گئی ہوں۔'' فلاح اس کے بازوں کو جھٹکتی دائیں دیوار پر آویزاں اس بڑے پوسٹر کی سمت بڑھی جس میں زید خان اپنے مغرور نقوش قاتل مسکراہٹ سے دیوانہ کیے دے رہا تھا۔

''یار میں تمہاری فرینڈ ہوں اگر کوئی بات کروں تو خاموشی سے سن لو گی؟'' فری حقیقتاً مسیج دیکھ کر ششدر تھی۔

فلاح وہ جانتی تھی اسے کون سا بھاشن دینا تھا، آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر وہ اس کے دلفریب و جاذب نظر نقوش پر پھیرنے لگی جیسے محسوس کر رہی ہو، اس کی بے خودی بے پرواہی فری کو انجانے پن کے خوف کا شکار کیے دے رہی تھی، دفعتاً فلاح پلٹی عجب پراسرار مسکراہٹ سے اپنی اکلوتی فرینڈ کو دیکھا پھر مدھم آواز میں گویا ہوئی۔

''فری تمہارے خیال میں، میں کم عقل بے وقوف ہوں جو غلط کر رہی ہوں، محبت کرنا جرم ہے یا ایکٹر لوگ سے محبت کرنا جرم ہے؟'' استفہامیہ انداز میں ابرو اچکائے جیسے فری کی ہر وقت کی نصیحتوں سے زچ ہو کر بس وہ آج دوٹوک بات کرنا چاہتی ہو، فری ایک لمحے کو اس کے سوالوں سے لاجواب ہوئی پھر وہ جیسے مصمم فیصلہ کر کے میدان میں اتر آئی وہ خود بھی فلاح سے دوٹوک بات کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، اس کے رنگ ڈھنگ تو وہ بغور ملاحظہ کر رہی تھی، جبھی اس کے ہاتھ تھام کر بیڈ پر بیٹھتے بولی۔

''بات صحیح غلط کی نہیں محبت کی بھی نہیں کہ جسے تم محبت کا نام دیتی ہو وہ محبت ہے بھی کہ نہیں، یہ الگ بحث ہے، اس پر پھر بات کریں گے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''فی الحال میں تمہیں صرف یہ کہنے یا سمجھانے واٹ ایور تم جو بھی سمجھو کی کوشش کر رہی ہوں کہ ایکٹرز لوگ بہت بڑے فنکار ہوتے ہیں، یہ صرف اپنے جذبات واحساسات کے ساتھ نہیں بلکہ دوسروں کے بھی جذبات و احساسات کے ساتھ کھیلتے ہیں، بلکہ ملکہ رکھتے ہیں، شوبز کے لوگ بھنورا صفت ہوتے ہیں اس میں کوئی دورائے نہیں۔'' فری حقیقتاً اس کے بڑھتے قدموں سے پریشان تھی، اس کی تفکر آمیز باتیں فلاح کا دماغ خراب کر رہی تھیں، اسے فری کی رائے ماننے میں تامل تھا۔

''فری یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ زید خان بائی نیچر اچھا انسان ہے۔''

''فلاح...... فلاح...... وہ جو خود کو شو کرواتا ہے فینز اسے ویسا ہی سمجھتے ہیں لیکن ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک بہت اچھا اداکار ہے چاہے آن کیمرہ اداکاری کرے یا آف کیمرہ۔'' فری اس کے ہاتھ تھامے ان پر دباؤ ڈال رہی تھی، یا شاید اس کے دماغ پر۔

اس کی اعلیٰ پائے کی بدگمانیاں وہ کڑے دل سے بمشکل ہضم کر پائی تھی۔

وہ قائل ہوئی یا نہیں لیکن خاموشی ضرور اختیار کر گئی، فری کو لگا تھا کہ شاید چوٹ لوہے پہ لگی ہے، وہ اپنی عزیز از جان سہیلی کو کسی کے ہاتھوں کھیلنے نہیں دینا چاہتی تھی، اسی لئے کسی ناصح کی طرح جب موقع ملتا برین واش کرنا شروع کر دیتی، دوسری طرف فلاح لب سیے دل ہی دل میں مصمم ارادہ باندھ رہی تھی کہ آج کے بعد وہ فری سے احتیاط برتے گی اور اس سے کچھ بھی شیئر نہیں کرے گی، ورنہ ان کی دوستی میں آئی دراڑ

کوئی بھی روک نہیں پائے گا۔

☆☆☆

حارث رحیم نے زید خان کا پرسنل نمبر کہہ کر فلاح کو اپنا نمبر دے دیا تھا، حالانکہ یہ بہت غلط بات تھی مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جو زندگی میں نئے نئے جذبوں سے متعارف ہوا تھا، اس حرکت کے بعد وہ کتنے ہی دن زید سے نظریں چرائے پھرتا رہا، وہ اس نمبر سے فلاح کو میسجز یا زید کی آواز میں فیک وائس اپ کرتا، زید خان کو اسکرپٹ کے جملے ریکارڈ کرتا تھا، وہ اس کھیل میں آگے بہت آگے چلا جا رہا تھا، فلاح کے اصرار پر ہی زید خان کے آفیشل اکاؤنٹ سے اس کا کہا پیغام فینز کے ساتھ شیئر کیا تھا۔

''میرا دل میری زندگی صرف فلاح۔'' اس کے اس ٹوئیٹ سے زید خان کے تمام فینز حیران تھے طرح طرح کے اندازے لگا رہے تھے، ششدر تو وہ خود بھی تھا، پیغام دیکھ کر اس کے دماغ کی رگیں پھڑ کنے لگیں انتہائی اشتعال سے حارث کو بلا کر استفسار کیا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟ کیا ہے یہ؟'' زید خان نے ہاتھ میں تھاما موبائل اس کے آگے پٹخا، غصہ نجانے کہاں سے عود کر آیا تھا، حارث نے ایک نظر سامنے دھرے موبائل کو دیکھا پھر نظر جھکا دی تھی، اتنی ہمت نہیں تھی کہ زید کی آنکھوں میں اپنے لئے ناراضگی غصہ دیکھ پاتا۔

''کچھ بتانا پسند کرو گے یہ پیغام کیوں لکھا۔'' حارث کی خاموشی اسے بے طرح کھلی تھی، بغور اس کی سمت دیکھتا چبا چبا کر بولا تھا۔

حارث نے نظر کے ساتھ سر بھی جھکا دیا، شرمندگی رہائت کا غلبہ تھا جو مہر بہ لب کھڑا رہا۔

''حارث!'' زید نے سخت تنبیہ آواز میں اس کا نام لیا تھا۔

اس نے بے ساختہ سر اٹھایا سنجیدہ سخت سپاٹ چہرہ لئے بمشکل گویا ہوا۔

''ایکچوئیلی سر آپ کا اور میرا موبائل سیٹ ایک جیسا ہے نا تو غلط فہمی میں۔''

اس سے آگے اس سے جھوٹ بولا نہ گیا، وہ ایکدم خاموشی اختیار کر گیا، عجب معنی خیز خاموشی ان کے درمیان در آئی تھی۔

کتنے ہی لمحے زید خان آنکھیں سکوڑے بغور حارث رحیم کو دیکھے گیا۔

حارث رحیم اس کے یوں دیکھنے پر قدرے شرمندگی کا شکار ہوا، زید نے بالآخر کھنکھار کر خاموشی بھگائی۔

''اٹس او کے لیکن ایکسپلین کرو کہ فینز مطمئن ہو جائیں۔''

قدرے قریب آ کر اس کے کندھے کو تھپتھپایا پھر آگے بڑھ گیا، حارث رحیم کافی عرصے سے اس کے ساتھ تھا اتنے عرصے میں یہ پہلی میجر غلطی تھی سو معافی تو بنتی تھی، حارث رحیم جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

فضا میں روم فریشنر کی خوشبو رچی بسی تھی، ٹھنڈی خنک ہوا کے جھونکے ٹیرس پہ پھیلی بوگن ویلیا کی گھنی سرسبز بیل سے ٹکرائی تو پتوں میں سرسراہٹ ایک لطیف احساس دل میں اجاگر کرنے لگی، گویا ایک طویل مدت کے بعد موسم ان دونوں پہ مہربان ہوا تھا۔

چائے کا بڑا سا مگ تھامے وہ ٹیرس پر تک چلا آیا، کپ ٹیرس کی ریلنگ پر ٹکائے ہاتھ میں پکڑے فون کی سمت متوجہ ہوا جہاں اس کی اور فلاح کی دھڑا دھڑ چیٹس جاری تھیں۔

اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وجود کو فرحت بخش احساس دلا رہے

تھے۔

اب وہ فلاح کی لاتعداد پکس دیکھ رہا تھا جو وقتاً فوقتاً وہ اسے بھیج چکی تھی۔

مگ میں رکھی چائے پہ ٹھنڈی ہونے پر ہلکی سی تہہ جم چکی تھی اسے اپنا ہوش نہیں رہا تھا چائے کا کیسے رہتا بھلا۔

اس نے سب کچھ حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیا تھا، جذبے اگر سچے ہوں تو اپنا آپ منوا ہی لیتے ہیں۔

فلاح کے احساس میں کھویا وہ بدمزہ چائے حلق میں انڈیلنے لگا، اسے اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ چائے ٹھنڈی ہو کر بدمزہ ہو چکی ہے، دوسری طرف فلاح کا حال بھی کسی طور اس سے کم نہیں تھا، وہ پورا پورا اس کی باتوں لفظوں میں ڈوبی ہوئی تھی، اس کے میسجز دن رات اسے مہکائے رکھتے معطر رکھتے، فری سے اس نے وقتی طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی خوشی کو وہ ملیا میٹ کرے، وہ فری تو کیا ممی کی بھی نصیحتیں بھولنے لگی تھی، ممی اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر بھی انجان بننے کی سعی کرتیں وہ سوچنا نہیں چاہتیں تھیں جو دماغ دکھاتا یا سمجھاتا فلاح کا بچپنا سمجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں، اس سے بے خبر کہ فلاح خوابوں خیالوں کی نئی سرزمین پر قدم رکھ چکی ہے جہاں وہ مہارانی ہے اور اس کا ایک راجہ بھی ہے۔

☆☆☆

پچھلے چند دن سے اس کا زید خان سے رابطہ منقطع تھا، اس لئے وہ قدرے بولائی بولائی سی پھرتی، بار بار فون دیکھتی لیکن زندگی میں پہلی بار فون اتنا خاموش تھا کہ وہ رونے والی ہو گئی، جانے انجانے میں اپنی کوئی بات غلطی تلاشتی شاید ہرٹ ہو گیا ہو یا کوئی خدانخواستہ کوئی اور مسئلہ در پیش ہو، اس کے کوئیگ فرینڈز کے ٹوئیٹ دیکھتی شاید کوئی سراہاتھ آجائے مگر۔

اسی پریشانی میں اسے بخار نے آلیا، بخار کی وجہ سے اس کا نڑمردہ وجود نقاہت کا شکار ہونے لگا تھا اور نقاہت تھی کہ نڈھال کیے دے رہی تھی، اس کی گرم سرخ انگارہ آنکھیں بار بار بھٹک کر چارجنگ پر لگے موبائل کی سمت اٹھتیں، ممی اس کی اضطرابی بے چینی پر سخت برافروختہ تھیں۔

''فلاح! خدا کے واسطے اس منحوس کا پیچھا چھوڑ دو، مجھے تو لگتا ہے اسی نے میری بچی کو بیمار کیا ہے۔'' ڈھکے چھپے لفظوں میں تنبیہ کی۔

وہ ماں تھیں سمجھتی تھیں کہ جوان بچوں کی چھوٹی موٹی غلطیوں پر پردہ رہے تو بہتر ہے، ورنہ شاید غلطیاں سامنے آ کر تلخیوں کا موجب بنتی ہیں، ذہنی میچورٹی کے لئے بچوں کا اپنے مسائل خود حل کرنا ضروری ہوتا ہے تا کہ ان میں میچورٹی کے ساتھ ساتھ پراعتماد ہونا بھی نظر آئے کہ وہ دنیا کا مقابلہ کرنے کی ہمت کر سکتے ہوں۔

دفعتاً کب سے بجتا موبائل ان کی سوچوں کا ارتکاز توڑنے کا موجب بنا، انہوں نے جلدی سے اٹھ کر موبائل اٹھایا ایک نظر نیم غنودگی کا شکار فلاح کو دیکھا اور اگلے ہی پل فون ہی آف کر دیا، البتہ فون آف کرنے سے پہلے ان کمنگ مائی لائف کے الفاظ دیکھنا نہیں بھولیں، غنودگی میں جاتا فلاح کا دماغ بیل پر جاگا تھا لیکن اتنی ہمت نہیں ہو سکی کہ ممی سے فون دینے کی بات کر سکتی، نیند کا انجکشن بہرحال اپنا کام کر چکا تھا۔

☆☆☆

رات اپنے جوبن پر تھی، ہر سمت گھور خاموشی سیاہی کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی، کہیں کہیں دور جھینگروں کی آواز خامشی میں ارتعاش سا پیدا کر دیتی گویا زندگی کی نوید دیتی

ورنہ ہر سو چھائی پراسرار خاموشی کسی قبرستان کا گماں لگتی۔

پچھلے چند دنوں سے نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور بھی گویا روٹھ گئی تھی، بے چینی اضطراب بوجھ تھا کہ بڑھتا چلا جا رہا تھا، ضمیر کی خلش تھی کہ وہ چاہا کر بھی فلاح سے رابطہ نہ کر پایا۔

آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے بوجھل دل ان گنت سوچوں کے بھنور میں ڈوبا دماغ اس کے چہرے پر چھائے تفکر کی لکیریں رتجگے کی واضح عکاس تھیں، ضمیر کا بوجھ محض جسم کو ہی نہیں روح تک کو زخمی گھائل کر رہا تھا، بے چینی اضطرابی انگ انگ سے نمایاں تھی، کب سے کروٹیں بدل بدل کر وہ جیسے تھک ہار کر اٹھ بیٹھا، سر درد سے پھٹنے کے قریب تھا، درحقیقت وہ خوف زدہ تھا۔

''یا اللہ تو میری مدد فرما، بے شک تو ہر حال میں مدد فرمانے والا ہے، تو راہنمائی عطا کر میں، میں کیا کروں اگر وہ میرے نصیب میں نہیں تو وہ مجھے ملی ہی کیوں اس کے بغیر ادھورا محسوس کرنے لگا ہوں اتنا کہ سانس بمشکل آتی جاتی ہے، اس کے دل میں میری محبت ڈال دے، وہ زید خان سمجھ کر نہیں حارث رحیم کو چاہے۔'' حارث رحیم خود کو بے بس پا رہا تھا، وہ کمزور نہیں تھا بس اب فلاح کو کھونے سے خود سے نفرت کرنے کے خیال سے ڈرنے لگا تھا، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فلاح کو زید خان کے مقابلے اس سے کوئی دلچسپی کوئی سروکار نہیں مگر پھر بھی وہ خوابوں خیالوں جیسی دیوانی خبطی البیلی اس کی زیست کا خواب بن گئی تھی۔

اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو پائے گا اور اس کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی تھا، اسے ضمیر کے ہاتھوں فیصلہ کرنا تھا چاہے اس سب میں اس کے دل کی کرچیاں ہی کیوں نا ہو جائیں، وہ دھوکے باز فراڈی نہیں تھا بس دل کے ہاتھوں مجبور مفلسی کا مارا انسان تھا، جس کا دل ضمیر کے ہاتھوں کچوکے کھا کھا کر اپنے اصل کی سمت لوٹنے کی سعی کر رہا تھا کہ اس کی تربیت نہیں تھی کہ وہ دھوکہ دیتا، وہ دھوکہ دینا بھی نہیں چاہتا تھا، نہ فلاح کو...... سرکو اور نا ہی...... خود کو۔

☆☆☆

یہ اگلے روز کی بات تھی کہ اس نے صبح صبح بیدار ہو کر سب سے پہلے سیل فون کو آن کیا تھا، جہاں زید خان کی ایک مس کال کے علاوہ کچھ نہیں تھا، آج اس کی طبیعت خاصی بہتر تھی اس نے میسجز کے جواب ندارد اس نے کال بیک کی مگر دوسری طرف پاور آف ملا، قدرے جھنجھلا کر فون پرے پھینک دیا، واش روم جا کر قدرے فریش ہو کر اس نے ٹی وی آن کی۔

ٹی وی کی آواز سن کر ممی فوراً سے پیشتر اندر آئیں، اسے دیکھا مدھم سا مسکرائیں۔

''اٹھ گئی میری پیاری بیٹی۔'' قریب آ کر ماتھا چھوا، بخار کا شائبہ تک نہ تھا، وہ مطمئن ہوئیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' رسان سے دریافت کیا۔

''بالکل ٹھیک ہوں ممی بس تھوڑی کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔''

''ہوں، صحت بخش خوراک لو گی تو وہ بھی محسوس نہیں ہو گی پتا ہے علی خاصا پریشان رہا تمہارے لئے۔''

''اچھا، تعجب ہے ورنہ میں سمجھی میری بیماری پر سب سے زیادہ خوش علی کے سوا کوئی نہیں ہو گا۔'' کن اکھیوں سے اندر آتے علی کو دیکھ کر وہ

شرارت آمیز انداز میں بولی تو ممی بس ہلکے سے چپت لگا کر رہ گئیں۔
علی اور فلاح کی نوک جھونک شروع ہو چکی تھی، گھر اور وجود پر چھائی کئی دنوں کی کثافت پل بھر میں زائل ہوگئی تھی۔

☆☆☆

زید خان کی نئی فلم کی پرموشن شروع ہونے کو تھی، خاصا ٹف شیڈول طے پایا تھا، زید خان خاصا ایکسائیٹنڈ تھا اور یہ ایکسائٹمنٹ محض فلم کے حوالے سے نہیں تھی بلکہ ایک خاص سرپرائز تھا جو وہ بہت جلد آنے والے دنوں میں اپنے چاہنے والوں کو دینے والا تھا، اس کے اس سرپرائز سے گھر کے علاوہ خاص الخاص افراد بھی واقف حال تھے اور بیسٹ وشیز بھی دے چکے تھے، فلم کی پرموشن ابھی جاری تھی کہ اسے زوردار جھٹکا لگا، حارث رحیم نے اس کے مینجر کے عہدے سے استعفٰی دے دیا، وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا، ٹیمپر لوز کر گیا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر بگڑنے لگا، اسے ذرا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ اسے اس وقت چھوڑ کر چلا جائے گا جب لوگ اس کے ساتھ کام کرنا چاہتے تھے، اسے تو آج کل وہ لوگ بھی یاد کر رہے تھے، جنہیں وہ زندگی میں محض ایک بار ہی ملا تھا۔
''ایم سوری سر مجھے پہلے انفارم کرنا چاہیے تھا، ایکچوئیلی میں نے ملٹی نیشنل کمپنی میں انٹرویو دیا تھا تو وہاں سے لیٹر آگیا۔''
''حارث لیکن تم جانتے ہو میں تمہارے ساتھ خاصا کمفرٹیبل ہوں۔'' وہ اسے کسی بھی طرح روکنا چاہتا تھا۔
''آئی نو سر آپ خود اتنے اچھے ہیں کوئی بھی آپ کے ساتھ ایزی ہو کر کام کرے گا۔'' حارث نے مدھم آواز میں کہا تو زید اسے بغور دیکھنے لگا۔
''حارث سچ سچ بتاؤ کیوں جانا چاہتے ہو؟ پتا نہیں کیوں مجھے وہ وجہ نہیں لگ رہی جو تم نے بتائی۔'' ابرو بھیچے وہ حارث کے چہرے پر رقم تحریر پڑھنے کی سعی کرنے لگا۔
''نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں ترقی کرنا ہر انسان کا خواب ہوتا ہے۔'' وہ اتنا معدیت پرست نہیں تھا زید جانتا تھا مگر کچھ کہے بنا خاموش ہوگیا، بہرحال وہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

اگلے منڈے زید خان اپنی کو اسٹار اجیہ خان کے ساتھ لائیو ایک مارننگ شو میں مدعو تھا، فلم کی دیگر کاسٹ کے ساتھ رضوان حیدر ڈائیریکٹر بھی ساتھ تھا۔
فلاح شو خاصے انہماک سے دیکھ رہی تھی، حالانکہ اسے اجیہ خان کی زید خان کے ساتھ بے تکلفی خاصی گراں گزر رہی تھی، زید کا اس سے رابطہ برائے نام ہی رہ گیا تھا وہ اس کے ان گنت میسجز کا کبھی کبھار ریپلائے دے دیتا ورنہ تو ان کے بیچ جیسے خاموشی ہی در آئی تھی دفعتاً شوخیوں مسکراہٹوں کے بیچ ہوسٹ نے بڑے معنی خیز انداز میں زید خان سے شادی کا سوال کیا تھا۔
شو بغور دیکھتی فلاح ساکن تھی اتنی کہ پلکیں تک نہ جھپک رہی تھی، کیونکہ زید خان نے کن اکھیوں سے اجیہ خان کو دیکھ کر کہا تھا کہ۔
''اس سلسلے میں میں آپ کو بہت جلد خوشخبری دوں گا۔'' خوش فہمیوں کے ہنڈولوں میں سوار فلاح ساکت ہوتی تو کیوں نا ہوتی، ابھی وہ خالی ذہن لیے کچھ سوچ بھی نہ پائی تھی کہ فری کی کال آنے لگی، فری نے اپنی خودساختہ ناراضگی ختم کر کے اسے کال کی تھی، شو دیکھتی قدرے ناگواری سے کال اٹینڈ کی۔

''ہیلو بے وفا بے مروت لڑکی کیسی ہو؟''
فری نے ہلکے پھلکے انداز میں بات کرنے کی سعی کی، وہ حقیقتاً اس بے مروت لڑکی سے ناراض تھی جسے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔
''فائن میں ٹھیک ہوں بس کچھ دنوں سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی، خیر تم سناؤ کہاں ہو؟'' شو کی لاسٹ بریک آئی تو اس نے والیم بند کر دیا، جبکہ فری نے گہری سانس لی تھی کتنی دوری آ گئی تھی ان کے بیچ فلاح ٹھیک نہیں تھی اور وہ خود ساختہ ناراضگی کا غبارہ لئے بیٹھی رہی، اس آنکھیں چمکنے لگیں نمکین پانیوں سے۔
''کیا ہوا تھا؟'' غبارہ پھوڑنے سے ہوا میں چھوڑنا صحیح ہوتا ہے (سوفوری اس نے فلاح سے ملنے کا پلان بنایا تھا دل میں) وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔
''کچھ خاص نہیں موسمی بخار تھا۔'' بریک کے بعد شو آ گیا تھا اس نے سامنے رکھا ریموٹ اٹھا کر آواز کھولی، لہجہ بے پرواہ سا ہو گیا تھا، اجنبیت کی دیوار ایک بار پھر نا معلوم احساس سے ان کے درمیاں حائل ہو گئی تھی، فری کچھ کہہ رہی تھی وہ سنی ان سنی کرتی ''خدا حافظ پھر ملتے ہیں'' کہہ کر کال ڈراپ کر گئی، فری ایک بار پھر ششدر رہ گئی تھی، فلاح کی ساری توجہ شو ''سلام صبح'' پر مرکوز تھی، تب ہی سوشل میڈیا پر اسی پروگرام کے کلپ چلنے شروع ہو گئے، صارفین سوشل میڈیا پر زید خان اور اجیہ خان کا نام لے کر اچھال رہے تھے اکثر کا خیال تھا کہ زید خان کی ہونے والی دلہن کا نام اجیہ خان ہے لوگوں کے فضول بکواس کمنٹس پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ کھولنے لگا تھا، قدرے بے قراری سے وہ ایک بار پھر زید خان کا نمبر ملانے لگی تھی مگر۔
''اف پتا نہیں اس نے کیوں نمبر بند کر دیا ہے لگتا ہے مجھے خود ہی جا کر ملنا پڑے گا۔'' قدرے مطمئن ہو کر ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک سرسراتی سی سوچ سانپ بن کر ڈنک مارنے لگی۔
''نہیں واقعی میں وہ مجھے چھوڑ تو نہیں رہا۔'' نظروں کے سامنے تازہ تازہ دیا گیا انٹرویو گھوم گیا، دل زور سے دھڑکا، سانس ساکن ہوئی۔
''نہیں یہ پرڈیوسر لوگ جان بوجھ کر ہیرو ہیروئن کا اسکینڈل بنواتے ہیں تا کہ تماش بینوں کی فلم یا ڈرامے میں دلچسپی بڑھے اور وہ فلم دیکھنے سینما گھروں کا رخ کریں، آخر ان کے کروڑوں روپے پھنسے ہوتے ہیں۔''
پتا نہیں وہ خود کو مطمئن کر رہی تھی یا اندر کہیں پنپتے خوف کو دبا رہی تھی۔

☆☆☆

حارث رحیم جانتا تھا کہ جب فلاح کو زید خان کی اجیہ خان سے شادی کی خبر ملے گی اس کا کیا ری ایکشن ہوگا، اس لمحے سے وہ ڈرنے لگا تھا، مختلف سائیٹس پر اندازے لگائے جا رہے تھے وجہ وہ انٹرویو ٹھہرا جو انہوں نے فلم کی پرموشن کے سلسلے میں دیا تھا، بہرحال جب پہلی بار زید نے اس کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا تھا تو وہ یونہی پتھرا گیا تھا، ساکت و صامت مگر چہرے پر سپاٹ تاثرات سجائے رکھے، اسے پتا تھا کہ فلم کی ریلیز کے بعد دونوں شادی کی ڈیٹ اناؤنس کر دیں گے اور فلاح۔
''اف وہ کیسے برداشت کرے گی، وہ نازک لڑکی ٹوٹ کر بکھرے گی۔''
''یا اللہ یہ میں نے کیا کر دیا جانے انجانے میں غلطی کر دی نہیں غلطی تو معمولی چیز ہے میں نے گناہ کر دیا، اپنا دل آباد کرنے کے چکر میں کسی معصوم کا دل برباد کر دیا۔''
پچھتاوا جان لیوا تھا، دکھ بے شمار، گناہ بے

حساب آہ۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی یا اپنے اختتام کی طرف رواں دواں تھی، اسے کچھ ہوش نہیں تھا، کمرے کی بوجھل خاموش فضا کو ٹیرس کے کھلے دروازے نے اچھی خاصی خنکی سے بھر دیا تھا، مگر وہ بے پرواہ سا چیئر پر بیٹھا سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا، بے گانگی بے توجہی اس کے روم روم میں رچی بسی تھی، خوبصورت کشادہ پیشانی ان گنت لکیروں سے اٹی پڑی تھی، آنکھیں رتجگوں کی عادی معلوم ہوتی تھیں، وہ جیسے یہاں موجود ہو کر بھی موجود نہیں تھا، اسے خبر بھی نہ چلی ہاتھ میں پکڑا سگریٹ انگلیاں جلانے کے در پے ہوا، وہ چونکا۔

آخری ٹوٹا ایش ٹرے میں پھینکا اور گہری سانس بھرتے سامنے رکھی میز کی سمت متوجہ ہوا، جہاں ڈھیر ساری یادیں باتیں بکھری پڑی تھیں، اس نے ہاتھ بڑھا کر سامنے رکھا پرفیوم اٹھایا، یہ اس کا پسندیدہ نہیں تھا، زید خان کا فیورٹ پرفیوم تھا، فلاح نے ایک انٹرویو میں جان کر اسے گفٹ کیا تھا، بغور دیکھتے وہ ڈھکن اتار کر اسپرے کیے۔

سینت سینت سے رکھا پرفیوم پل بھر میں خالی ہو گیا، کمرہ خوشبو سے بھر گیا تو اس نے خالی شیشی رکھ دی تھی، اب وہ میز پر رکھی اس کی لاتعداد تصویروں میں سے ایک لے کر دیکھنے لگا، اس کا حسین عکس نظروں میں سمویا تھا پھر دوسری تصویر اٹھائی، پھر تیسری ہر تصویر میں وہ مختلف لیکن پیاری نظر آ رہی تھی۔

آخر میں اس نے اپنی سب سے پیاری تصویر اٹھائی جہاں وہ اسی کا دیا گفٹ SHY کا خوبصورت جوڑا پہنے ہوئے تھی، اسے یاد آیا جب اس نے پرفیوم کے بدلے گفٹ دیا تو وہ خوشی سے پاگل ہو گئی کہ اسے گھر پر زید خان نے گفٹ ارسال کیا ہے، اس کے تصویر میں ابھرتے حسین نقوش وہ بغور دیکھے گیا۔

وہ ہر لحاظ سے پیاری تھی، بڑی بڑی آنکھیں مناسب قد و قامت قدرے دراز سلکی براؤن بال، وہ خوبصورت تھی اور خوبصورتی کو ہی ڈیزرو کرتی تھی تو پھر میں۔

خود ترسی آن واحد میں حملہ آور ہوئی تھی، وہ ہڑبڑا کر رہ گیا۔

''وہ شہزادی تھی، وہ مہارانی تھی۔''

''بے شک۔'' ہنوز بڑبڑایا۔

تنہا اداس غمگین دل اس شہزادی مہارانی کا طلب گار تھا تو کیا جرم، مجرم تو وہ خود تھا غلط ناجائز طریقہ ڈھونڈ لیا اسے پانے کا یہ بھی نا سوچا کہ انجام کتنا دردناک ہو سکتا ہے، تنہائی مقدر بن سکتی ہے، یادیں باتیں ماضی بن کر تڑپا سکتی ہے بس وقتی خوشیوں کشید کرتا گیا، انجام سے بے پرواہ۔

معاً ہولے سے دروازہ بند کرتی سلمٰی خاتون چلی آئیں۔

''حارث بیٹا ابھی تک جاگ رہے ہو؟'' انہوں نے بتی جلتی دیکھی تو سمجھ گئیں تھیں مگر یونہی سوال بھی کر ڈالا تھا، کمرے میں عجب خوشبو ٹھنڈک خنکی چکراتی پھر رہی تھی۔

''ہوں۔'' قدرے بھاری آواز میں حارث محض ہوں کر کے رہ گیا، اس کی سوچوں یادوں کا ارتکاز ٹوٹا تھا، بے توجہی خالی خالی نگاہوں سے وہ ماں کو دیکھے گیا جو ٹیرس کا کھلا دروازہ بند کر رہی تھیں۔

''اتنی ٹھنڈ میں بغیر کمبل لئے دروازہ بھی کھلا چھوڑ کے بیٹھے ہو، جانتے بھی ہو کہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' وہ پلٹیں بغور اسے دیکھا۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے بیٹے کے کمرے کی بتی روشن دیکھتی تھیں، انہیں بیٹے کا اضطراب چین نہ لینے دیتا تھا بالآخر آج وہ ہمت کر کے اندر آ ہی گئیں، بیٹے کو پریشانی تھی یہ نوکری جانے کی نہیں تھی (جو وہ اس کا اترا چہرہ دیکھ کے دریافت کرتی تو وہ نوکری کا بہانہ کر دیتا تھا) انہوں نے سامنے میز کو دیکھا، یہ دکھ تھا، پچھتاوا تھا، کچھ کھو دینے کا خوف تھا جو اس کی آنکھوں میں ہراس بن کر چھا گیا تھا۔

ان کا دل دکھ سے بھر گیا، وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتیں اس کے پاس آ بیٹھیں، اس عرصہ میں وہ پہلی بار گڑبڑایا تھا۔

"امی کیا کر رہی ہیں نیچے کیوں بیٹھ گئیں؟" انہوں نے نفی میں سر ہلایا ایک نظر میز پر بکھرے مواد کو دیکھا تھا۔

"مجھے یہیں بیٹھنے دو۔" اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے کرسی سے اٹھنے سے منع کیا تھا، حارث بے بس سا بیٹھا رہ گیا، ماں اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں وہ خواہ مخواہ نظریں چرا گیا۔

"کون ہے وہ؟" وہ بے ساختہ مڑا، نظریں ساکت ہو کر ماں کو دیکھ رہی تھیں وہ ماں تھیں کیسے بیٹے کا چہرہ پڑھ نہ سکتیں، انہیں تو انتظار تھا کہ وہ خود ہی بتاتا مگر شاید اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور خواب زیست میں جدائی موڑ آ گیا، سلمٰی خاتون نے ہاتھ بڑھا کر ایک تصویر اٹھائی۔

"ہے نہیں تھی۔" ہلکی مدھم آواز میں سر جھکائے اعتراف کیا تھا، ماں ششدر تھیں، کتنے ہی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے، انہوں نے تصویر رکھ دی۔

"کوئی راہ؟" پھر امی نے ہی استفہامیہ ابرو اچکا کر دریافت کیا۔

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

اردو کی آخری کتاب

طنز و مزاح

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37310797, 042-37321690

''نہیں کچھ باقی نہیں بچا میں نے سب کچھ اپنے ہاتھوں سے گنوایا۔'' اس کی آواز بوجھل انداز دلگیر تھا، ماں کا دل دکھ سے کٹنے لگا۔

اپنے ہاتھوں میں تھامے اس کے مضبوط ہاتھوں پر قدرے دباؤ ڈال کر گویا ہوئیں۔

''میرے پیارے بیٹے زندگی میں اگر حسب منشاء نہ ملے تو زندگی سے بیزار رویہ مت اپنانا چاہیے ہوسکتا ہے زندگی آگے اپنے دامن میں ہمارے لئے خوشیوں کا گلدستہ لئے کھڑی ہو۔''

''آپ مجھے امید مت دلائیں۔'' وہ جیسے بے بسی کے احساس سے کراہا۔

''کیسے نہ دلاؤں امید ہی تو واحد ہتھیار ہے جس کے سہارے زندگی بتائی جاسکتی ہے۔''

وہ اپنے ذمہ دار پیارے بیٹے کو امید کے جگنو پکڑنے کی ترغیب دے رہی تھیں، حارث ہولے ہولے نفی میں سر ہلائے گیا۔

ماں، وہ نہیں جانتی تھیں کہ جگنو تو ان کے ہاتھ میں آتے ہیں جو سچ اور حق کے راہی ہوں، وہ تو...... وہ تو باطل تھا دغاباز تھا پھر امید کیسے اسے نظر آتی امید تو زیست کی روشنی ہوتی ہے اور وہ یہ روشنی گل کر چکا تھا۔

اب گلہ کرے تو کیا کرے شکوہ کرے تو کس سے، وہ ایک بار پھر خود ترسی کا شکار ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

زید خان نہیں جانتا تھا کہ فلاح نامی وہ سودائی، خبطی، پاگل، دیوانی لڑکی اسے کیا کہہ رہی ہے، اس کا دماغ ماؤف تھا۔

وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھونے لگا تھا، فلاح جانتی تھی کہ کتنی مشکلوں سے وہ اسے ملنے آئی ہے بمشکل آنسوؤں کو روکتے وہ بس اسے سنا رہی تھی وہ باتیں جو اس نے کبھی اس سے کی بھی نہیں تھیں اس لڑکی کی آنکھوں میں امید چہرے پر آس لبوں پر سوال تھے اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا وہ (فلاح) قدرے لڑکھڑائی پھر اگلے ہی پل نیچے آ رہی، گھبراہٹ ہڑبڑاہٹ اتنی تھی کہ وہ اسے سنبھال ہی نہ پایا، فلاح کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح اسے ہسپتال پہنچایا، کیسے وہ حارث رحیم کے گھر پہنچا، اس کا ذہن بلینک تھا۔

حارث نے اسے قدرے تحیر و پریشانی سے ریسیو کیا تھا جو اس کا دماغ سمجھانا چاہتا تھا وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا، کتنے عرصے سے وہ اس لمحے کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا مگر۔

اس کا دل زور سے دھڑکا، اسے بولنے میں کتنی دقت ہو رہی تھی، اندازہ مشکل نہیں تھا، وہ قدرے اٹک اٹک کر زید خان سے بولا۔

''سر...... سر خیریت؟'' یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ وہ از حد شرمندہ تھا، زید خان کچھ بولے بنا بغور اسے دیکھتا رہا، پھر ہولے ہولے نفی میں سر ہلاتے گویا ہوا تو آواز سخت لہجہ درشت تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے جھوٹے سنگ دل ظالم بھی ہوسکتے ہو کسی معصوم انجان دل سے کھلونے کی مانند کھیلنا اور...... اور بیچ راستے میں بزدلوں کی طرح بھاگ جانا اتنے گھٹیا پن کا مظاہرہ کرنا آئی کانٹ بلیو اٹ۔'' مزید بڑبڑایا۔

''غلط راستے غلط طریقے اف میرے خدایا کیا چیز ہو تم حارث رحیم۔'' اسے امید نہیں تھی فلاح کی اتنی جلدی زید خان سے ملاقات ہوگی، تو حارث وہ شاکڈ تھا، زبان گنگ وجود ساکت، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے سر اٹھا کے

دیکھتا۔

"اس کا بھی تو نام استعمال کر کے اسے دھوکہ دیا تھا۔"

اس کی خاموشی سے زید کا گویا خون کھول اٹھا، دو قدم وہ آگے آیا سرعت سے ہاتھ بڑھا کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

حارث نے چونک کر اسے دیکھا پھر خود کو اس کے سامنے ڈھیلا چھوڑ دیا، وہ اس کا مجرم تھا اسے حق تھا چاہے جو سلوک کرتا، زید نے جھٹکا دے کر اسے قدرے اپنے نزدیک کیا، حارث لب بھینچے کھڑا رہا۔

"تمہاری غلطی کی وجہ سے جذباتی بے وقوف لڑکی کی زندگی آج داؤ پر ہے۔" قدرے زور سے گریبان جھٹک کر چھوڑ دیا، حارث ہلکے سے لڑکھڑایا، پریشانی اضطراب بے چینی سے زید کو دیکھا۔

"کیا ہوا اسے وہ..... ٹھیک تو ہے نا؟" اس کا لہجہ تشویش زدہ تھا، زید اسے استہزائیہ انداز میں دیکھ کر رہ گیا۔

"جب اتنی ہی پرواہ تھی تو سچ کو جھٹلایا کیوں؟ حقیقت کیوں نہیں بتائی اسے؟" وہ ایک بار پھر بگڑا تھا، لیکن لہجہ اس بار سختی سے ماورا تھا۔

"میں...... میں اسے کھونے سے ڈرتا تھا میری حیثیت اس کے آگے صفر تھی اسے مجھ سے دلچسپی نہیں تھی میری ذات ارزاں تھی اس کی نظر میں۔"

خود ترسی انتہا پر تھی یا شاید احساس کمتری زید سمجھ نہ سکا، اسے اس پر از حد ترس آیا، مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا، لبوں پر دلکش مسکراہٹ سجائے گویا ہوا۔

"محبت سچی ہو تو اپنا آپ منوا لیا کرتی ہے، وہ میری شخصیت سے زیادہ تمہارے بھونکے گئے لفظوں کے سحر میں گرفتار تھی اور تا زیست اس اسیری میں رہنا چاہتی ہے۔"

"کیا؟" حارث رحیم بھونچکا ہوا، اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا، وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا رہا۔

جبکہ زید خان (دی ریئل ہیرو) نے شانت ہو کر سوچا تھا کہ جب حارث اس جھٹکے سے سنبھلے گا تو یقیناً فلاح کو جا کر منائے گا معافی مانگے گا اور یقیناً وہ تھوڑا تڑپا کر تنگ کرنے کے بعد مان ہی جائے گی، کیونکہ ان دونوں دیوانوں کا مشترکہ خواب زیست ایک دوسرے کی ہمراہی ہی تھا اور یہ بات زید کو فلاح سے ملنے کے بعد سمجھ آ گئی تھی، تبھی اس نے وہیں اس کو ساری بات بتا دی تھی کہ فون پر وہ زید سے نہیں حارث سے بات کرتی تھی اور اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ جان گیا تھا وہ زید کی شخصیت سے نہیں بلکہ حارث کے لفظوں کے سحر میں جکڑی ہے، تبھی وہ جھٹکا برداشت نہیں کر پائی اور ہسپتال جا پہنچی، زید نے دو دن مسلسل ہوسپٹل میں گزارے اور اس کا برین واش کیا، فلاح کو بھی پتا چل گیا زید میں صرف اسکرپٹ پر لکھے ڈائیلاگ کا کھلاڑی ہے جبکہ حارث دل سے نکلے جذبوں کا شہنشاہ تھا، اسکرپٹ تو بدلتے رہتے ہیں مگر دل میں پلتے جذبے کبھی نہیں بدلتے، غلط فہمیوں کے چھٹنے کے بعد ایک نئے روشن سال کا پہلا دن ان کا منتظر تھا۔

☆☆☆

متعال سے اس جرأت اور محبت کی توقع نہ تھی جو اس مشکل گھڑی میں اس کے سامنے اس کی ڈھال بنا کھڑا تھا۔

''ہائے اللہ، یہ کیسا وقت آگیا ہے ایک بیٹے کو اس پچھل پیری کی وجہ سے گھر سے بے گھر ہونا پڑا ہے اور دوسرے کو دیکھو کیسا زن مرید بنا پھر رہا ہے۔'' سطوت نے اپنا ماتھا پیٹتے ہوئے ذمامہ کو کوسا تو سب گھر والے گھبرا اٹھے۔

''باذل پر پابندی میں نے نہیں لگائی، اس کا اپنا کیا آگے آیا ہے اگر کبھی غور کیا ہوتا اولاد کی تربیت پر تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، مگر آپ لوگوں کو اپنی پارسائی پر گھمنڈ ہی بہت تھا، آپ لوگوں کا اپنا کردار کیا ہوگا جو اولاد کی صورت میں سزا ملی ہے، نا خود دودھ کے دھلے تھے اور نہ ہی اولاد نیک و پارسا ہے۔'' ذمامہ نے خود کو متعال سے دور کرتے ہوئے طنز کے تیر برسائے اور اپنے کمرے میں آگئی۔

زندگی کس دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی، وہ بے قصور تھی مگر زمانے نے سارا قصور اس کے ہی کھاتے میں ڈالو دیا تھا، وہ بے گناہ تھی اور گناہ گار کوئی اور تھا، وہ بدکار، حقیر، احسان فراموش اور ذلیل گردانی جاتی تھی، وہ آج بھی اتنی ہی پاکدامن تھی مگر ہر کوئی اسے ہی بدچلن سمجھتا تھا یہاں تک کہ گھر کے ملازموں کی نظر میں بھی اس کے لئے تحقیر تھی، وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اپنے نصیب پر ماتم کناں تھی کہ اس کا ہمدرد اور جیون ساتھی متعال اندر آگیا، ذمامہ کو یوں اذیت میں دیکھ کر وہ بھی تڑپ اٹھتا تھا، کتنی عجیب صورتحال تھی کہ وہ دونوں مل تو گئے تھے مگر دریا کے کنارے تھے جو ساتھ ساتھ چل رہے تھے مگر الگ الگ سمت میں۔

''ذمامہ کیوں خود کو تنہا سمجھتی ہو، میں ہوں نا سکتی ہوں ہاں البتہ آپ کے دونوں لاڈلوں کا خون گندا ہے اس کا پہلے شک تھا اب یقین ہو گیا ہے، گندا خون گھٹیا ذہنیت۔'' ذمامہ نے گویا سب کے سامنے حاجی صاحب کو گالی دے ڈالی تھی، حاجی عبید کے لئے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، وہ جلال بھرے انداز میں اٹھے اور ایک زور دار طمانچہ ذمامہ کے منہ پر مار دیا، بڑی اماں اپنی جگہ ساکت رہ گئیں، تو گل رعنا نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں، سطوت مسرور ہوئے بنا نہ رہ پائیں، ذمامہ کے ہونٹوں کے دائیں گوشے سے خون بہنے لگا تھا، حاجی صاحب نے دوسرا تھپڑ مار دیا تھا اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی کہ کسی کے مضبوط ہاتھوں نے اسے تھام لیا تھا۔

''بابا یہ بیوی ہے میری، آپ لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے یوں ذلیل وخوار کریں اس روز یہ کمرے میں تنہا نہیں تھی میں بھی تھا پھر صرف یہی قصوروار کیوں ہے کیوں آپ لوگوں کی نظر میں یہ بدکار ہے، تو پھر میں بھی بدکار ہوں۔'' وہ اسے بانہوں کے گھیرے میں لے کر اس کی وکالت کر رہا تھا، وہ سب سے بس اس کی خاطر لڑ رہا تھا، ذمامہ سکتے کے عالم میں کھڑی تھی، اسے

مشہور مزاح نگار ابنِ انشاء
کی تازہ ترین کتاب
نگری نگری پھرا مسافر
قیمت
شائع ہو گئی ہے۔
قریبی بک سٹال سے
یا ہم سے طلب فرمائیں
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

تمہارے ساتھ ہر قدم پر۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت بھرے انداز میں گویا ہوا، اس کا ہاتھ ذمامہ کے شانے پر دھرا تھا۔

اس کا لہجہ محبتوں کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا، مگر وہ ابھی غم کی حالت میں تھی جس میں محبت پر یقین نہ تھا، بے اعتباری تھی۔

''نہیں چاہیے مجھے کسی کی محبت اور ہمدردی۔'' نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئی وہ زہرخند لہجے میں بولی۔۔

متعال تاسف سے اس کا غمگین چہرہ دیکھتا رہ گیا تھا، جو اس بات سے بے خبر روئے جا رہی تھی کہ کوئی تھا جو اس کے لئے تڑپتا تھا، جسے اس کا غم رلاتا تھا۔

☆☆☆

کبھی کبھی دل یہ چاہتا ہے
تمہاری شاموں کا احوال پوچھوں
سوال پوچھوں
کہ فکر فردا میں کیسی گزری
یونہی کبھی میرا نام آیا تمہارے ہونٹوں پہ ایک پل کو
میری محبت کی یاد مہکی کبھی تمہارے بھی راستوں میں
کبھی کسی دن تمہاری صبح در پہ جاگی صدائے دستک۔
کبھی عبادت کی کیفیت میں تمہیں میرا بھی گمان گزرا
تمہارے صحن دعا سے میرا بھی دھیان گزرا
کبھی کبھی دل یہ چاہتا ہے سوال پوچھوں
مگر میں چپ ہوں
ہمارے مابین یہ جو دیوار اجنبیت ہے یہ غنیمت۔
اسی میں تو قہر حرف ولب ہے
یہیں پہ ترک مطلب کی حد ہے

''ذمامہ میں کینیڈا بزنس ٹور کے لئے جا رہا ہوں۔'' بہت دیر بعد وہ خود ہی بولا تھا، ذمامہ یونہی بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی، یوں جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو یا پھر اس بات سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

''پوچھو گی نہیں کہ کب واپس آؤں گا۔'' وہ درد سے مسکراتے ہوئے استفسار کر رہا تھا، وہ چپ رہی تھی بالکل جامد خاموشی چھائی تھی ہر طرف، متعال نے امید بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا مگر جواب ندارد۔

وہ اسے نظر انداز کیے صرف سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی جیسے وہ متعال سے زیادہ اہم ہو، آنسو ابھی بھی گالوں پر پھسل رہے تھے، متعال کے اندر سے ہوک سی اٹھی تھی، دل چاہتا تھا کہ ذمامہ لڑے جھگڑے، اپنا ہر غم ہر خوشی اس سے شیئر کرے روٹھے منائے، فرمائش کرے، اس کے جانے پر خفا ہو، کوٹ سوٹ کیس چھین کر اس کے سینے سے لگ جائے کہ ''مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے'' مگر یہاں تو کچھ بھی نہ تھا فقط خاموشی تھی اور لاتعلقی۔

وہ اٹھا اور خاموشی سے چلتا ہوا اس کے سامنے پنجوں کے بل آ بیٹھا، اس کے ہونٹ سے ابھی بھی خون رس رہا تھا، متعال نے اپنے رومال سے خون صاف کرنا چاہا تھا کہ ذمامہ ہاتھ کے اشارے سے روک کر اجنبیت کی دیوار درمیان میں کھڑی کر دی۔

''کتنی بار کہوں کہ مجھے آپ کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بیگانگی سے بولتی ہوئی اسے مزید نڈھال کر گئی تھی۔

ذمامہ کے سرد رویے نے متعال کے جذبات کی تپش کو بھی منجمد کر دیا تھا، وہ کیسے بتاتا کہ مجھے تم سے ہمدردی نہیں، صرف محبت ہے،

محبت بھی وہ جو پہلی نظر میں ہو جائے، ذمامہ سے شادی کا فیصلہ اس نے ہمدردی یا کسی جذباتی لمحے میں آ کر نہیں کیا تھا، بلکہ پوری ہوشمندی سے کیا تھا، کیونکہ اس کی محبت خالص تھی کوئی کھوٹ نہیں تھا اس محبت میں، وہ تو اس کے غم لے کر صرف خوشیاں اس کی جھولی میں بھرنے کا متمنی تھا۔

''ذمامہ! آخر یہ کب تک یونہی چلے گا، تم کب تک یونہی مجھ سے روٹھی رہو گی جانتی بھی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں کیا ہاں اگر باذل کا بھائی ہونے کا قصوروار ہوں، مگر میں تو خود اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، یہاں کے حالات کو ٹھیک سے نہیں جانتا، یہاں کیا ہوا وہ میرے علم میں نہیں ہے، صرف وہ جو میں نے آنکھوں سے دیکھا یا پھر بابا کی دوسری بیوی گل رعنا نے بتایا، سچ کہا ہے جھوٹ کیا ہے تم جانتی ہو یا پھر اللہ جانتا ہے، مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ ذمامہ بدکار ہرگز نہیں ہے۔'' متعال دلی جذبات کا اظہار کر رہا تھا، ذمامہ کے چہرے کے تاثرات مزید سخت ہوتے جا رہے تھے، آنکھوں سے نفرت عیاں تھی، متعال نے بے بسی سے گہرا سانس خارج کیا خود کو چند لمحوں کے لئے ریلیکس کرنے لگا۔

''دیکھو ذمامہ، میرا زندگی کا یہ تجربہ ہے کہ ایسے معاملات جس میں کوئی عورت مرد کے ظلم کا شکار ہوتی ہے اور بات اس کی عزت کی حد تک پہنچ جائے تو ایسے معاملے میں لڑکی کو اپنوں کو اس بات سے آگاہ کر دینا چاہیے، کیونکہ جب صورتحال زیادہ خراب ہوتی ہے تو نقصان سارا لڑکی کا ہی ہوتا ہے مرد صاف بچ نکلتا ہے۔'' وہ آگے مزید بولنا چاہتا تھا کہ ذمامہ نے بات کاٹ دی۔

''باذل کی دفعہ بتایا تھا، شور مچایا تھا مگر کسی کو میری بات پر یقین نہیں آیا تھا، سارا الزام مجھ پر ڈالا گیا اور جندب کو بھی ناحق مجرم سمجھا گیا۔'' جندب کے نام پر متعال خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا، دل کی کیفیت ایکدم ہی بدلنے لگی تھی، جندب کا تعارف سن چکا تھا، یہ بھی کہ وہ ذمامہ کو پسند کرتا تھا اور گل رعنا سے متعدد بار ذمامہ کے رشتے کی بات کر چکا تھا، جو ذمامہ کا بے حد خیر خواہ تھا۔

''باذل نے یہاں آنا غیرت میں آ کر نہیں چھوڑا، بلکہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی وجہ سے چھوڑا اب ہوسٹل میں چھپا بیٹھا ہے، مجھ سے نظریں ملانے کے قابل جو نہیں رہا کہ وہ جس بے سہارا لڑکی کی عزت پر حملہ کرنا چاہتا تھا قسمت نے اسے اس کے بھائی کی بیوی بنا دیا ہے۔'' اس کا ایک ایک لفظ سلگ رہا تھا۔

''پھر آپ کے معاملے میں کس نے مانا کہ میں بے قصور ہوں، میرا کردار پاک ہے، ساری رات آپ کے کمرے میں گزار دی، ایک بھائی کو نہیں پھانس سکی تو دوسرے پر ڈورے ڈال لئے، آخر میرا کیا قصور ہے کہ ہر بار میں ہی مجرم بن جاتی ہوں، قصوروار و مجرم کوئی اور ہوتا ہے اور آزاد پھرتا ہے اور مجھے سنگساری کی سزا دی جانی چاہیے۔'' وہ چلائی تھی۔

''ریلیکس ذمامہ ریلیکس، ساری تلخ باتوں کو بھول جاؤ، باذل اب تمہیں نہیں ستائے گا، مگر اب تم مجھے اس شخص کا نام بتاؤ جو تمہیں ستا رہا ہے، میں اسے زندہ زمین میں گاڑ دوں گا، کیونکہ ذمامہ غریب اور بے سہارا ضرور تھی مگر بدچلن نہیں جس کا گواہ میں خود ہوں۔'' متعال کے یقین پر ذمامہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا جندب کے بعد دوسرا شخص تھا جو ذمامہ کے کردار کی قسم کھا رہا تھا، ورنہ ہر کسی نے اس پر صرف پتھر برسائے

تھے۔
''میں نہیں بتا سکتی اس منافق کا نام، کیونکہ آپ کی ساری ہمدردی سارا یقین نفرت میں بدل جائے گا اور اب میں اپنی ذات کو ارزاں نہیں ہونے دوں گی، اب میں اس کا نام نہیں بتاؤں گی اسے بے نقاب میرا خدا کرے گا، جسے رشتوں کے تقدس کا بھی خیال نہیں۔'' متعال جتنا معاملے کو سلجھانا چاہ رہا تھا وہ الجھتا جا رہا تھا، ذمامہ کی ایک چپ نے بہت سے رازوں پر قفل گرا دیئے تھے۔

''تو پھر ٹھیک ہے ذمامہ، اس بات کا فیصلہ اللہ پر چھوڑتے ہیں، تمہیں اب دنیا کے سامنے با کردار وہ خدا کرے گا اور اس منافق کو بے نقاب بھی، میں کچھ عرصے کے لئے تم سے دور جا رہا ہوں، کبھی کبھی قربتوں میں ایک دوسرے کی قدر نہیں ہوتی مگر دوریاں ایک دوسرے کی کمی کا احساس دلاتی ہیں۔'' متعال نے ایک بار پھر سے اپنا اور اس کا رشتہ یاد دلاتے ہوئے اس کے دل پر محبت بھری دستک دی تھی، وہ اٹھ کر جانے ہی لگا تھا کہ واپس پلٹ آیا۔
''یہ لو موبائل، تمہارے لئے لیا تھا، اس میں صرف میرا نمبر محفوظ ہے، اب جو مزید نمبر تم محفوظ کرنا چاہو تمہاری مرضی ہے۔'' اس کا اشارہ جندب کی طرف تھا۔
دل میں ابھی بھی خوف تھا شاید ذمامہ ابھی جندب کو چاہتی ہے اسے یاد کرتی ہے۔
''کوئی بھی مسئلہ یا پریشانی ہو مجھے کال کر لینا جہاں بھی ہوا پر لگا کر اڑتا ہوا تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔'' وہ جا چکا تھا۔
اس کے جانے کے بعد ذمامہ صرف اس کے بارے میں سوچ رہی تھی صرف اسے سوچ رہی تھی، جس کے گہرے لفظوں میں محبت چھپی تھی، خلوص تھا، احساس تھا، حادثاتی طور پر ہی سہی وہ دونوں ایک دوسرے کے جیون ساتھی بن گئے تھے مگر کتنا اعتماد تھا اسے ذمامہ کی ذات پر۔
''نہیں مجھے اس شخص کی ذات پر اعتبار نہیں کرنا، نہیں سوچنا اس کے بارے میں۔'' اس نے خود کو ڈپٹا، اسے صرف جندب پر اعتماد تھا جو واقعی قابل اعتبار تھا، جسے حالات کے ظالم ہاتھوں نے اس سے دور کر دیا تھا۔
''نا جانے کہاں ہو گا؟ کس حال میں ہو گا؟'' اذیت کی گھڑیوں میں اپنا مخلص دوست یاد آیا تو آنکھیں ڈبڈبا گئیں، ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ پر چونکی۔
''تم ٹھیک ہو ذمامہ؟'' گل رعنا کا لہجہ افسردہ سا تھا۔
''جی۔'' یک لفظی جواب کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا، اس کے ہونٹوں سے رستا خون جم چکا تھا مگر اندر کتنے ہی زخم ہرے ہو گئے تھے، جن سے خون بہہ رہا تھا، گل رعنا کو اس پر بے حد ترس آیا تھا۔
''بہت زیادتی کی حاجی صاحب نے، یوں سب کے سامنے تمہیں مارنا نہیں چاہیے تھا، اب تم ان کی بہو ہو۔'' گل رعنا اس کی ذلت کو دل سے محسوس کر رہی تھی۔
''بہو۔'' نخوت سے کہتے ہوئے اس نے سر جھٹکا۔
''مرد اپنا کھلایا ہوا بھولتا نہیں ہے اور پھر کسی غیر پر اپنا مال خرچ کرے تو پھر سود سمیت وصول کرتا ہے۔'' ڈھکے چھپے انداز میں گہرا طنز گل رعنا کو چونکا گیا۔
''مگر ذمامہ، تم تو ان کے مرشد کی اولاد ہو، انہوں نے تمہاری کفالت کر کے کوئی احسان نہیں کیا، یہ ان کا فرض تھا، تمہارے دادا نے خود

تمہاری ذمہ داری سونپی تھی، اپنا علم بخشا، ظاہر و باطن سنوارا تربیت کی اپنا گدی نشین بنایا مگر......''
شہادت کی انگلی گال پر رکھے وہ پرسوچ انداز میں توقف کرتے ہوئے خاموش ہوئی تو ذمامہ اسے دیکھنے لگی۔
''حاجی صاحب کے ہاتھ میں اب شفاء پہلے والی نہیں رہی، پتہ نہیں اب کیا ہو گیا ہے، نذر نیاز تو پہلے کی طرح کرتے ہیں، مگر اب وہ بات نہیں رہی، پہلے تو ہاتھ اٹھاتے تھے اور دعا مقبول ہو جاتی تھی، کسی بیمار پر دم کرتے تو وہ بھلا چنگا ہو جایا کرتا تھا، مگر اب بہت تبدیلی آ گئی ہے۔'' گل رعنا کی بات پر ذمامہ کا دل چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے، مگر ضبط کیے رہی۔
''جو خود مبتلائے مرض ہو جائے اس کے ہاتھ سے کسی کو کیا شفاء ملے گی۔'' ذمامہ نے زہر بھری بڑبڑاہٹ کی تو گل رعنا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
''کیا مطلب؟''
''کچھ نہیں۔'' ذمامہ نے بات کو ٹالنا ہی مناسب سمجھا جبکہ ہوش و خرد اکسا رہے تھے، کہ گل رعنا کو سب بتا دے، اس منافق کی پارسائی کو بے نقاب کر دے، مگر وہ ہمت جمع نہیں کر پا رہی تھی اور اس کی کم ہمتی کے پیچھے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاید گل رعنا اس کی کسی بات کا یقین ہی نہ کرے اور ذمامہ اس کوٹھی کا ایک اور ہمدرد کھو بیٹھے اور گل رعنا بھی سطوت کی طرح اسے طعنے دینے لگ جائے کہ ''ہاں جی اسی حور پری کو ہر کوئی ستاتا ہے'' مگر اس بار تو صورتحال بڑی خوفناک تھی اس کو صرف ہلکا پھلکا ستایا نہیں جا رہا تھا بلکہ کوئی ہوس پرست اسے اپنی ہوس پرستی کا نشانہ بنانا چاہ رہا تھا۔
''کس سوچ میں گم ہو گئی ہو ذمامہ؟'' گہری سوچوں میں غلطاں و پیچاں گل رعنا نے اسے دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ پائی۔
''نہیں......بس وہ۔'' ذمامہ لب کچلتے کچھ ہچکچائی۔
''بولو ذمامہ، اگر کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ شاید میں تمہارے کام آ سکوں، میں سطوت جیسی نہیں ہوں جس نے ایک محتاج بے سہارا لڑکی کے ساتھ خواہ مخواہ کی دلی دشمنی پال رکھی ہو، ویسے بھی متعال اکثر ذکر کر چکا ہے مجھ سے کہ تم گھبرائی ہوئی خوفزدہ سی رہتی ہو، بتاؤ کیا ماجرا ہے میری جان۔'' گل رعنا نے اسے محبت سے پچکارا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔
''اس روز جو میں متعال کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہو گئی کیا آپ بھی مجھے برے کردار کی سمجھتی ہیں گل رعنا؟''
ذمامہ اصل ماجرا بیان کرنے کی ہمت نہ کر پائی تو پرانا ہی قصہ چھیڑ بیٹھی۔
''ارے نہیں پگلی، میں تنگ نظر ہرگز نہیں ہوں، ہمارے معاشرے نے تو دستور بنا لیا ہے کہ زبان ہلاؤ اور عورت کو بدچلن قرار دے دو وہ بھی بلا تصدیق کیے، نہ میں تمہارے بارے میں ایسا کچھ سوچتی ہوں اور نہ ہی متعال کے بارے میں۔'' گل رعنا نے وسیع النظری کا ثبوت اپنی باتوں سے دیا تو ذمامہ مشکور نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
''لیکن ذمامہ۔'' گل رعنا کا طرز تخاطب کچھ اس طرح کا لگا کہ ذمامہ چونک سی گئی۔
''میں آج بھی حیران ہوں کہ وہ سازش تم دونوں کے خلاف کی کس نے تھی، اگر بازل یہاں ہوتا تو شاید میں اس کو ذمے دار قرار دیتی کہ اس نے تم سے انتقام لینے اور تمہیں ہر چھوٹے بڑے کی نظر میں رسوا کرنے کے لئے یہ انتقامی کاروائی

کی، اگر یا دل نہیں تو پھر کون ہے تمہارا دشمن، جس نے اتنی سنگین حرکت کی۔'' گل رعنا کڑی سے کڑی ملاتو رہی تھی مگر اصل بات کی تہہ تک پھر بھی نہیں پہنچ پا رہی تھی، ذمامہ نے جس بات کو چھپانے کے لئے موضوع بدلا تھا بات گھوم پھر کر وہیں آ کھڑی ہوئی تھی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے ذمامہ خود کو سنبھالو۔'' گل رعنا نے اسے تسلی دینے کی ناکام سی کوشش کی۔

''ذمامہ تمہاری حالت دیکھ کر مجھے اپنی بے بسی اور مجبوری یاد آ جاتی ہے۔'' گل رعنا کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں تھیں۔

''کیسی مجبوری؟'' ذمامہ رونا بھول کر اس کی بات پر چونکی۔

''ہاں جب حالات نے مجھے حاجی عبید کے سامنے مجبور کر دیا تھا، میرے باپ کی بیماری نے مجھے اتنا لاچار کیا کہ میں حاجی عبید کے در پر ہاتھ پھیلانے چلی آئی، وہ شخص جو اس علاقے کا سب غریب پرور تھا جس کے در سے کوئی بھوکا پیاسا نہیں جاتا، جو دونوں ہاتھوں سے غرباء میں اللہ کا دیا ہوا تقسیم کرتا ہے، اس شخص نے میری مجبوری کو خریدا تھا۔'' گل رعنا کا لہجہ زخموں سے چور تھا۔

''حاجی عبید نے میری مدد کرنے کی بہت بڑی قیمت وصول کی تھی۔'' گل رعنا کی بات پر ذمامہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہ گئی۔

''جانتی ہو، اس شخص نے مجھے کہا تھا کہ مجھ سے شادی کر لو، اتنی کڑی شرط سن کر میرے پیروں سے زمین نکل گئی، اس شخص نے ایک پل کو بھی نہیں سوچا تھا کہ میں اس کی بیٹی کی عمر کی ہوں، میرے خواب، میرے ارمان، میرے بچپن کی محبت۔'' وہ سسکی تھی۔

''سب کچھ اس مجبوری نے نگل لئے تھے، میں نے اپنا دل مار کر صرف اپنے باپ کی زندگی کی خاطر خود کو حاجی عبید کے سپرد کر کے اس قید خانے میں ہمیشہ کی قید اپنا مقدر بنا لی، جانتی ہو میری مجبوری کی قیمت کتنی تھی؟'' گل رعنا نے شکستہ لہجے میں سوال کیا۔

''کتنی؟''

''پانچ لاکھ، پانچ لاکھ کے عوض مجھے اپنا آپ کھونا پڑا، اپنا دل مارنا پڑا، اپنی ذات کی نفی کرنی پڑی۔'' گل رعنا خاموش ہو گئی تھی مگر آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، ذمامہ پتھر بنی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

''یہ ہے اس پارسا کا اصل چہرہ، جو لوگوں کی مجبوریوں کو خریدتا ہے، جو ایک ایک نوالے کا بدلہ لیتا ہے، اب ایسے شخص کے ہاتھ سے شفاء نہ جائے تو اور کیا ہو، ایسے شخص کی دعائیں مستجاب نہ ہوں تو اور کیا ہو؟'' گل رعنا کی بات پر ذمامہ کا دل تنفر سے بھر گیا تھا، اس کا دل چاہا کہ آج وہ گل رعنا کو سب بتا دے، ساری حقیقتیں بے نقاب کر دے مگر پھر سے ہمت ساتھ چھوڑ گئی۔

''تم خوش قسمت ہو ذمامہ تمہیں آزمائشوں اور تکلیفوں کے بعد متعال کی صورت میں انعام ملا میں جانتی ہوں اسے وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے جندب سے بھی زیادہ تمہارا خیال رکھے گا، وہ چاہتا تو تمہیں مصیبت کی گھڑی میں تنہا چھوڑ جاتا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔'' گل رعنا بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔

''گل رعنا، جندب کیسا ہے؟ کس حال میں ہے؟'' ذمامہ کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے، گل رعنا اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔

''کیا حال ہو سکتا ہے اس پگلے کا، مگر وقت نے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہے، بہت بار تم سے ملنے کی ضد کرتا رہا، کبھی تمہارے نام خط دیتا تھا مگر

میں تمہیں نہ دے سکی کیونکہ تمہاری متعال سے شادی ہو گئی ہے، اب وہ تمہارا ذکر نہیں کرتا۔"
گل رعنا مزید کچھ بولتی رہی مگر ذمامہ سن ہی کہاں رہی تھی، سارا وجود بے دم ہونے لگا اور آنسو تو جیسے آنکھوں میں جم سے گئے تھے، گل رعنا اٹھ کر جانے لگی تھی کہ واپس پلٹ آئی۔

"ذمامہ! تم بھی ایک کشتی میں سوار ہو جاؤ، کیوں دو کشتیوں میں سوار مسافر کو کبھی بھی ساحل نصیب نہیں ہوتا، جندب کو بھول کر متعال کو دل و جان سے قبول کر لو، اب یہی تمہارا نصیب ہے۔"
بہت گہری بات کر کے گل رعنا جا چکی تھی مگر ذمامہ کی بے پتواروں کی کشتی بیچ بھنور میں ہچکولے کھانے لگی، جندب کی یاد نے دل میں ہلچل مچائی تو متعال کے تصور سے بھی گھن آ رہی تھی۔

تنہائی بے قابو ہونے لگی تھی تو ماضی کی بھیانک یادوں کا جھکڑ پھر سے منہ زور ہونے لگا تھا، وہ خوفناک دن جب وہ کوٹھی میں تنہا تھی سب گھر والے کسی فنکشن میں گئے ہوئے تھے، باذل نشے میں دھت اس کے کمرے میں چلا آیا اور کمرہ لاک کر لیا۔

"کیا سمجھتی تھی خود کو کہ بچ جائے گی میرے ہاتھ سے، اور تمہارا وہ عاشق جندب، اس کا وہ حال کروں گا کہ کسی کو لاش بھی نہیں ملے گی۔"
باذل زخمی شیر بنا اس پر حملہ آور ہوا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے، خبردار جو میرے قریب آئے۔" ذمامہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی اپنا آپ بچا رہی تھی، باذل نشے میں لڑکھڑایا تو ذمامہ دروازہ کھول کر باہر بھاگ گئی، سامنے ہی جندب آتا دکھائی دیا، ذمامہ روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی، بکھرے بال، برہنہ پا، اجڑا حلیہ دیکھ کر جندب کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا، باذل اس کے تعاقب میں آیا تھا ذمامہ کا دوپٹہ اس کے ہاتھ میں تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ذمامہ کی عزت تار تار کرنے پر تلا تھا، باذل نے جب دونوں کو ساتھ دیکھا تو کمال ہوشیاری سے دونوں کی موبائل میں تصویر محفوظ کر لی اور دونوں کو ہی مجرم قرار دے ڈالا۔

جب گھر والوں کے علم میں سارا قصہ آیا تو سب نے مار مار کر جندب کو لہولہان کر دیا جس میں باذل پیش پیش تھا، وہ چیختا رہ گیا مگر کسی نے ایک نہ سنی، ذمامہ نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تو حاجی صاحب شش و پنج کا شکار ہوئے، باذل گھبرا اٹھا، حاجی صاحب نے باذل پر گھر آنے پر پابندی لگا دی کہ اب وہ مستقل ہوسٹل میں ہی رہے گا اور جندب کو بے قصور ہوتے ہوئے بھی شہر بدری پر مجبور کر دیا گیا۔

وہ جو ماضی کی یادوں میں کھوئی آنسو بہا رہی تھی کہ ڈور ناب گھمانے کی آواز پر چونکی، کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا، ذمامہ خوف و گھبراہٹ کا شکار ہوئی تو احساس ہوا کہ وہ کمرے میں تنہا تھی متعال یہاں موجود نہیں تھا، آج پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ متعال کے ہوتے ہوئے کوئی اس کمرے میں نہیں آ سکتا تھا۔

"کک...... کون؟" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"دروازہ کھولو۔" وہ خونخوار انداز میں غرایا۔
آواز سن کر ذمامہ کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ باہر وہی شیطان موجود تھا۔

"کیا کروں؟" دروازہ کھولنے کی کوشش مسلسل جاری تھی، وہ بھول کر بھی کھولنے کی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔

"ذمامہ، عورت بہت غلط کرتی ہے جب ایسے معاملات میں بات کو چھپاتی ہے، مرد شیر

ہوتا جاتا ہے اور سارا قصور عورت کے سر پر ڈال دیا جاتا ہے۔'' جندب اور متعال کی باتیں ایک ساتھ اس کے دل کے ایوانوں میں گونجی تھیں۔

دروازے پر دستک میں شدت آتی جا رہی تھی وہ جانتی تھی کہ باہر کھڑا شخص غصے سے کھول رہا تھا وہ متعال کی غیر موجودگی کا فائدہ جو اٹھانا چاہتا تھا۔

''یا اللہ میری حفاظت فرما۔'' دل میں دعا کرتی اپنی سسکیوں کو دباتے ہوئے وہ کمرے کے ایک کرنے میں فرش پر بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

''یا اللہ، آخر میں نے اس شخص کا کیا بگاڑا ہے جو میری عزت کا دشمن بنا ہوا ہے۔'' اپنے پیاروں کو یاد کرتے کرتے دل کے محراب سے کسی نے ایک نام پکارا تو وہ چونک اٹھی۔

''متعال!'' دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں، آج پہلی بار اسے جندب کی بجائے متعال کا خیال آیا تھا۔

''کاش میں متعال کو اس بھیڑیئے کا بتا دیتی۔'' وہ افسوس کرنے لگی۔

''سیدھی طرح سے دروازہ کھول دو ورنہ؟''

باہر سے دبی دبی سرگوشی اسے لرزا گئی تھی مگر دروازہ کھولنے کی ہمت نہ کر پائی، وہ بس روئے چلی جا رہی تھی۔

اذان سحر بلند ہوئی تو وہ شیطان دروازے پر مکا مار کر رخصت ہوا تھا، باہر خاموشی چھا گئی تو ذمامہ نے احساس تشکر سے آنکھیں بند کر لیں، اسی پل فون کی بیل گنگنائی تو اس نے بھاگ کر فون ریسو کیا۔

''ارے واہ، پہلی بیل پر ہی ریسو کر لیا، لگتا ہے مجھے مس کر رہی تھی۔'' دوسری جانب سے متعال کی شوخ سی آواز ابھری تو ذمامہ کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگی، دل چاہا رو رو کر رات کی تمام اذیت کا ذکر کر دے اور اس شیطان صفت کا نام بھی بتا ڈالے۔

''ارے ظالم، کبھی تو کہہ دیا کرو کہ ہاں میں مس کر رہی تھی اور آپ واپس کب آئیں گے۔'' اس کی دلی حالت سے بے خبر متعال شکوے بھرے انداز میں بولا تو وہ بمشکل آنسوؤں کو حلق میں دھکیلنے لگی، وہ ہنوز خاموش تھی۔

''ذمامہ لگتا ہے میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا ہے، میں نے تو تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے فون کیا تھا اور ہاں دروازہ لاک کر کے سونا، کوئی گڑ بڑ ہو تو مجھے کال کر دینا۔'' متعال کی آواز سے شوخی مفقود ہوتو، تو دکھ نے جگہ لے لی تھی، ذمامہ کے سرد جذبات یونہی اسے توڑ کر رکھ دیتے تھے، وہ فون بند کر چکا تھا مگر ذمامہ ابھی بھی فون کان سے لگائے بیٹھی تھی، انا کوئی بھی اظہار کرنے سے روک دیتی تھی، متعال کی توجہ محبت اور خلوص کبھی دل کو نرم کرنے لگتے مگر اس کا تعلق اس شیطان صفت سے تھا یہ بات اسے متعال سے دور کیے رہتی تھی۔

☆☆☆

وہ بڑی اماں کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی، بند آنکھوں سے بھی رات کی اذیت ناکی کو ہی سوچ رہی تھی، رات کی بے آرامی نے سر درد کی صورت اختیار کر لی تھی۔

''پگلی طبیعت خراب تھی تو عبید سے دم کروا لیتی۔'' بڑی اماں ہمیشہ سے ذمامہ پر مہربان رہی تھی اب جبکہ وہ متعال کی بیوی بن گئی تھی تو اس حیثیت سے تو اور بھی پیاری ہو گئی تھی۔

''نہیں نہیں، میں آپ کے پاس ٹھیک ہوں۔'' وہ ایکدم گھبرا سی گئی۔

''بڑی اماں آپ کا دل تو میری طرف سے صاف ہے نا، میں متعال کے ساتھ کمرے میں۔''

ذمامہ دکھ بھرے انداز میں بولی تھی کہ بڑی اماں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروا دیا۔

''میری بچی مجھے تمہارا بھی پتہ ہے اور متعال کا بھی، اگر تم ایسی ویسی ہوتی تو جذب کے ساتھ ہی گھر سے بھاگ جاتی یا پھر باذل کی بات آسانی سے مان جاتی، میری نظروں کے سامنے پلی بڑھی ہو، تمہاری رگوں میں بہت نیک انسان کا خون دوڑتا ہے، عبید کے مرشد تو بہت عظیم انسان تھے، وہ انسان نہیں فرشتہ تھے۔'' ان کی باتوں سے عقیدت جھلک رہی تھی۔

''بس ایک بات پر آج بھی حیران ہوں کہ متعال اور تمہارے حوالے سے وہ سازش کس نے کی تھی؟'' بڑی اماں کے چہرے پر گہرے تفکر کی چھاپ تھی۔

''مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ یہ حرکت باذل نے کسی ملازم کو پیسے دے کر کروائی ہے تمہاری دشمنی میں تاکہ تمہیں ذلیل وخوار کر کے یہاں سے نکال دیا جائے، مگر خدا کی کرنی دیکھو کہ خود اپنے بھائی کو بھی مجرم بنا ڈالا۔'' بڑی اماں نے سر جھٹکتے ہوئے پان کی گلوری منہ میں دبائی۔

''سطوت نے باذل کو لاڈ پیار کر کے بگاڑ دیا ہے مجھے باذل سے اس گھٹیا پن کی امید نہیں تھی۔'' بڑی اماں افسوس سے بولیں۔

''بڑی اماں، ملازم نہیں...... وہ...... وہ'' وہ جوش میں ایکدم اٹھی اور الفاظ پھسلنے لگے تھے کہ چہرے پر خوف چھا گیا، وہ حوصلہ کر کے بتانے لگی تھی مگر......

''تمہیں پتہ ہے کہ تم دونوں کو کمرے میں کس نے بند کیا تھا؟'' بڑی اماں چونکتے ہوئے بولیں۔

''نہیں بڑی اماں، میں تو بس یونہی، مجھے تو نہیں پتہ۔'' آنسو روکتے ہوئے وہ بمشکل بولی اور چہرے کے تاثرات چھپانے کے لئے دوبارہ سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''ذمامہ، متعال تم سے بہت محبت کرتا ہے، پہلی نظر میں ہی وہ پگلا دیوانہ ہو گیا تھا تمہارا، اتنے سال باہر رہا مگر مجال ہے جو کوئی لڑکی اس کی ناک کے نیچے آئی ہو، مگر تمہاری بھولی صورت نے پہلی نظر میں متاثر کر دیا تھا۔'' بڑی اماں مسکراتے ہوئے ایک نیا انکشاف کر رہی تھیں۔

''کیا واقعی بڑی اماں؟'' وہ اس بات سے بے خبر تھی۔

''ارے ہاں، اور کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں، بہت بار تم سے شادی کے لئے کہا مگر میں ٹال دیا کرتی تھی۔'' بڑی اماں نے پان والی صندوقچی بند کر کے سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ؟'' وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

''ہاں نا، اس گھر میں جو تمہاری حیثیت تھی اور پھر سطوت کا رویہ، اس نے کہاں تمہیں بہو قبول کرنا تھا اور میں بات کرتی تو ہنگامہ ہو جانا تھا، بس ٹالتی رہی مگر دیکھو تم اسی کے نصیب میں لکھی تھی کہ دیکھو کیسا بہانہ بنا، تم دونوں کو دشمن کے بدنام کرنے کے لئے کمرے میں بند کیا تو مجھے یہی حل سمجھ آیا کہ تم دونوں کی شادی کروا دی جائے، موقع ایسا تھا کہ کوئی بھی اعتراض نہ کر سکا اور متعال کو اس کی محبت مل گئی۔'' بڑی اماں نے تفصیل بتائی تو ذمامہ گہری سوچ میں چلی گئی، جب وہ اس بھیڑیے سے بچتی ہوئی بھاگتی تو خود کو بچانے کے لئے کسی کمرے میں جا گھسی اور اندر سے کنڈی لگا لی، اسے خبر بھی نہ تھی کہ وہ متعال کے کمرے میں ہے وہ ڈری سہمی دروازے سے لگی ہوئی تھی کہ واش روم سے متعال نکلا ٹراؤزر کے ساتھ بنیان پہنے وہ تولیے سے بال رگڑتا ہوا اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور

ذمامہ گھبرا اٹھی۔

''آپ...... یہاں...... خیریت؟'' اس کی حالت دیکھ کر وہ متفکر سا نظر آیا۔

وہ لڑکی جو اس سے ٹھیک سے بات بھی نہیں کرتی تھی، اس کی طرف دیکھنے سے بھی اجتناب کرتی تھی، متعال بہانے بہانے سے مخاطب بھی کرتا تو وہ زیادہ خاموش ہی رہتی تھی مگر آج وہ اس کے کمرے میں ہے۔

''وہ...... میں ...... اصل میں۔'' دہشت کے حصار سے نکلی تو ایک اور خوف کے قبضے میں آ گئی کہ وہ متعال کے ساتھ کمرے میں تنہا ہے۔

''کوئی مسئلہ ہے ذمامہ، کوئی تنگ کر رہا ہے۔'' وہ آہستگی سے چلتا ہوا قریب آنے لگا، تو ذمامہ بے اختیار پلٹ کر دروازہ کھولنے لگی مگر دروازہ کسی نے باہر سے بند کر دیا تھا۔

''ویسے سچ بتاؤں، میرے اس فیصلے پر عبید اور سطوت نے بہت شور مچایا تھا، سطوت تو تمہیں گھر سے نکالنے کے در پر ہو گئی تھی مگر وہ تو میں اڑ گئی تھی کہ سب کو میرا فیصلہ ماننا پڑا۔'' بڑی اماں کی آواز نے اسے سوچوں کی وادی سے گھسیٹ کر نکالا تھا۔

''یہ تو نصیبوں کے کھیل ہیں، میرے چاہنے سے کیا ہوتا تھا، فیصلہ تو وہ اوپر والا کرتا ہے اگر تم دونوں کا نصیب ساتھ نہیں تھا تو میں لاکھ کوشش کرتی کچھ نہ ہوتا، بس اس کی وجہ سے بات خود بخود بنتی گئی، متعال کی قدر کیا کرو، بہت دل سے چاہتا ہے تمہیں، آج بھی ایک بات پر غور کرتی ہوں کہ کوٹھی میں اتنی بڑی سازش ہو گئی مگر عبید کا رویہ اس معاملے میں بڑا عجیب رہا، بالکل چپ رہا، نہ ہی پتہ لگایا کہ یہ ذلیل حرکت کس نے کی تھی۔'' بڑی اماں اپنے دھیان میں بولتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرے چلی جا رہی تھیں، طمانیت بھرے احساس نے رات کی جاگی ذمامہ کو نیند کی وادی میں پہنچایا تو وہ گہری نیند سو گئی۔

نیند میں ہی کسی کے لمس نے اسے جگا دیا تھا، کسی کا ہاتھ کبھی چہرے تو کبھی بازو اور پھر کمر پر محسوس ہونے لگا تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں، سامنے ہی وہ مکروہ مسکراہٹ لئے موجود تھا، اس کے بدن میں خوف کی پھریری دوڑ گئی، اسے بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ بڑی اماں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانے آ جائے گا، اس سے پہلے کہ وہ کسی کو آواز دیتی، اس شاطر نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ دبا دی۔

''اتنا آسان نہیں ہے مجھ سے بچنا۔'' ذمامہ کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا تو منہ سے اٹھتے بدبودار بھبکے سے ذمامہ کا دم گھٹنے لگا، ذمامہ کے منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں نکلنے لگیں۔

''بہت بھاگ لیا مجھ سے۔'' اسی پل کسی کے قدموں کی آہٹ پر وہ چونکا تو رقص ابلیس شروع ہونے سے پہلے ہی تھم گیا، وحشی اپنی وحشتوں کو سمیٹتے ہوئے باہر نکل گیا اور ذمامہ اپنی بے بسی پر ماتم کرتی رہ گئی۔

☆☆☆

''آخر کب تک زندگی یوں ہی وحشتوں میں گزرے گی؟ آخر مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے، کب تک یہ شخص میری مجبوری کا فائدہ اٹھائے گا؟'' وہ جانے کب سے انہی باتوں میں الجھی ہوئی تھی، ٹہل ٹہل کر ٹانگیں شل ہو چکی تھیں مگر اس کے بوجھل اعصاب پر درد و تکلیف سے عاری ہو چکے تھے، نظر بے اختیار سی متعال کے خالی بیڈ پر پڑی تو دل میں تغیر جذبات کا طوفان ہلچل مچانے لگا۔

''بہت محبت کرتا ہے تم سے، دیوانہ ہے

تمہارا۔'' بڑی اماں کی آواز کی بازگشت گونجی۔
''ذمامہ، دو کشتیوں میں سوار ہو کر انسان کبھی بھی ساحل کو نہیں پا سکتا۔'' اب کی بار گل رعنا کی بات یاد آئی۔
متعال سے اپنے رشتے کا احساس ہوا تو اندر نئے جذبات نے کروٹ لی، وہ احساس جو کبھی متعال کی موجودگی میں محسوس نہ ہوئے تھے، متعال کی موجودگی میں یہ درندہ کبھی جرأت نہیں کر پایا تھا، وہ کب تک خود کو بچا پائے گی، متعال بہت بار اس سے پوچھ چکا تھا کہ کون ہے جو اسے ستاتا ہے، کون اسے خوفزدہ کرتا ہے، یقیناً اسے متعال کو سب بتا دینا چاہیے، یہ خیال آتے ہی اس نے متعال کا نمبر ڈائل کر دیا۔
''زہے نصیب کیسے یاد آ گئی مجھ خاکسار کی، ویسے صحیح کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔'' متعال خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔
''متعال!'' پہلی بار بڑی شدتوں کے ساتھ اسم جاناں پکارا گیا تھا۔
''ایک بار پھر سے کہو ذمامہ!'' متعال کے لہجے میں بے یقینی تھی۔
''متعال!'' پھر سے اسم جاناں پکارا گیا تھا۔
''ذمامہ! آر یو اوکے۔'' متعال اب گھبرا سا اٹھا۔
''متعال! آپ مجھے یوں کیوں تنہا چھوڑ گئے ہیں۔'' لفظوں میں گویا ایک ساز سا بج اٹھا تھا کہ متعال بے قرار ہونے لگا۔
''تو کیا واپس آ جاؤں؟'' وہ جانے کیا سننا چاہ رہا تھا۔
''جی۔'' وہ مدھم سروں میں بولی۔
''کہو تو ابھی آ جاؤں؟'' متعال کا لہجہ خمار آلود ہونے لگا تھا۔
''ابھی کیسے آئیں گے آپ؟'' آنسو صاف کرتے ہوئے حیرانگی سے استفسار کیا۔
''ارے جناب آپ حکم تو کریں بندہ پلک جھپکتے ہی آپ کے پاس ہوگا، ویسے بھی آپ کی بے قراری نے ہمیں بھی بے قرار کر ڈالا ہے اب کہاں چین آئے گا۔''
''مذاق مت کریں متعال۔'' وہ بھیگے بھیگے لہجے میں بولی، اسی پل دروازے پر کسی کی موجودگی اسے چونکا گئی تھی، یقیناً یہ وہی تھا۔
''متعال...... آپ آ جائیں...... وہ...... وہ شخص۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی وہ...... اندر داخل ہو گیا تھا۔
''ذمامہ...... ہیلو...... ذمامہ بولو تو سہی کیا ہوا ہے؟'' موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر چکا تھا۔
اس شخص نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا تھا، یقیناً اس نے دوسری چابی کی مدد سے دروازہ باہر سے کھولا تھا، ذمامہ خوف کے مارے پتے کی طرح لرزنے لگی۔
''میں نے کہا تھا نا کہ مجھ سے بچنا آسان نہیں ہے۔'' اس کی کلائی کو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے وہ غرایا۔
''چھوڑو مجھے، کچھ اپنے اور میرے رشتے کا ہی خیال کرو، تمہارے مرشد کی اولاد ہوں تمہارے بیٹے کی بہو۔'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے منہ سے، کلائی چھڑاتے ہوئے وہ کسمسائی۔
''بھاڑ میں گئی پیری مریدی، تم پر تو میں پہلی نظر میں فریفتہ ہو گیا تھا، اب اتنا بھی سخی نہیں کہ اپنا مال لٹاؤں اور بدلے میں کچھ وصول نہ کرتا۔'' کلائی سمیت ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب کیا تو ذمامہ کو احساس ہوا کہ دن کے اجالے میں

پارسائی کا ڈھونگ کرنے والے کو مہ نوشی کا بھی شغف ہے۔

ذمامہ کو پہلی بار اس کی پارسائی پر تب شک ہوا جب وہ سر درد سے بے حال حاجی عبید سے دم کروانے ان کے کمرے میں گئی، وہ بے سدھ پڑی تھی حاجی عبید کو اس نے ہمیشہ باپ کا درجہ دیا تھا، اسی وجہ سے ان کے بارے میں کوئی غلط بات بھی ذہن میں نہ تھی، تکلیف کی شدت میں اسے اپنا کوئی ہوش نہ تھا، یکا یک بدن پر کسی کے ہاتھ کے لمس نے چونکایا، اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی مگر نہیں، حقیقت نظروں کے سامنے تھی، چھٹی حس بیدار ہوتی تو دل کے استھان پر پڑا حاجی عبید کا بت جو پاکیزگی اور شرافت کا پیکر تھا دھڑام سے جا گرا، بعید نہیں تھا کہ اس دن وہ اپنی عزت لٹا بیٹھتی کہ کمرے سے بھاگ نکلی۔

پھر اس کے بعد سے دو ہوس بھری آنکھیں ہر دم اس کے تعاقب میں رہنے لگیں۔

''تم میرا شکار تھیں، میرا تم پر سب سے زیادہ حق بنتا ہے تمہیں میں جندب اور باذل کے حوالے کیسے کر دیتا۔'' حاجی عبید نے اسے اپنے اتنے قریب کر لیا کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔

''آخر کوئی تو بات ہے اس پھول میں کہ ہر بھنورا اسی کے قریب منڈلاتا ہے، پہلے جندب، باذل اور پھر متعال۔'' اپنے رشتے کے تقدس کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے حاجی عبید کا انداز تکلم ایک تماش بین سا لگا تھا جس کے سامنے ذمامہ رقاصہ بنی اپنے حسن کے جلوے دکھاتی دعوت گناہ دے رہی ہو، ذمامہ نے خود کو دور کرنے کے لئے بھرپور زور لگایا۔

''چھوڑو مجھے۔'' اس کے ہاتھوں پر دانت کاٹتے ہوئے اس نے خود کو بچانے کی سعی کی۔

گرفت کمزور پڑی تو وہ دروازے کی طرف بھاگی، مگر دوبارہ سے قابو کر لی گئی تھی۔

''جو مرضی کر لو آج تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا، گل رعنا پر بھی اپنا مال یوں ہی خرچ نہیں کیا تھا ایک ایک پائی وصول کی ہے اس سے۔'' وہ بولتے ہوئے خباثت سے مسکرایا، ذمامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، یہ وہ شخص تھا جو دادا کی گھنٹوں خدمت کرتا تھا جوتے تک اپنے ہاتھوں سے سیدھے کرتا تھا، عمامہ اپنے ہاتھوں سے باندھا کرتا تھا، آج وہی شخص نفس کا غلام بنا ہر رشتے کو پامال کرنے پر تلا تھا، بالکل ایک عام مرد کی طرح جو عورت سے اپنے مال کی ایک ایک پائی وصول کرتا ہے۔

''بڑی اماں، گل رعنا۔'' اس سے پہلے کہ وہ بلند آواز میں چلاتی حاجی عبید نے زوردار تھپڑ مار کر اسے بیڈ پر گرا دیا تھا۔

وہ اپنی آنکھوں سے انسان کو حیوان بنتے ہوئے دیکھ رہی تھی، بس بربادی چند قدم کے فاصلے پر تھی کہ دروازہ ایک زوردار دھماکے سے کھلا اور پھر ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا، باپ نے بیٹے کے سامنے خود کو برہنہ کر کے اپنا ہر راز کھول دیا تھا، جس لڑکی کو پالا تھا آج اسے ہی اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھایا جا رہا تھا، ندامت نے حاجی عبید کی پیشانی کو عرق آلود کیا اور نظریں ملانا دوبھر ہو گیا۔

''متعال!'' ذمامہ دیوانہ وار بھاگی اور بدحال سی اس کے ساتھ لپٹ کر رونے لگی، اس کو حفاظت کے حصار میں لیتا متعال تاسف بھری نگاہوں سے باپ کے نئے روپ کو دیکھ رہا تھا، تو یہ تھا وہ شخص جس سے ذمامہ خوفزدہ رہتی تھی اور اس شخص کے احسانوں کی وجہ سے اس کا کسی کے سامنے نام نہیں لے پا رہی تھی کہ کیسے بیٹے کو باپ سے بدظن کر دوں، یہی وہ شخص تھا جس نے ذمامہ

کو متعال کے کمرے میں بند کیا تھا تاکہ وہ گھر والوں کی نظر میں گر جائے اور وہ آسانی سے اپنا مقصد پورا کرے گا، مگر تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا تھا کہ متعال ذمامہ کی ڈھال بن گیا، ذمامہ اس شخص کا نام کسی کو بتا نہیں سکتی تھی کہ کون اس کی بات پر اعتبار کرتا، آج جو متعال نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ نہ دیکھتا تو شاید متعال بھی ذمامہ کی بات پر اعتبار نہ کرتا کمرے میں بھیانک خاموشی کا راج تھا، سنگین خاموشی، کمرے میں صرف ذمامہ اور متعال موجود تھے دونوں اپنی جگہ خاموش تھے، ذمامہ ابھی تک سسک رہی تھی اس کی سسکیاں متعال کو ندامت کے سمندر میں دھکیل رہی تھیں پہلے بھائی اور پھر باپ، اس کے ہر رشتے نے اس کمزور لڑکی کو ستایا تھا۔

اسی خاموشی کو چیرتی گولی کی آواز کوٹھی کو ماتم کدہ بنا گئی تھی، حاجی عبید نے خود کو ختم کرلیا تھا۔

☆☆☆☆

آمد بہار نے زمین کو دلہن کی طرح سجایا تھا، سرخ گلابوں سے چمن مہک رہا تھا، زمین پر جابجا بکھرا سبزہ اور فضا میں پرندوں کی چہکار نے سوگواریت کی ردا کو چاک کرکے ہو سو مست رنگی دوشالہ اڑادی تھی۔

کتنی طویل شب الم کے بعد آج سکون بھری سحر طلوع ہوئی تھی، ایسی سحر جس میں خوف نہ تھا، غم نہیں تھا، کسی انہونی کے ہو جانے کا دھڑکا نہیں تھا، ذمامہ ایک گہری سکون بھری سانس لی تو پیچھے سے کسی نے آکر اسے حصار محبت میں لے لیا، مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا تو ذمامہ کے گالوں پر لالی سی بکھر گئی کہ جیسے شفق کی لالی متعار مانگ لائی ہو۔

ذمامہ کے چاند چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے متعال نے مخمور نگاہوں سے دیکھا تو وہ جھینپ کر مسکرادی۔

''متعال میں نے آپ کو غلط سمجھا آپ پر اعتماد نہیں کیا، میں اپنے سلوک پر بہت شرمندہ ہوں۔'' دل کی بات کرنے کا موسم آ ہی گیا تو ذمامہ نے بھی لفظوں کے قید پنچھیوں کو آزاد کردیا آج وہ سب کہہ دینا چاہتی تھی۔

''آپ کی رگوں میں جس شخص کا خون تھا وہ مجھے آپ پر بھروسہ نہیں کرنے دیتا تھا۔'' جھیل جیسی آنکھوں میں طغیانی ہونے لگی۔

''آپ اندازہ کرسکتے ہیں متعال جس شخص کو میں نے باپ سمجھا، جس کو اپنا محسن مانا جس کی وجہ سے سطوت آنٹی کی باتوں کو کبھی دل پر نہیں لیا تھا جو میرا سرپرست تھا اسی نے میرا اعتماد توڑا، یہ دکھ میرے ہر دکھ پر حاوی ہے، میرا بھروسہ کرچی کرچی کردیا کہ میں کسی پر اعتماد کرنے کے قابل نہیں رہی تھی، میں نے اسے باپ سمجھا، مگر اس نے مجھے صرف عورت سمجھا، جو میرے وجود سے صرف اپنے احسانوں کی وصولی چاہتا تھا۔'' وہ گیلی آواز میں بولی، آنسو رخساروں پر پھسلنے لگے متعال کا دل دکھ سے بھرنے لگا تھا کہ یہ غم تو عمر بھر کا تھا کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی کی عزت پر حملہ کیا تھا۔

''ذمامہ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے تم دن رات جس عذاب سے گزر رہی تھی اس کا مجھے اندازہ ہی نہیں تھا، ہم مرد بڑے خودغرض اور بے حس ہوتے ہیں عورت کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے اٹھاتے بھول جاتے ہیں کہ اوپر بھی ایک ذات ہے، جو ذرے ذرے کا حساب رکھتی ہے، جو بہت انصاف کرنے والی ہے۔'' متعال کے لہجے میں افسردگی کا عنصر غالب تھا۔

باپ کی موت کا بھی دکھ تھا اور باپ کا نظروں سے گرنے کا بھی غم تھا، جو ایک بیٹے کے

لئے بہت بڑا غم ہوتا ہے، وہ باپ جو ہمیشہ سے اس کا آئیڈیل تھا مگر جب پردہ ہٹا تو راز فاش ہو گیا تھا، اس کا باپ اس کا سر ہمیشہ کے لئے جھکا گیا تھا۔

اس نے گھر والوں کو یہ علم نہیں ہونے دیا تھا کہ باپ کی موت کے پیچھے کیا راز تھا۔

''ذمامہ میں جانتا تھا کہ جب تک یہاں رہوں گا یہ راز نہیں کھلے گا، تم مجھے کبھی اس کا نام نہیں بتاؤ گی اور وہ شخص یوں ہی مجھ سے چھپا رہے گا، میں جانتا تھا کہ وہ میری غیر موجودگی کا فائدہ ضرور اٹھائے گا اور پھر قصہ خود بخود کھل جائے گا، میں کہیں نہیں گیا تھا، تمہارے قریب ہی رہا تھا، تمہاری طرح سب یہی جانتے تھے کہ میں کینیڈا گیا ہوں، مگر میں تو تمہاری پکار کا منتظر تھا اسی لئے تمہیں موبائل بھی لاکر دیا جو اس بات کی اہم کڑی تھی۔'' متعال نے ذمامہ کے سامنے انکشاف کیا۔

''ذمامہ!'' دھیرے سے پکارا گیا تھا کہ وہ محویت سے اسے دیکھنے لگی۔

''جو زیادتیاں میرے باپ اور بھائی نے تمہارے ساتھ کیں ان کا کفارہ میں ادا کروں گا مگر ایک شرط ہے؟'' متعال گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیسی شرط؟'' یاقوتی لب ہلے۔

''یہ کہ تمہاری تمام تر محبتوں کا محور و مرکز صرف میری ذات ہوگی۔'' جیب سے نازک سا لاکٹ نکالتے ہوئے اس کی صراحی دار گردن میں پہناتے ہوئے وہ سرشار سا بولا۔

''یہ کس لئے؟'' ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ حیرت سے بولی۔

''بھول گئی، آج کے اس حسین دن جب تقدیر نے ہمیں ایک دوسرے سے ملایا تھا۔''

متعال نے ہلکی سی چپت سر پر لگاتے ہوئے خوشگوار یادوں کا تذکرہ کیا مگر وہ ناسمجھی سے دیکھنے لگی۔

''ارے پگلی، آج ہماری شادی کو پورا سال ہو چکا ہے، خدارا اب تو اس خاکسار کے تمام حقوق بحال کر دیئے جائیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا تو ذمامہ بات کا مطلب سمجھ کر شرما کر رہ گئی۔

''آپ کو کیسے بتاؤں متعال، کہ جذب نام کا دیا تو جانے کب کا بجھا کر مشکوۃ قلب (طاقچہ دل) میں آپ کے نام کا دیا جلا چکی ہوں۔'' وہ جو بات لفظوں میں نا بتا سکی اس کی حسین مسکراہٹ متعال کو سب سمجھا گئی تو وہ دلکشی سے مسکرانے لگا۔

''تو جناب ہم بھی چراغ آرزو لے کر نکلے تھے کہ اس امید پر کے آخر تو محبت کا اجالا چہار سو بکھرے گا اور شب الم کے بعد خوشیوں بھری سحر طلوع ہوگی۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لئے مسکرائے تو ان کے ساتھ مظاہر قدرت بھی مسکرا اٹھے۔

☆☆☆

پاگل سی لڑکی

ندا علی عباس

''سوری یار تمہیں پتا تو ہے ناں دوستوں کے ساتھ ہوں تو موبائل سائلنٹ پر لگا دیتا ہوں۔'' لہجے میں بے چارگی سی بے چارگی تھی۔

''شٹ اپ، بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے دوست۔'' غصے سے بولتی ہوئی وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر صوفے سے اٹھی تھی مگر عدن نے اسے بازو سے تھام کر دوبارہ بیٹھا لیا۔

''آئی ایم سوری...... آئم سوری...... سچ میں یار بھول گیا تم سے مجھے یاد تھا راستے میں جنید مل گیا اس کے ساتھ کچھ یونی فیلو تھے وہ سب ہوٹل لے گئے باتوں باتوں میں سب بھول گیا جو سزا دینی ہے دے لو جتنا مارنا ہے مار لو دیکھو کان پکڑ کے سوری کرتا ہوں کہو تو اٹھک بیٹھک بھی کرتا ہوں، مرغا بنانا ہے بنا لو بٹ ناراض مت ہو پلیز۔'' بولتے بولتے عدن نے سچ مچ دونوں کان پکڑ لئے تھے، عزت نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر منہ پھیر لیا تھا۔

''عزت پلیز۔'' چہرے پر مسکینت طاری تھی۔

''ڈرامے مت کرو اوپر بیٹھو۔'' غصے سے اسے گھورا تو وہ دانت نکالتا ہوا کان چھوڑ کر واپس صوفے پہ آ بیٹھا تھا۔

''کسی کو میرا خیال ہی نہیں ہے فالتو چیز ہوں ناں لے کے گھر کے کونے میں ڈال دیا بابا جانی کو دیکھو ذرا صبح صبح دوستوں کے ساتھ نکل گئے اور تایا ابا کو بھی سنڈے کو میٹنگ رکھنی تھی اور دیکھو ذرا بھیا اور بھابھی بھی بغیر بتائے نکل گئے اور تم (غصے سے گھورا) گھومانے کا وعدہ مجھ سے کر کے خود دوستوں کے ساتھ نکل گئے اور اب منہ اٹھائے گھر آ رہے ہو اب بھی نہ آتے ناں۔'' انتہائی ناگواری اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''تم سے یار ذہن سے نکل گیا معاف کر دو ناں چلو آؤ تمہیں آئسکریم کھلا کے لاتا ہوں چلو اٹھو۔'' عدن اس کا ہاتھ تھامے کھڑا ہوا مگر وہ جھٹک گئی۔

''نہیں جانا مجھے تم جاؤ اپنے دوستوں کے ساتھ اتنی ہی فالتو ہوں ناں میں سب کے ذہنوں سے نکل جاتی ہوں میں۔''

''عزت پلیز یار۔'' عدن نے بے چارگی سے اس دیکھا تھا اسی پل اس کا موبائل بجا تھا پاکٹ سے موبائل نکال کر دیکھا، ''جنید کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے اس سے پہلے کہ وہ کال اٹینڈ کرتا عزت نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا تھا اور ساتھ ہی یس کا بٹن پش کر کے کانوں سے لگا لیا۔

''میں اور عدن آئسکریم کھانے جا رہے ہیں سارا دن تم لوگوں کے ساتھ رہا ہے وہ ابھی بھی پیٹ نہیں بھرا، کیا اب کال کر کے ہمیں ڈسٹرب کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سمجھے، خدا حافظ۔'' تیز تیز بولتی اگلے ہی لمحے وہ کال ڈسکنکٹ کر گئی تھی جبکہ عدن منہ پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

''واٹ؟ ایسے کیا دیکھ رہے ہو اٹھو اور اب اگر تم نے کسی دوست کی کال اٹینڈ کی تو دیکھنا۔''

''کچھ شرم ہے تم میں جس کو ابھی تم نے سنائی ہے کتنا بڑا ہے تم سے؟ اگر مائنڈ کر جائے تو۔'' عدن نے افسوس سے اسے دیکھا مگر پرواہ کسے تھی۔

''تم بھی تو بڑے ہو مجھ سے تمہیں سناتے کبھی شرم نہیں آئی اسے سناتے کیوں آئے گی اب اٹھو بھی۔'' ہاتھ جھاڑتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا یار۔'' افسوس سے کہتا وہ بھی اٹھا تھا آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ باہر

نکل آئے سامنے ہی لان میں ماما اور تائی امی بیٹھی گپ شپ کرتی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

''کہیں جا رہے ہو کیا تم دونوں؟'' دونوں کو ایک ساتھ آتے دیکھ کر تائی امی نے پوچھا تھا۔

''جی تائی امی آئسکریم کھانے جا رہے ہیں۔'' عزت نے جواب دیا تھا۔

''اس حلیے میں جاؤ گی تم؟'' ماما نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

بیلو جینز کے اوپر وہائٹ کرتا گلے میں دوپٹے کے نام پہ اسکارف لپیٹے سر جھاڑ منہ پھاڑ حلیے میں تھی۔

''کیا ہے ماما ٹھیک تو ہے حلیہ چھوڑیں آپ آگے ہی موصوف اتنا لیٹ آئے ہیں یہ نہ ہو اب میرا موڈ ہی بدل جائے۔'' لاپروائی سے کہتی ہوئی وہ عدن کی طرف چل دی جو بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا۔

''عدن بیٹا گاڑی میں جاتے اس ٹائم بائیک پہ جانا مناسب نہیں ہوگا۔'' تائی اماں کے لہجے میں فکرمندی سی فکرمندی تھی۔

''مما آپ کو پتا تو ہے آپ کی چہیتی گاڑی میں جانا کم ہی پسند کرتی ہے بائیک پسندیدہ سواری ہے محترمہ کی آگے ہی اتنی مشکل سے موڈ صحیح ہوا ہے ان کا اس سے پہلے مزید خراب ہو ہمیں نکلنا چاہیے۔'' مسکراتے ہوئے تائی اماں کو جواب دیا تھا اور عزت کو بائیک پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''بتا رہی ہوں بھابھی آپ سب مل کر بگھاڑ رہے ہیں اسے دیکھ لینا ایک دن ناک کٹوا کے رہے گی میرا۔'' ماما تائی اماں پہ بگڑ رہی تھیں عدن نے عزت کو منہ بسورتے دیکھا اور زن سے بائیک نکالتا لے گیا اس سے پہلے عزت کی طرف سے بھی گولہ باری شروع ہو جاتی اچھا ہے وہ اسے لے کر منظر سے ہی غائب ہو جاتا اور رہ گئی چچی جان تو ان کا موڈ بحال کرنے کو پیچھے مما موجود تھیں۔

☆☆☆

آج آخری پیپر تھا اس کے بعد پورا مہینہ چھٹیاں تھیں عزت نے سوچ لیا تھا یہ پورا ماہ سو کے گزارنا تھا بس تھکاوٹ سی تھکاوٹ تھی، پیپر ختم ہوتے ہی اس نے عدن کو میسج کر دیا تھا اور اب گھنٹہ بھر ہو چلا تھا دور دور تک عدن کا نام ونشان تک نہ تھا، تپتی دھوپ میں ثناء اور گروپ کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ کھڑی تھی جب مین گیٹ سے اس نے عدن کو پروفیسر باقر کے ساتھ اندر آتے دیکھا تھا۔

''لو عزت عدن بھائی تو آ گئے تم تو تیاری پکڑو میں بھی نکلتی ہوں، ڈرائیور کب سے میرے انتظار میں کھڑا باہر سوکھ رہا ہے۔'' ثناء کی نظر بھی عدن پر پڑی گئی۔

''ویسے عزت یار تمہارا کزن ہے بڑا ہینڈسم۔'' شمیلا نے معنی خیزی سے اسے دیکھا تھا۔

''تو......تم رکھ لو۔'' آرام سے کہتی ہوئی وہ گاڑی کی طرف بڑھی تھی، ثناء بھی الوداع کہتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف چلی گئی۔

گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی عزت نے خاصی کوفت سے عدن کو دیکھا تھا جو سر باقر کے ساتھ ہاتھ ملا کر اب اسی کی طرف آ رہا تھا۔

وائٹ کلر کی شرٹ بلیو کوٹ پینٹ نفاست سے ٹائی باندھے جیل سے اچھی طرح سیٹ کیے ہوئے بال، لگتا تھا وہ آفس سے ہی اٹھ کر آیا تھا ورنہ گھر میں تو خاصا اول جلول حلیے میں ہی رہتا تھا۔

''چلیں۔'' قریب آتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''بڑی جلدی نہیں یاد آ گیا جناب کو؟'' عزت نے غصے سے اسے گھورا تھا۔

''یاررر...... میٹنگ میں تھا جب تمہارا میسج ملا ادھوری میٹنگ چھوڑ کے نکل آیا تھا بٹ تمہیں یہاں کی ٹریفک کا تو پتا ہی ہے ناں۔'' صفائی دیتے ہوئے جیب کی پینٹ سے گاڑی کی چابی نکالی تھی۔

''ہیلو عزت...... ہاؤ آر یو؟'' اس سے پہلے کہ وہ گھنٹہ بھر کا دبایا ہوا غصہ اس پر نکالتی اس کی کلاس کی عیشل فاطمہ اپنے گروپ کے ساتھ آدھمکی، عزت نے حیرت سے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا تھا۔

(عیشل فاطمہ بگڑی امیر زادی جس نے کبھی عزت تو کیا کلاس کی کسی دوسری لڑکی کو منہ لگانے کے قابل نہیں سمجھا تھا، عزت ملک کا حال پوچھ رہی تھیں) فائن۔'' عزت کو اس کا حال پوچھنا ہضم نہیں ہوا تھا، جواب دیتے لہجے میں حیرانگی سی تھی۔

''لاسٹ پیپر تھا ناں آج ہمارا، تمہارا کیسا ہوا تھینک گاڈ پیپر ختم ہو گئے، بائے دا وے یہ ہینڈسم کون ہے؟'' وہ خاصی باتونی تھی مگر عزت سے کیوں ہم کلام ہوئی تھی عدن پہ گڑھی اس کی نظریں ہی سب پتا بتا رہی تھی۔

''کزن ہے میرا، بٹ ؟'' خاصی ناگواری سے اسے جواب دیتے عزت نے عدن کو دیکھا تھا جو انہیں باتیں کرتے دیکھ کر رک گیا تھا۔

''اوہ ہیلو، ملواؤ گی نہیں یار۔''

''ہیلو آئم عیشل فاطمہ، عزت کی دوست ہوں اور آپ کی تعریف؟'' خاصی ادا سے کہتی ہوئی عیشل نے بالوں کو جھٹکا دیا تھا اور عدن کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

(عزت منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے کبھی کلاس میں منہ لگانا پسند نہ کیا تھا اب فرینڈ بن گئی تھی) اگلے ہی لمحے امڈتے ہوئے غصے کو قابو کیا تھا اور ''ایکسکیوز می ہمیں دیر ہو رہی ہے'' کہتے ہوئے عدن کا ہاتھ تھاما اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیلا اور خود عیشل کا ہاتھ اگنور کرتی فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

''چلو تم۔'' غصے سے گھورتے ہوئے عدن کو بولا تھا۔

''اوہ یو۔'' عیشل نے تلملاتے ہوئے اسے گالی بکی تھی۔

''سیم ٹو یو فرینڈ۔'' شیشہ کھول کر عیشل کی طرف مسکراہٹ اچھالی تھی زن سے گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

''یہ کیا طریقہ تھا عزت۔'' عدن نے اسے گھورا۔

''بتاؤں تمہیں کیا طریقہ تھا چلو وہ تو ہے ہی فضول لڑکی تم کس خوشی میں اسے مسکرا مسکرا کے دیکھ رہے تھے۔'' عزت نے دانت پیستے ہوئے کہا تو عدن نے ہونٹوں پہ امڈتی مسکراہٹ کو روکا۔

''جل رہی ہو کیا؟ اتنی خوبصورت لڑکی لفٹ کروا رہی تھی مسکرانا تو بنتا تھا میرا۔'' عدن نے اسے چھیڑا تھا۔

''شٹ اپ جلتی ہے میری جوتی اور خبردار تم آئندہ اس طرح تیار شیار ہو کر مجھے لینے آؤ آنکھیں نکال دوں گی تمہاری۔'' وہ تلملا ہی تو اٹھی تھی گاڑی میں عدن کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور پھر وہ سارا رستہ اسے چھیڑتا آیا تھا۔

☆☆☆

گھڑی رات کا سوا ایک بجا رہی تھی، سارا گھر سویا پڑا تھا مگر لاؤنج میں وہ پتھر کی صورت بنی بیٹھی تھی، ٹانگوں کے گرد بازو باندھے گھٹنوں پہ

سے اسے دیکھنے لگی۔
''عزت پلیز۔''
''شٹ اپ عدن، سنا تم نے جسٹ شٹ اپ بھاڑ میں جاؤ تم اپنے دوستوں سمیت۔'' انگلی اٹھا کر وارن کرتے ہوئے وہ چیخی تھی اور ہاتھ میں تھاما مگ سامنے دیوار پہ دے مارا تھا، کانچ دور دور تک بکھر گیا تھا عدن دھک سا کھڑا رہ گیا یہ اس کا کون سا روپ تھا وہ اسے بچپن سے جانتا تھا وہ ایسی تو نہیں تھی پھر کب سے......؟؟ اس سے پہلے کہ وہ واپسی مڑتی عدن نے غصے سے اس کا ہاتھ تھام کر واپس موڑا تھا۔
''سمجھتی کیا ہو تم اپنے آپ کو۔''
''ہاں۔''
''ہوا کیا ہے تمہیں۔''
''بتا رہا ہوں ناں دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس لئے لیٹ ہو گیا۔''
''معافی مانگ رہا ہوں ناں۔''
''سمجھ نہیں آ رہی کیا؟'' انتہائی درشتی سے اس کا بازو تھاما تھا۔
''مجھے بات نہیں کرنی تم سے، سمجھے، چھوڑو مجھے۔'' کتنا توہین آمیز لہجہ تھا، وہ سن ہی تو رہ گیا تھا۔
''تمہیں کیا لگتا ہے میں مر رہا ہوں تم سے بات کرنے کو۔'' ایک کرب سی لہر اٹھی تھی دل میں مگر جب بولا تو لہجہ انتہائی سپاٹ تھا، عزت نے جھلملاتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔
''آئی ہیٹ یو عدن۔''
''اللہ کرے تم مر جاؤ۔''
''آئی رئیلی ہیٹ یو۔'' دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے پہ مکے برساتی وہ رندھی آواز میں بولی تھی اور پھر تقریباً بھاگتے ہوئے کمرے سے نکل گئی انتہائی دکھ و ملامت بھری نظروں سے عدن نے اسے جاتے دیکھا تھا اور پھر ایک نظر اپنی شرٹ کو دیکھا تھا۔
جس کے نیچے سے ڈریسنگ ہونے کے باوجود اب خون نکل رہا تھا، اس سے پہلے کہ اب کوئی اور روم میں آتا اور اسے اس حالت میں دیکھتا وہ دراز سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆☆☆

''تم دونوں میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟''
عدن کے چہرے سے اور عزت کے سارا دن روم میں بند رہنے سے گھر کے ہر فرد کو جیسے خبر سی ہو گئی تھی، دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے شاید، سالگرہ کی خوشی میں جب بابا جانی نے ہوٹل میں بکنگ کے بارے میں بتایا تو وہ ''اب میں بڑی ہو گئی ہوں سالگرہ مناتے اچھی نہیں لگتی آپ بکنگ کینسل کروا دیں۔'' کہتی ہوئی اٹھی تھی اور ٹیبل پہ سب کو حیران چھوڑ کر اپنے روم میں جا گھسی تھی سب کی نظریں عدن کی طرف اٹھی تھی جو اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔
''ایکسکیوزمی۔'' سب کی سوالیہ نظریں خود پہ جمی دیکھ کر وہ بھی کھانا چھوڑ کر سپاٹ چہرہ لئے اٹھ گیا تھا اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی مگر اگلے دن میں بھی روٹین دیکھ کر رات تایا ابا نے عدن کو لاؤنج میں ہی دھر لیا۔
''کوئی ناراضگی چل رہی ہیں دونوں میں؟'' اسے چپ دیکھ کر تایا ابا نے دوبارہ پوچھا تھا۔
''نہیں پاپا بس ایسے ہی۔'' انگلیاں مسلتے ہوئے وہ بے اختیار سر جھکا گیا تھا۔
''عدن!...... وہ بچی دو دن سے اپنے روم سے نہیں نکل رہی جہاں تم موجود ہو وہاں سے اٹھ جاتی ہے وہ نہ جائے تو تم منظر سے غائب ہو

جاتے ہو کچھ تو چل رہا ہے تم دونوں کے درمیان، دیکھو بیٹا بات جو بھی ہو غلطی جس کی بھی ہو تم خود آگے بڑھ کے معافی مانگ لو وہ اس گھر کی ایک ہی بیٹی ہے بے شمار منتوں مرادوں کے بعد آنے والی ہم سب کی چہیتی، یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو صبح وہ اپنے روم سے نکلے تو پہلے جیسے ہنستی مسکراتی ہو، سنا تم نے؟ جاؤ معافی مانگو، شاباش۔" تایا ابا سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپاتے اٹھ کر اپنے روم کی جانب بڑھ گئے تھے، عدن نے سختی سے اپنی مٹھیاں بھینچ لی تھی اور پھر پاپا کی ہدایت کے مطابق وہ اس کے روم میں گیا تھا مگر عزت نے اسے دیکھتے ہی اسے کمرے سے باہر دھکیل کر دروازہ لاک کر دیا تھا غصہ کنٹرول کرتے ہوئے وہ یخ سردی میں باہر لان میں نکل آیا تھا۔

☆☆☆

وہ ضدی تھی اور انتہا کی ضدی تھی بے جا پیار اور لاڈ نے اسے ضدی خودسر اور منہ پھٹ بنا دیا تھا مگر اس کے باوجود وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی اگر گھر کے ایک ایک فرد سے پوچھا جاتا کہ عزت ان کے لئے کیا ہے تو سب کا ایک ہی جواب ہوتا "زندگی" وہ چھ سال کا تھا جب وہ اس دنیا میں آئی تھی اسے لگتا تھا اللہ نے اس کے ساتھ کھیلنے کے لئے اسے بھیج دیا، اذان بھیا اس سے پانچ سال بڑے تھے اور پھر کچھ بڑا ہونے کا رعب بھی جھاڑتے جب عزت آئی تو جیسے اسے کھلونا مل گیا ہر وقت ہر لمحہ وہ اس کے ساتھ رہتا وہ بڑی ہوئی اس کے ساتھ کھیلتا اس کی ہر جائز ناجائز بات کو آنکھ بند کر کے پورا کرتا بچپن سے لے کر اب تک انہیں کبھی لگا ہی نہیں دونوں میں ایج ڈیفرنس ہے عدن کے مزاج میں تھوڑی سنجیدگی تھی مگر جس جگہ عزت ہوتی ہر سنجیدہ بندے کو بولنے پہ مجبور کر دیتی وہ اس گھر کی بلبل تھی جس کی کوک سے سارا گھر مہکتا اور جس دن اس کا موڈ خراب ہوتا سارے گھر کو پتا چل جاتا اور پھر عدن کی عدالت لگ جاتی بیچارے کی شامت آ جاتی خاص کر تایا ابا۔

"عدن تم نے تو کچھ نہیں کہا۔"

"سوچنا بھی مت۔"

"عدن اسے پوچھو اسے راضی کرو، پتا کرو کیا وجہ ہے، کون وجہ بنا ہے عدن پہ عدن وہ......"

اوہ بھی خوشی خوشی اس کی ہر ڈیمانڈ پوری کرتا مگر اس بار پہلی دفعہ وہ یوں اس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئی تھی، اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کم از کم اسے بچپن سے ہی اسے احساس دلانا چاہیے تھا وہ اس سے بڑا ہے ٹھیک ہے غلطی اس کی تھی وہ معافی بھی مانگ چکا تھا مگر جس انداز میں وہ بدتمیزی کرنے پر اتر آئی تھی اس حرکت نے اسے ہرٹ کیا تھا اس کے باوجود وہ پچھلے دو دن سے اسے منا رہا تھا، کمرے میں وہ اسے آنے نہ دیتی تھی اسے دیکھتے ہی دروازہ لاک کر دیتی، میسج کرتا تو ریپلائے نہ کرتی کال کرتا تو وہ موبائل ہی آف کر دیتی، کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی اس نے خود تک آنے کی ابھی بھی وہ واٹس اپ آن تھی۔

"عزت پلیز دو منٹ بات سن لو پلیز، آئی مس یو یار۔" میسج سینڈ ہو گیا تھا، بغیر ریپلائے کیے وہ آف ہو گئی تھی عدن نے تھک ہار کر پلکیں موند لیں تھی اور پھر باقی کی ساری رات بھی جاگتے گزری تھی۔

☆☆☆

اگلے دن بھی وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا سر شدید درد کر رہا تھا سوچا تھا گھر جا کر پین کلر لے گا اور تھوڑی دیر ریسٹ کرے گا مگر بھلا ہو تائی اماں کا اسے لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی شروع ہو گئی تھی۔

''عدن بیٹا شکر ہے تم آ گئے عزت کی کب سے کالز پہ کالز آ رہی ہیں ثناء کی طرف گئی تھی بچی صبح سے صبیحہ (عزت کی ماما) کو کچھ سامان چاہیے تھا وہ ڈرائیور کو ساتھ لے گئی ہے ڈیڑھ دو گھنٹے تو لگے گے ہی واپس آنے میں تم ایسا کرو جا کے عزت کو لے آؤ۔'' وہ جو ریسٹ کرنے کا سوچ کر آیا تھا ماما کی بات سن کر ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

''عدن میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں۔'' تائی اماں اسے یوں آنکھیں موندھے نیم دراز دیکھ کر جھنجلائی تھی۔

''جا رہا ہوں ماما (کاش آپ یہ ہی پوچھ لیتی بیٹا جلدی کیوں آ گئے آفس سے خیریت تو ہیں طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری) مگر نہیں سب کو صرف اسی کی بڑی ہے۔'' مما کو جواب دیتے ہوئے باقی کی بات بس وہ سوچ ہی سکا تھا اور پھر گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اور جس وقت وہ ثناء کے گھر پہنچا شام کے چار بج رہے تھے گاڑی گھر کے اندر لے جانے کی بجائے چوکیدار م کو عزت کو بلوانے بھیجا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اسے ثناء کے ساتھ آتی دکھائی دی تھی دور سے ہی اس نے دیکھ لیا تھا عزت کے تاثرات اسے دیکھتے ہی سپاٹ ہو گئے تھے۔

''السلام علیکم عدن بھائی۔''

''اندر آئے ناں آپ باہر ہی کیوں رک گئے۔'' قریب آنے پر ثناء نے ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

''نہیں ثناء پھر کبھی سہی۔''

''فی الحال تو کچھ بزی ہوں۔''

''چلیں؟'' ثناء کو جواب دے کر وہ نارملی عزت سے مخاطب ہوا تھا اور واپس گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

''میں نے تائی امی کو بولا تھا ڈرائیور کے بھیجے آپ کو کیوں بھیج دیا انہوں نے پلیز آپ واپس چلے جائیں مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا (ناراضی میں اکثر وہ آپ جناب کہہ کر ہی اسے مخاطب کرتی تھی)۔'' کھڑکی پہ جھک کے وہ کہہ رہی تھی عدن نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا شدید سر درد کے باوجود وہ پونے گھنٹے کا راستہ طے کر کے آیا تھا اور وہ محترمہ اسے واپس جانے اور ڈرائیور بھیجنے کا کہہ رہی تھی۔

''عزت پلیز بیٹھو فی الحال مجھے ہی اپنا ڈرائیور سمجھ لو...... چلو آؤ۔'' جھک کر فرنٹ ڈور کھولا مگر وہ بدک کے دور ہوئی۔

''میں نے کہا نہ مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ پلیز آپ واپس چلے جائیں میں خود ہی ڈرائیور کو کال کر کے بلوا لیتی ہوں۔''

''جائیں آپ جان چھوڑیں پلیز۔''

''چلو ثناء واپس اندر۔'' غصے سے بولتی ہوئی وہ ثناء کا ہاتھ تھام کر واپس گیٹ کی طرف مڑی تھی اور عدن...... جو اس کے بدک کر دور ہٹنے پر ہی ٹھٹک گیا تھا ثناء کے سامنے یوں انسلٹ پر تو گویا دماغ ہی بھک سے اڑا تھا اگلے ہی لمحے وہ گاڑی سے نکلا تھا اور ٹھاہ کی آواز سے دروازہ بند کیا تھا، آواز اتنی تھی کہ واپس مڑتی عزت اور ثناء دونوں بے اختیار مڑی تھی، تیزی سے آگے بڑھ کر عزت کو بازو سے دبوچا تھا۔

''ایک منٹ...... یہ ڈرامے کیوں دکھا رہی ہو...... آرام سے کہہ رہا ہوں گاڑی میں بیٹھو، سمجھ میں نہیں آ رہی ایک بات۔'' لہجہ ایسا تھا عزت تو دور کی بات ثناء بھی پوری جان سے کانپ گئی تھی۔

اگلے ہی پل اس گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا تھا اور دروازہ لاک کر دیا۔

''عدن بھائی۔'' ثناء اسے یوں غصے میں دیکھ کر آگے آئی تھی مگر عدن نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا تھا۔

''تمہاری دوست کو ہینڈل کرنا مجھے اچھی طرح آتا ہے بے فکر رہو۔'' اور گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

''چھوڑو مجھے، نہیں جانا مجھے تمہارے ساتھ، سنا تم نے؟'' گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی وہ جیسے ہوش میں آئی تھی، مگر وہ ان سنی کیے سامنے دیکھتا رہا۔

''گاڑی روکو عدن، ورنہ میں چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گی۔'' کہتے ہوئے ساتھ ہی دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر لاک لگا دیکھ کر وہ چیخ اٹھی تھی مگر وہ لاپرواہ بنا تھا۔

''عدن میں تم سے مخاطب ہوں، گاڑی روکو۔'' اسے انجان بنا دیکھ کر تو وہ چیخ ہی تو اٹھی تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا عزت نے اس کو مضبوط ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اسٹیئرنگ ہی گھما ڈالا تھا، عدن نے ایک دم بریک لگا تھا گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے آگے پیچھے آتی گاڑیوں نے ہاتھ دے کر برا بھلا کہا تھا۔

''پاگل ہوگئی ہو کیا؟'' مین روڈ سے گاڑی سائیڈ پہ روکتے ہوئے عدن نے اسے غصے سے دیکھا تھا جو خود ابھی تک اپنی حرکت پہ حیران تھی۔

''ایکسیڈنٹ ہو جاتا تو؟ تمہارے ساتھ ساتھ فضول میں میں بھی مارا جاتا۔'' وہ اس وقت ضبط کی انتہا پر تھا۔

''ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ گی بھی کہ نہیں، معافی مانگی ہے اگر کہو تو پاؤں بھی پڑ جاتا ہوں، گھر والے سب تمہاری وجہ سے ٹینس ہے اور تمہیں کسی کی فکر ہی نہیں۔'' اسے شاک کی کیفیت میں دیکھ کر وہ کچھ نارمل ہوا تھا۔

''کسی کو بھی میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو بھی نہیں۔''

''مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں بس۔'' ہوش میں آتے ہی وہ دوبارہ پرانے لہجے میں جا چکی تھی عدن نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی اور گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیوں کر رہی ہو ایسا؟ خود کو ساتھ ساتھ مجھے بھی تکلیف میں رکھا ہوا ہے۔'' جذبات سے بھرپور لہجہ تھا مگر وہ سپاٹ چہرہ لئے باہر دیکھتی رہی۔

''عزت؟'' نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ڈونٹ ٹچ می مسٹر عدن، سنا تم نے، لاک کھولو نہیں بیٹھنا مجھے تمہارے ساتھ، کہیں اتارو مجھے، میں خود ہی چلی جاؤں گی گھر۔'' انتہائی ہتک آمیز لہجہ۔

ناپسندیدگی، غصہ، ناگواری، کیا کچھ نہیں تھا اس کے لہجے میں جھٹکے سے ہاتھ چھڑوانے اور بدک کر دور ہٹنے سے وہ سن ہی تو بیٹھا رہ گیا تھا، اگلے ہی لمحے وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا اور گاڑی کو اسٹارٹ کر کے فل اسپیڈ پہ ڈال دیا تھا، سر درد مزید بڑھا تھا ضبط کی انتہا تھی عزت کو بھی اپنے لہجے کی سختی پر افسوس ہوا تھا مگر شاید ٹائم گزر چکا تھا۔

☆☆☆

جس وقت گاڑی پورچ میں آ کے رکی شام کے چھ بج رہے تھے لان میں سبھی گھر والے بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے عزت نے گاڑی سے اترتے دیکھا تھا عدن کے دوست جنید اور سیف بھی سب کے ساتھ موجود تھے سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ناگواری چھپاتی وہ بھی عدن کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

''جناب...... عدن صاحب ہم تو یہاں آپ کی عیادت کو آئے تھے پتا چلا محترم گھر موجود ہی نہیں۔'' جنید اور سیف اسے اپنی سمت آتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھے تھے عزت نے حیرت سے اسے دیکھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں جنید کو شاید تنبیہ کر رہا تھا۔

''جنید نے بتایا، تمہارا دو دن پہلے رات کو ایکسیڈنٹ ہوا تم نے گھر بتایا ہی نہیں۔'' تایا ابا نے اسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔

☆☆☆

(دو دن پہلے مطلب اس رات؟) عزت نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا جو سر جھکائے تایا ابو کو بتا رہا تھا۔

بابا بس نارمل سا ایکسیڈنٹ تھا غلطی سے دوسری گاڑی سامنے آ گئی تھی جنید کی تو عادت ہے بات کو بڑھانے کی، (نظروں ہی نظروں میں جنید کو لتاڑا بھی)۔

''ہاں جی انکل چھوٹا سا ایکسیڈنٹ تھا بس گاڑی کے شیشے ٹوٹ کے محترم کے کندھے بازو اور سینے میں گھسے تھے دو گھنٹے ہاسپٹل میں بے ہوش پڑا رہا۔''

''نارمل سا ایکسیڈنٹ تھا گھبرانے والی تو کوئی بات ہی نہیں، ہے ناں۔'' جنید نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا تھا، (عزت نے دہل کے اسے دیکھا گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنسا تھا)۔

''عدن اتنی بڑی بات ہو گئی بیٹا اور تم نے گھر والوں کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔'' چچا جان نے انتہائی افسوس بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''چاچو ٹھیک ہے ایکسیڈنٹ تھوڑا بڑا تھا بٹ زخم نارمل سے تھے اتنی بڑی بات نہیں ہے اب تو کافی زخم مندمل ہو چکے ہیں۔''

(وہ اس رات تکلیف میں تھا اور میں نے کتنا ہرٹ کیا اسے) ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے وہ لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا مسلسل آفس ورک میں بزی تھا، جھکے جھکے اب گردن کے ساتھ ساتھ کندھے بھی درد کرنے لگے تھے اسی پل دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی تھی ساتھ ہی دروازہ کھل گیا تھا وہ جانتا تھا ماما ہوں گی وہ اکثر رات سوتے ہوئے اس کے روم میں دودھ کا گلاس دینے آتی تھیں، دودھ، تائی امی نے بھیجا ہے، دو نرم نازک سفید ہاتھ سامنے آئے تھے عدن نے دکھتی گردن اٹھا کر اوپر دیکھا ٹرے ہاتھ میں تھامے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ٹیبل پہ رکھ دو۔'' سپاٹ لہجے میں کہتا ہوا وہ دوبارہ لیپ ٹاپ پہ جھک گیا، دودھ کا گلاس ٹیبل پہ رکھ کر وہ مڑی اور اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھ گئی دونوں پاؤں بھی اوپر چڑھا لئے عدن نے نظر اٹھا کے دیکھا دونوں ہتھیلیوں پہ چہرہ سجائے وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔

''واٹ؟'' ابرو اٹھا کر پوچھا لہجہ سپاٹ تھا۔

''آئم سوری۔'' زبان دانتوں میں دبائے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑے (کیا ادا تھی)۔

''فار واٹ؟'' انجان بنا لہجہ۔

''بہت بدتمیزی کی تمہارے ساتھ۔'' چہرے پہ مسکینیت طاری تھی۔

''ٹھیک ہے بہت ٹائم ہو گیا ہے جا کر سو جاؤ واپس لیپ ٹاپ پہ جھکا۔''

''عدن پلیز پلیز۔'' وہ مزید قریب کھسکی۔

''معاف کر دو ناں پرامس آئندہ نہیں کروں گی پکا۔''

''سوری ایکسپٹ کی اب جاؤ اور جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔'' نظر انداز کرتا وہی سنجیدہ لہجہ عزت نے تلملا کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے لیپ ٹاپ کو ٹھک کی آواز سے بند کر دیا۔

''آئم سوری بہت سارا پکا پرامس آئندہ تمہاری ہر بات مانوں گی کبھی بدتمیزی نہیں کروں گی سچی مچی پکا۔'' اس سے پہلے کہ وہ غصے سے ڈانٹتا عزت نے دونوں ہاتھوں سے اسی کے کان پکڑ لئے۔

''ٹھیک ہے یار کر دیا معاف اب چھوڑو میرے کان۔'' وہ سخت جھنجھلایا تھا عزت نے کان چھوڑتے ہوئے منہ بسورا تھا۔

''اب کیا ہے۔'' اسے منہ بسورتے دیکھ کر پوچھا۔

''ابھی بھی غصے سے بول رہے ہو۔''

''نہیں ہوں یار غصے میں پلیز اب مجھے کام کرنے دو چلو، اب جاؤ شاباش۔''

''نہیں جاؤں گی پہلے بتاؤ مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا اس دن۔'' خفگی سے گھورا تھا۔

''تم غصے میں کسی کی سنتی ہو بس اپنی ہی کہتی ہو جو منہ میں آئے۔'' عدن نے اسے جتایا تھا۔

''ہاں تو تم بعد میں بتا دیتے ناں میں سن لیتی۔'' کیا ادا تھی عدن نے گھور کے اسے دیکھا تھا۔

''محترمہ تین دن سے آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں مگر مجال ہے جو ناک سے نیچے غصہ اترا ہو۔''

''ٹھیک ہے اب سن رہی ہوں ناں اب دکھاؤ۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے بیڈ سے اتری تھی عدن نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''کیا دکھاؤں؟'' سوالیہ نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''زخم۔'' کیا لاپرواہ انداز تھا عدن نے گھور کے اسے دیکھا۔

''تمہیں دکھاؤں وجہ؟ بس مجھے دیکھنے میں۔'' ضدی لہجہ۔

''رات کے اس پہر تم میرے زخم دیکھنے آئی ہو حد ہے ویسے، یہ لو پکڑو اور نکلو میرے روم سے۔'' دودھ کا گلاس اٹھا کر واپس اسے تھماتے ہوئے وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا تھا اور ہاتھ سے تھام کر کمرے سے باہر لا کھڑا تھا۔

''عدن میں تمہیں دیکھ لوں گی۔'' خاصا چبا چبا کر ادا کیا گیا ساتھ والا روم تایا ابا کا تھا اس لئے آواز دبا ہی رکھی۔

''صبح سامنے بیٹھو گا آرام سے دیکھ لینا مجھے چلو نکلو۔'' آہستگی سے کہتے ہوئے دروازہ بند کیا اور دروازہ لاک کر دیا کوئی پتا نہ تھا واپس آ جاتی پاگل لڑکی۔

☆☆☆

''ماما جلدی کریں بہت بھوک لگی ہے۔'' دونوں ہاتھوں میں چمچے تھامے، پلیٹ بجاتے وہ کوئی تیسری مرتبہ ''بھوک لگی ہے'' کا نعرہ لگا چکی تھی، ساتھ والی چیئر پہ بیٹھے عدن نے موبائل سے نظریں ہٹا کر ایک نظر اسے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے چمچ کھینچ لئے۔

''چپ کر کے بیٹھو ندیدی لڑکی۔'' عزت نے ماتھے پہ بل ڈال کے اسے گھورا تھا اور چمچ اسٹینڈ سے اور چمچ اتار لئے۔

''ماما جلدی کریں ناں۔'' اب کے بلند آواز سے چمچ بجاتے کچن کی طرف منہ کر کے بولی تھی۔

''تم نہیں سدھر سکتی۔'' عدن نے افسوس سے اسے دیکھا اور دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''لا رہی ہوں بیٹا تھوڑا صبر تو کر لیا کرو اور پورا گھر سر پہ اٹھا لیتی ہو۔'' اسی پل ماما کچن سے نمودار ہوئی تھیں پیچھے پیچھے تائی اماں اور ملازمہ نکلی جس کے ہاتھ میں کھانے کے برتن تھے۔

''تائی اماں سچی میں بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔'' تائی اماں کے ہاتھ میں پلاؤ کی ٹرے تھی جو وہ ٹیبل پہ رکھ رہی تھیں۔

''بس بیٹا لگ رہا ہے کھانا تم اپنے بابا اور تایا کو بلا لاؤ۔'' تائی اماں نے اسے دلاسا دیا تھا جانتی تھی وہ بھوک کی کتنی کچی تھی۔

آج سنڈے تھا سب گھر پہ تھے سنڈے کے دن تائی اور ماما مل کے خاص اہتمام کرتی تھی کیونکہ سب گھر ہوتے تھے۔

''السلام علیکم تایا ابا!'' ابھی وہ اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھیں جب تایا ابا اور بابا جانی سیڑھیاں اترتے خود ہی چلے آئے تھے۔

''وعلیکم السلام؟ کیسا ہے میرا بچہ؟'' تایا ابو نے شفقت سے اسے کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا۔

''بالکل ٹھیک، بابا جانی کیسے ہیں آپ، میں نے آپ کو بہت مس کیا۔'' اگلے ہی لمحے وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھی تھی اور باپ کے سینے سے جا لگی تھی وہ دو دن سے شہر سے باہر تھے کل رات ہی لوٹے تھے تب تک وہ سو چکی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں میرا بیٹا میں نے بھی آپ کو بہت مس کیا تھا۔'' فرحان ملک نے اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر اس کا سر چوما تھا۔

''بس لاڈ ختم کرو آؤ بیٹھو کھانا کھاؤ کب سے بھوک لگی ہے کا شور مچا رہی تھی۔'' ماما نے اسے بابا کے ساتھ چمٹے دیکھ کر فوراً کہا تھا۔

''بابا میں آج آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔'' بابا سے الگ ہوتے ہوئے اس نے کہا تھا عدن نے گھور کے اسے دیکھا تھا کچھ دیر پہلے وہ اسے بھی یہی کہہ کر روم سے گھسیٹ کے لائی تھی اور اب اسے اگنور کیے مزے سے چاچو کے ساتھ مل کر ان کی پلیٹ میں کھانے لگی تھی، وہ ایسی ہی تھی بھی تایا ابا کی پلیٹ میں گھس جاتی تو تائی اماں کو اپنی چیئر چھوڑنی پڑتی کبھی بابا جانی کے ساتھ کھاتی تو ماما کو دربدر ہونا پڑتا کبھی اذان بھائی یا بھابھی کے ساتھ مل بیٹھتی کبھی عدن کے ساتھ کھانے لگتی، سب اس کی عادت سے واقف تھے۔

اور سب کو اس کی یہ عادت اچھی بھی لگتی خوشی خوشی ساتھ بیٹھا لیتے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ عزت نے کبھی اکیلے میں کھانا کھایا ہو یا اپنی پلیٹ سے کھایا ہو ہمیشہ اسے پارٹنر چاہیے ہوتا تھا اور وہ ہمیشہ دوسروں کی ہی پلیٹ سے کھاتی تھی۔

''چاچو آپ کی میٹنگ کیسی رہی؟'' عدن نے کھانے سے ہاتھ روک کر فرحان ملک کو دیکھا تھا۔

''اے ون تھی بیٹا مجھے لگا تین چار دن مزید لگ جائیں گے بٹ میٹنگ اچھی رہی تو کام بھی جلدی ختم ہو گیا۔'' اسی لئے میں رات ہی لوٹ آیا، فرحان ملک کا رخ اب عدن کی طرف تھا۔

''پاپا جنید کے بڑے بھائی کی کال آئی تھی آپ سے بات کرنا چاہتے تھے میں نے آپ کا نمبر سینڈ کر دیا تھا انہیں۔'' عدن نے اب تایا ابا کو مخاطب کیا تھا۔

''کیوں خیریت تھی ناں؟'' تایا ابا کے ساتھ ساتھ سب کے ہاتھ رک گئے تھے سوالیہ نظریں عدن پہ جمی تھی۔

''وہ پاپا جنید کی سسٹر کی شادی اسٹارٹ ہو رہی ہے نیکسٹ ویک تو وہ چاہ رہے تھے ہم سب

شادی میں شرکت کریں گاؤں میں شادی ہے تو انہوں نے ریکوئسٹ کی تھی ہم شادی سے دو دن پہلے ہی آئیں اس بہانے ان کا گاؤں بھی دیکھ لیں گے جنید بھی کہہ رہا تھا کا ڈر دینے آئے گا شاید شام تک آئے۔" عدن نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

"واؤ بہت مزہ آئے گا، تایا ابو میں بھی جاؤں گی گاؤں مجھے بہت شوق ہے گاؤں کی شادی دیکھنے کا۔" اس سے پہلے کوئی بولتا عزت پر جوش ہوئی تھی۔

"دیکھو بیٹا جنید تمہارا دوست ہے اس کی فیملی جو ہمارے ہاں آتی جاتی رہتی ہے جانا تو ہم سب کو چاہیے پر نیکسٹ ویک سے تو باورا (اذان بھائی کی بیوی) کی بہن کی بھی ڈیٹ فکس ہو رہی ہے وہاں بھی جانا ضروری ہے اب گھر کی بچی ہے رشتہ بھی قریبی ہے تمہاری ماں اور چچی تو وہاں ہی ہو گی اذان بھی ظاہر ہے سسرال ہے اس کی بیٹھ کے دیکھ لو تم لوگ جو بھی ڈیسائیڈ کرلو بھئی پانچ چھ گھنٹے کا راستہ ہے میرا تو جانا مشکل ہے بہت۔" ٹھہر ٹھہر کے حساب لگاتے بولتے اینڈ میں تایا ابا نے اپنی طرف سے ہاتھ جھاڑ دیئے تھے۔

"جی بھائی صاحب میں سوچ رہا تھا میں ہی چلا جاتا بٹ نیکسٹ ویک کچھ ڈیلی گیشن آ رہے ہیں باہر سے کچھ میٹنگ بھی رکھی ہے ان کے ساتھ تو تین چار دن تو بالکل فری نہیں ہو گا میں۔" چاچو نے بھی اپنی مجبوری سنا دی تھی۔

"بابا جانی میں جاؤں گی۔" عزت نے پھر باپ کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"تو پاپا پھر میں معاذ بھائی سے معذرت کر لوں۔" عدن نے ایک نظر اسے دیکھا اور تایا ابو سے پوچھا تھا۔

"تایا ابا میں جاؤں گی۔" اب کے عزت نے کھانا چھوڑ کر منہ بسورا تھا۔

"عزت۔" ماما نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا تھا اور وہ منہ بنا کے پلیٹ پہ سر جھکا گئی تھی۔

"انکار تو نہیں کر سکتے ناں بیٹا ہمارے ہر خوشی غمی میں وہ لوگ شامل ہوئے ہیں جانا تو پڑے گا تم خود تیار ہو جاؤ، ساتھ میں عزت کو لے جانا بچی کی چھٹیاں بھی ہے گھوم پھر آئے گی اور اگر ساتھ میں تمہاری ماں یا چچی چلی جائیں تو ٹھیک ہے ایک ہفتے کی ہی تو بات ہے۔" تایا ابا نے بات کے آخر میں سوالیہ نظروں سے تائی اماں کو دیکھا تھا جبکہ تایا کی بات پہ عزت کے چہرے پہ خوشی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔

"آپ بھی ناں حد کرتے ہیں ہم کیسے جا سکتی ہیں اب بیٹے کی سسرال کا بھی معاملہ ہے وہاں بھی جانا ضروری ہے اور پیچھے گھر بار کا بھی ہے پورا ہفتہ اب گھر کو چھوڑ کر تو بیٹھ نہیں ناں سکتی بچوں کی خوشی ہے بچوں کو جانے دیں۔" تائی اماں نے برتن سمیٹتے ہوئے بات بھی سمیٹ لی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر تم عزت کو لے جانا ساتھ میں معاذ بیٹے سے اپنی طرف سے خود معذرت کر لوں گا باقی کل ماں کے ساتھ جا کر جو دینا دلانا ہو لے آنا گفٹ وغیرہ اور عزت کو بھی شاپنگ کروا لانا اور پھر پرسوں صبح صبح نکل جانا لمبا سفر ہے ناں اگر چاہو تو ساتھ میں ڈرائیور کو لے جانا۔" تایا ابا نے بھی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"تایا ابو ڈرائیور کی کیا ضرورت ہے ہم بس میں ٹریول کریں گے میں نے سنا ہے گاؤں کا سفر کرنا ہو بس سے کرنا چاہیے بہت مزہ آتا ہے، ہے ناں عدن؟" اب کے عزت نے نیا شوشا چھوڑا تھا عدن نے گھور کے اسے دیکھا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بس میں سفر

مسلسل ایک ہی زاویے میں بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی تھی عدن نے اسے کھانے کا پوچھا تھا مگر وہ انکار کر گئی، عدن نے راستے میں جب بس کچھ دیر کے لئے رکی تو اتر کر اس کے لیے چپس، ٹن اور چاکلیٹ جیسی چیزیں خریدی تھی سفر میں ایسی چیزیں کھانے کی بہت شوقین تھی مگر آج اس نے ان چیزوں کو چھوا تک نہ تھا وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

''خیریت ہے ناں طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' بس دوبارہ چل پڑی تھی عدن نے سیٹ سے ٹیک لگائے باہر دیکھتی عزت کو دیکھا تھا جو مسلسل خاموش تھی چہرے پہ تھکن کے آثار تھے۔

''کتنا سفر باقی ہے ابھی؟'' عزت نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا، نجانے کیا ہو رہا تھا شاید ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی دماغ گھوم رہا تھا، جھٹکے کھاتی بس لگتا تھا کھایا پیا سب باہر نکل آئے گا متلی سی فیل ہو رہی تھی شاید سب ٹھیک ہی کہہ رہے تھے اسے بس میں سفر ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''ابھی آدھا پونا گھنٹہ باقی ہے، طبیعت ٹھیک ہے ناں تمہاری؟'' عدن نے اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا تھا، عزت نے نفی میں ہلاتے ہوئے پلکیں موند لی تھیں۔

''عادی مجھے پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔'' لہجہ بہت دھیما تھا عدن پریشان ہوا تھا۔

''کہا بھی تھا تمہیں تم بس میں سفر نہیں کر سکو گی مگر تم کسی کی سنتی کب ہو اوپر سے دیکھو سب تمہیں دیکھ کیسے رہے ہیں دل کرتا ہے آنکھیں پھوڑ دوں سب کی۔'' عدن نے غصے سے اسے دیکھا تھا بنا جواب دیئے وہ ایسے ہی پڑی رہی۔

''زیادہ طبیعت خراب ہے تو یہیں اتر جاتے ہیں یہیں سے کوئی ٹیکسی ارینج کروا لیتا ہوں۔'' اسے یوں پڑے دیکھ کر وہ الجھا تھا مگر وہ یونہی آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

''عزت؟'' اب کے وہ واقعی پریشان ہو اٹھا تھا اسے بے سدھ پڑے دیکھ کر بے اختیار پکارا تھا، اور شاید پکار ایسی تھی کہ عزت نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا ہلکی سی مسکرانے کی کوشش بھی کی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' کہتے ہوئے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی گود میں رکھا اور اس کے کندھے پہ سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں، (یہ لڑکی بھی ناں جان نکال دے گی کسی دن)۔

☆☆☆

جس وقت بس نے انہیں مطلوبہ جگہ پہ اتارا دن کے تین بج رہے تھے جنید پہلے ہی انہیں ریسو کرنے پہنچ چکا تھا۔

''السلام علیکم! خیریت کیا ہو گیا باگڑ بلی کو؟'' وہ اسے عزت کو بس سے سہارا دے کر اتارتے دیکھ چکا تھا اور ابھی بھی عدن نے اسے کندھوں سے تھام رکھا تھا جس کے چہرے پر زردی سی کھل پڑی تھی فکر مندی سے پوچھتے ہوئے جنید نے آگے بڑھ کر عزت کے لئے بیک ڈور کھولا تھا عدن نے اسے سہارا دے کر اندر بیٹھایا تھا اور خود فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا جبکہ جنید نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''لوکل گاڑی میں شوق چڑھا تھا سفر کرنے کا میڈم کو، پورا ہو گیا آئندہ نام نہیں لے گی بس میں جانے کا۔'' عدن نے طنز کا تیر پھینکتے ہوئے بیک مرر سے اسے دیکھا تھا جواب مسکرا کے باہر کے نظاروں میں گم ہو چکی تھی، سر سبز کھیت آس پاس بکھری خوبصورتی نے اس کی صحت پہ اچھا خاصا اثر ڈالا تھا چہرے میں گھلی زردیاں اب واپس گلابیوں میں ڈھل رہی تھی، عدن نے دل

کرنے کی تم جانتی نہیں ہو وہاں کیا کیا تماشے ہوتے ہیں پاپا ہم اپنی ہی گاڑی سے جائیں گے۔'' اسے جواب دے کر عدن کے پھر تایا ابا کو مخاطب کیا تھا۔

''عدن ٹھیک کہہ رہا ہے عزت جب اپنی گاڑی ہے تو لوکل میں کیوں سفر کرو تم لوگ۔'' اب کے اذان بھائی نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''اذان بھائی مجھے بس سے جانا ہے مجھے بچپن سے بہت شوق ہے بس میں سفر کرنے کا۔'' عزت نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''عزت بسوں ویگنوں میں بہت خواری ہوتی ہے آگے پیچھے سے دھکے پڑتے ہیں تم سفر نہیں کر سکو گی بس میں۔'' ماورا بھابھی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''بابا جانی مجھے بس سے ہی جانا ہے۔'' اب کے اس کی آنکھیں جھلملائی تھی اور اس کے پاس منانے کا یہی آخری طریقہ تھا، جس کے آگے سب ہتھیار ڈال دیتے تھے اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے بھئی جیسے میرے بچے کی خوشی ہے ویسے ہی ہو گا ایک دو میرے جاننے والے ہیں میں بات کر کے تم دونوں کے لئے سیٹ بک کروا دیتا ہوں، انشاء اللہ کوئی مسئلہ نہیں ہو گا آرام سے پہنچ جاؤ گے دونوں، باقی کا سامان ڈرائیور کے ہاتھ گاڑی میں پہنچ جائے گا گاؤں۔'' سب سے پہلے تایا ابا نے ہتھیار ڈالا تھا تو وہ یاہو کا نعرہ لگاتے اٹھ کر تایا ابا سے چمٹ گئی تھی بغیر عدن کی گھوریوں کی پروا کیے۔

☆☆☆

''تم یہ پہنو گی وہاں بھی۔'' اگلے دن وہ ماما اور عدن کے ساتھ شاپنگ کے لئے آئی تھی جب جینز کے ساتھ اسے شرٹ منتخب کرتے دیکھ کر عدن نے پوچھا تھا، ماما بھی متوجہ ہوئی تھی۔

''اور کیا کروں میں تو ہمیشہ سے یہی پہنتی ہوں۔'' عزت نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

''گاؤں میں لڑکیاں کپڑے پہنتی ہیں سر پہ دوپٹے ہوتے ہیں ان کے تم ان سب میں یہ پہن کر عجیب لگو گی۔'' عدن نے ہاتھ میں تھامی پرفیوم چیک کر کے واپس کاؤنٹر پہ رکھی اور اسے بتایا تھا۔

''میں کیا کروں میں نے تو کبھی شلوار قمیض نہیں پہنی اور پہنوں بھی تو خریدے کون مجھے تو اچھے سے شاپنگ کرنی بھی نہیں آتی۔'' لہجے میں بے چارگی سی بے چارگی تھی عدن نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''بے فکر رہو میں چچی جان کو اسی کام کے لئے ساتھ لایا ہوں۔'' عدن نے ایک نظر مڑ کے چچی جان کو دیکھا تھا، (جو عزت کے لئے ڈریس سلیکٹ کر کے کاؤنٹر پہ رکھتی جا رہی تھی) اور اسے جواب دیا تھا، عزت نے حیرت سے مڑ کے ماما کو دیکھا تھا اور عدن کو گھورتے ہوئے ان کی طرف چل دی تھی۔

☆☆☆

اور پھر اگلے دن صبح نو بجے وہ بس میں سوار ہو گئے تھے اذان بھائی انہیں اڈے تک چھوڑنے آئے تھے معاذ بھائی کو کال کر کے پہلے ہی عدن نے نکل آنے کا بتا دیا تھا بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی عزت تو خوشی سے کھلی جا رہی تھی سارا رستہ وہ باہر کے مناظر میں گم رہی دھڑا دھڑ پک کھینچ کر واٹس ایپ فیس بک پہ دوستوں کو شیئر ہو رہی تھی عدن نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا تھا، چار گھنٹے تو وہ خاصی پر جوش رہی تھی اس کے بعد وہ خاصی دھیمی پڑ گئی تھی

سادگی کا پیکر جنید کی مدر جنہیں سب بی بی جان کہتے تھے دھان پان سی بات بات پہ ہنستی مسکراتی، منتہیٰ جو اسے بڑے جوش وخروش سے ملی تھی اسے دیکھتے ہی انہیں بانہیں وا کر دینے والی پرشفقت سی ہنستی دادی جان (لگتا ہی نہیں تھا وہ پہلی بار ان سب سے مل رہی ہے) اور معاذ بھائی کو دیکھتے ہی پتا چلتا تھا کہ واقعی وہ گاؤں میں رہنے والے جاگیردار تھے، بھرا بھرا صحت مند ترو تازہ سڈول جسم سرخ دلکش چہرہ اور اس پہ بجی گھنی سیاہ بڑی بڑی مونچھیں، وہ ان سب سے مل کر واقعی بہت خوش ہوئی تھی فریش ہو کر کھانا کھانے کے بعد دادی جان نے انہیں ریسٹ کرنے کے لئے بھیج دیا تھا عدن تو خیر معاذ بھائی اور جنید کے ساتھ کہیں نکل پڑا تھا جبکہ وہ واقعی تھک چکی تھی جب سونے لیٹی تو اگلے دن کی ہی خبر لائی تھی جس کے نیچے میں رات کا کھانا بھی گول کر چکی تھی۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ معمول سے خاصی جلدی کھل گئی تھی، شاید جگہ چینج تھی اس لئے باہر کھٹ پٹ کی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ گھر کے فرد جاگ چکے ہیں، فریش ہو کر جس وقت وہ باہر نکلی منتہیٰ اسے دیکھتے ہی قریب آئی تھی۔

''اٹھ گئی تم میں بس تمہیں ہی دیکھنے آئی تھی۔'' عزت نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اور برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی دادی اماں کے پاس چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم دادو!''

''وعلیکم السلام، میرا بچہ اٹھی گئی، رات نیند اچھے سے تو آئی تھی ناں؟'' اس کے دادو کہنے پہ وہ تو جیسے نہال ہوئی تھیں بے ساختہ اس کے لئے بانہیں وا کی تھیں، عزت بغیر جھجکے ان کے کھلے بازوؤں میں آسمائی تھی اسی پل جنید اور عدن نے برآمدے میں قدم رکھا تھا۔

''جی دادو ڈٹ کے سوئی تھی میں تو بالکل بھی فیل نہیں ہوا میں کسی نئی جگہ پہ آئی ہوں۔'' سینے پر سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا تبھی نگاہ جنید اور عدن پہ پڑی تھی جو دلچسپی سے دادی پوتی کا لاڈ ملاحظہ کر رہے تھے۔

''آتے ہی میری دادی جان پہ قبضہ کر لیا۔'' جنید نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا تو وہاں موجود بھی مسکرا دیئے تھے۔

''آپ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے کیا؟'' سوالیہ نظروں سے عدن کو دیکھا۔

''جی ہاں یونہی بس گاؤں کی سیر کو نکلے تھے۔'' جنید نے ہی جواب دیا تھا۔

''مجھے ساتھ لئے بنا ہی گھوم آئے۔'' عزت نے منہ بسورا تھا۔

''بیٹا ابھی تو انشاء اللہ تم لوگ ادھر ہی ہو گھومنا پھرنا تو لگا ہی رہے گا، یہ بتاؤ ناشتے میں کیا لو گی تم۔'' بی بی جان نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''صرف ایک گلاس دودھ'' وہ جھٹ سے بولی تھی جبکہ باقی خواتین نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آئے ہائے ایک گلاس دودھ کیوں، کال پڑ گیا ہے یہاں چیزوں کا۔'' دادی اماں نے حیریت سے پوچھا تھا۔

''صبح کا ناشتہ اس کا ایسا ہی ہوتا ہے دادی جان چچی اور ماما غصہ کرتی رہ جاتی ہے مجال ہے اس لڑکی نے کبھی کسی اور چیز کو چھوا ہو۔'' عدن نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

''جاؤ بہو تم جا کر اس کے لئے پراٹھا بناؤ ساتھ میں مکھن اور لسی بھی بنانا اب جب تک یہ ہمارے پاس رہے گی اسے میں خود ناشتہ کروایا

کروں گی۔" دادی جان نے نیا آرڈر جاری کیا تھا وہ بوکھلا اٹھی تھی۔

"مگر دادو...... میں اتنا ہیوی ناشتہ کیسے کروں گی۔" وہ پریشان ہوئی تھی، جبکہ دادی نے ناک پر سے جیسے مکھی کو اڑایا تھا بی بی جان حکم ملتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں جبکہ عدن جنید اور منتہیٰ باقی تماشا دیکھنے کو وہی بیٹھے رہ گئے۔

☆☆☆

شام کو جنید انہیں لئے اپنے باغوں کی سیر کرانے کو نکل پڑا، منتہیٰ بھی ساتھ ساتھ تھی، وہیں باغ میں انہیں معاذ بھائی ملازموں کے سر پر کھڑے اپنی نگرانی میں کام کرواتے نظر آئے تھے یونہی اِدھر اُدھر پھرتے وہ تھک ہار کر ایک جگہ ستانے کو بیٹھے تھے جب معاذ بھائی کا ایک ملازم ایک ٹوکری میں دھلے دھلائے آم لے آیا تھا اور ان کے آگے رکھ دیئے تھے۔

"یہ ہمارے باغوں کے آم ہیں۔" جنید نے بتایا تھا۔

خوب سیر ہو کر کھانے کے بعد وہ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے جنید انہیں باقی گاؤں کی سیر کرانے لگا تھا عزت کافی ایکسائیٹڈ تھی جبکہ عدن پہلے بھی ایک دوبار یہاں آچکا تھا۔

"یہ کیا بیچ رہی ہے؟" شام ڈھلے جب وہ واپسی کے لئے نکلے تو ایک عورت کو سر پہ ٹوکرا رکھے بیچ پہ پڑے ڈبے رکھے آوازیں لگاتے دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"چوڑیاں، تمہارے شہر میں تو اسٹال لگتے ہیں دکانیں ہوتی ہیں ہمارے ہاں ایسے ملتی ہیں چوڑیاں۔" منتہیٰ نے اسے بتایا تھا۔

"ریئلی۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"پہنو گی؟" منتہیٰ نے اسے حیران دیکھ کر پوچھا تھا۔

"ہو ہی نہیں سکتا۔" عدن ہنسا تھا۔

"کیوں؟" منتہیٰ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"تم یقین نہیں کرو گی یہ واحد لڑکی ہو گی جس نے کبھی چوڑی نہیں پہنی اور تمہیں بتاؤں اس نے کبھی عام لڑکیوں کی طرح شلوار قمیض بھی نہیں پہنا، ہر وقت جینز شرٹ یا کرتا، لڑکا بنی پھرتی ہے گھر میں۔" عدن نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"ریئلی۔" منتہیٰ نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا تو وہ مسکرا دی تھی۔

"عورت کا تو سنگھار ہوتا ہے یہ چوڑیاں، آؤ تمہیں آج پہناؤں۔" منتہیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اس عورت کو آواز دے کر روکا تھا۔

"مجھے بہت عجیب لگتی ہیں چوڑیاں منتہیٰ آپی۔" وہ جھجکی تھی۔

"کوئی نہیں دیکھنا بہت پیاری لگتی ہے۔" منتہیٰ نے اسے سامنے بٹھایا تھا اور اس عورت نے عزت کا نرم نازک ہاتھ تھام دونوں بازوؤں میں ست رنگی چوڑیاں بھر دی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہے ناں؟" عزت نے اشتیاق سے بازو اس کے سامنے کیا تھا عدن نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے پہنتی رہا کرو۔" منتہیٰ نے محبت سے اس کے ہاتھ تھامے تھے عزت مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

"دادو میں ایک بات سوچ رہی تھی آپ منتہیٰ آپی کے ساتھ ساتھ معاذ بھائی کی شادی بھی کر دیتے ناں۔" دادی جان اور بی بی جان منتہیٰ کے لئے بن کے آئے ہوئے زیورات دیکھ رہی تھیں جب وہ اچانک بولی تھی، عدن جنید اور معاذ

بھائی سامنے والے صوفے پر بیٹھے مایوں مہندی میں ہونے والے انتظامات ڈسکس کر رہے تھے بے اختیار رک کر سوال کرنے والی کی طرف متوجہ ہوئے تھے (معاذ بھائی نے بے اختیار پہلو بدلا تھا)۔

''ارے کیا بتاؤں بیٹا میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی مانتا ہی نہیں میری بات۔'' دادی جان نے سرد آہ بھری تھی۔

''کیوں؟ کسی لڑکی کا چکر ہے کیا؟'' منہ پھٹ تو وہ صدا کی تھی دادی کا بے ساختہ منہ کھلا تھا۔

''لڑکی کا چکر بھی ہوتا تو ٹھیک ہے ہزار بار پوچھ چکے بتاتا ہی نہیں ڈھیروں ڈھیر لڑکیوں کی تصویریں بھی دکھائی مگر مانتا ہی نہیں۔'' جواب بی بی جان کی طرف سے آیا تھا۔

''پھر میں سمجھ گئی، کوئی لڑکی دھوکہ دے کر چلی گئی اور یہ اس کا جوگ لے کر بیٹھے ہیں، ہے ناں معاذ بھائی؟'' جنید اور عدن نے بمشکل قہقہہ روکا تھا جبکہ معاذ بھائی سٹپٹا اٹھے تھے، (جنید سچ کہتا ہے بٹاخہ لڑکی ہے)۔

''ایکسکیوزمی، مجھے کوئی کام ہے بعد میں آتا ہوں۔'' کہہ کر وہ رفوچکر ہو گئے تھے۔

''دیکھا ایسے ہی کرتا ہے۔'' دادی غمزدہ ہوئی تھی۔

''دادو یہ ساری زندگی ایسے ہی کرتے رہیں گے آپ حرکت میں کیوں نہیں آتی بڑی ہے ان سے آرڈر کریں منتیں نہیں ورنہ ساری زندگی آپ پوتے پوتیوں کی شکل دیکھنے کو ترس جائیں گی۔'' وہ اب دادی کے کان بھر رہی تھی جبکہ عدن اور جنید نے حیران نظروں سے اسے اور دادی کو دیکھا، جواب کھسر پھسر کر رہی تھی۔

''بالکل سچ کہہ رہی ہو اب ایسے ہی کروں گی میں دیکھو ذرا مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔'' دادی نے اپنے ہی سر پر چپت لگائی تھی عزت نے نظر بچا کے عدن اور جنید کو بائیں آنکھ ماری تھی ساتھ ہی وکٹری کا نشان بنایا تھا دونوں منہ کھولے بیٹھے رہ گئے۔

☆☆☆

منتہیٰ کو دو دن پہلے مایوں بیٹھا دیا گیا تھا اور عزت کے پاؤں میں گویا بجلی سی بھر گئی تھی کبھی دادی جان کے ساتھ جوڑے ٹانک رہی ہوتی کبھی ملازم کے ساتھ مل کر ڈسٹنگ کروا رہی ہوتی کبھی بی بی جان کے ساتھ کچن میں پائی جاتی عدن حیران و پریشان بس اسے دیکھتا جاتا اسے ہو کیا گیا تھا وہ عزت ملک جس نے گھر میں کبھی مل کر پانی تک نہ پیا تھا وہ یہاں ہر وہ کام کرتی نظر آتی جو وہ ایکسپٹ ہی نہیں کرتا تھا۔

ابھی بھی وہ ملازمہ کے ساتھ مل کر ہال کمرے کے فرنیچر کی سیٹنگ کر رہی تھی جب بابا جانی کی کال آئی تھی، سلام دعا کے بعد انہوں نے عدن کا پوچھا تھا، تو وہ اسے ڈھونڈتی باہر نکل آئی۔

''دادو عدن کو کہیں دیکھا ہے کیا؟'' دوپٹے کو گوٹا لگاتی دادی کو مخاطب کیا تھا اس وقت وہ رشتہ دار خواتین میں گری بیٹھی تھی سب ہی منتہیٰ کے جہیز کے کپڑے پیک کر رہی تھیں۔

''عدن کو میں نے باہر جاتے دیکھا تھا لان کی طرف۔'' جنید کی خالہ کی طرف سے جواب آیا تھا، وہ موبائل کان سے لگائے باہر نکل آئی لان میں جنید کے کچھ دوست اور ملازم شامیانے لگا رہے تھے دور دور تک اسے کہیں بھی عدن دکھائی نہ دیا۔

''بابر سنو، عدن کا کچھ پتا ہے کہاں ہے؟'' قریب سے گزرتے مالی بابا کے بیٹے کو روکا تھا۔

''عدن بھائی اوپر چھت پہ ہے معاذ بھائی اور جنید بھائی کے ساتھ۔'' بابر نے ہاتھ کے اشارے سے اوپر چھت کا بتایا تو وہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی آئی سامنے ہی وہ تینوں ریلیکس موڈ میں بیٹھے نظر آئے۔

''عدن!'' آواز دینے پہ تینوں نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''بابا کب سے تمہیں کال کر رہے ہیں موبائل کہاں ہے تمہارا۔'' خفگی سے اسے دیکھا۔

''یار بیٹری ڈاؤن ہوگئی تھی نیچے چارج پہ لگا چھوڑ کے آیا ہوں۔'' عدن اٹھ کر اس کے قریب آیا تھا۔

''بابا کی کال ہے۔'' عزت نے اسے موبائل تھمایا اور خود جنید اور معاذ بھائی کی طرف چل آئی عدن موبائل لئے سائیڈ پہ چلا آیا چاچو کو کچھ فائلز درکار تھیں اور کچھ میٹنگ کے کچھ پوائنٹ ڈسکس کرنے تھے تھوڑی دیر بعد جب وہ کال ختم کر کے پلٹا تو ساکت رہ گیا۔

وہ جنید کے ساتھ کوئی بحث کر رہی تھی جنید معاذ بھائی کو چھیڑ رہا تھا اور وہ معاذ بھائی کا دفاع کر رہی تھی دونوں ہاتھوں سے معاذ بھائی کا بازو تھام رکھا تھا ساکت اسے معاذ بھائی کے بازو پکڑنے نہیں کیا تھا بلکہ ان نظروں نے کیا تھا جو معاذ بھائی نے عزت کے چہرے پہ ٹکا رکھی تھیں آس پاس سے بیگانہ وہ بس عزت کو دیکھ رہے تھے، عزت تو سب کے ساتھ ایک جیسی تھی وہی بچکانہ حرکتیں تھی اس کی گھر میں وہ اذان بھائی کے ساتھ بھی ایسی ہی رہتی خود عدن کے ساتھ بھی اور عدن کے کچھ دوست جن کے ساتھ وہ فرینک تھی ان میں جنید بھی تھا جنید کے بعد اب معاذ بھائی کے ساتھ بھی، مگر معاذ بھائی تو سب جانتے تھے ناں پھر ایسے کیوں اسے دیکھ رہے تھے۔

''عزت!'' آواز خود بخود اونچی ہوگئی تھی معاذ بھائی اور جنید بے ساختہ مڑ کے اسے دیکھا، جبکہ عزت ''کیا ہوا عادی'' کہتی ہوئی گھبرائی سی اس کے قریب چلی آئی۔

''ثناء کی کال آرہی تھی۔'' اسے شاید خود بھی اندازہ ہوگیا تھا آواز اونچی ہونے کا اب کی بار بولا تو لہجہ نرم تھا۔

''اف ڈرا دیا تھا تم نے تو۔'' عزت نے موبائل لیتے ہوئے ایک کرارا سا مکا اس کے بازو پر رسید کیا تھا تو وہ زبردستی مسکراتا ہوا واپس ان دونوں کی جانب چلا آیا۔

☆☆☆

اور اس سے اگلے دن ہی کی بات ہے وہ جنید کے ساتھ مہندی کا کچھ سامان لینے قریبی شہر چلا تھا جب خیال آیا عزت کو کچھ نہ چاہیے ہو، اسے ڈھونڈتا ہوا اندرون حصے کی جانب چلا آیا۔

''بی بی جان عزت کہاں ہے؟'' چاول چنتی بی بی جان سے پوچھا تھا۔

''وہ شاید معاذ کے اسٹڈی روم میں ہو وہی جاتے دیکھا تھا اسے۔'' بی بی جان مصروف سے لہجے میں بولیں تھیں وہ چپ چاپ اسٹڈی روم کی طرف چلا آیا دروازہ کھلا پڑا تھا سامنے ہی وہ ریک سے کوئی کتاب نکال رہی تھی۔

وہ تھوڑا سا آگے آیا اور ٹھٹک گیا، عزت سے تھوڑی دور دائیں سائیڈ پر پڑی کرسی پہ معاذ بھائی بیٹھے تھے ہاتھ میں کتاب تھی مگر نظریں عزت پہ تھیں (وہی کل والی نظریں) عدن نے ہونٹ بھینچے ہوئے دروازہ ناک کیا معاذ بھائی سٹپٹائے جبکہ عزت اسے دیکھتے ہوئے کتاب واپس رکھتے اس کی طرف چلی آئی۔

''کام تھا تم سے کچھ، فری ہو۔'' عدن نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ہی دل میں شکر ادا کیا تھا۔
''کیا زیادہ طبیعت خراب ہو گئی تھی؟'' گاڑی اب گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکی تھی جنید نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
''مت پوچھو یار میں تو اس کی حالت دیکھ کر ایک سیکنڈ کے لئے ڈر ہی گیا تھا۔'' عدن نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگایا تھا عزت نے گھور کے اسے دیکھا تھا۔
''بس بھی کر دو اب تو پورا سال تمہارے طنز ختم نہیں ہونے والے۔'' جھنجھلا کے گویا ہوئی تھی جنید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگنے لگی۔
''شکر ہے زبان صحیح ہے ابھی اس کی ورنہ میں چاچو کو کال کر کے بتانے والا تھا آپ کی بیٹی گونگی ہو چکی ہے۔'' عدن نے اسے چھیڑا تھا۔
''گونگے ہوں میرے دشمن یعنی تم، اسے چھوڑیں جنید آپ بتائیں آپ کے گھر میں اور کون کون رہتا ہے؟'' اسے جواب دے کر وہ جنید سے بولی تھی جو دونوں کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا چونک کر متوجہ ہوا تھا۔
''میرے گھر میں اب جا رہی ہو تو خود ہی دیکھ لینا ویسے میں تو شہر ہوتا ہوں یہاں یہ میرے بڑے بھائی ہے معاذ بھائی ان سے چھوٹی میری سسٹر ہے منتہیٰ جس کی شادی ہے اور میری مدر ہے اور دادی ہے بس۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔
''واؤ آپ کی دادی بھی ہے؟'' اشتیاق سے ذرا آگے کھسک آئی۔
''ہاں جی اور بہت اچھی بھی ہے تم ملو گی، تمہیں خود پتا چل جائے گا۔''
''اور آپ کے بھائی ان کی شادی ہو گئی کیا؟'' اگلا سوال داغا جنید نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں اور شاید دور دور تک کوئی ارادہ بھی نہیں ان کا۔'' جنید نے ٹھنڈی آہ بھری۔
''کیوں؟ کسی لڑکی نے دھوکہ دیا کیا؟'' کیا معصومیت تھی عدن کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
''یہ تو اب خود ہی جا کر پوچھ لینا ٹھیک ہے۔'' تیزی سے سر ہلایا، جیسے خود سے عہد کیا ہو کہ یہ سوال لازمی پوچھنا ہے ان سے)
''تم کیا گھور گھور کے دیکھ رہے ہو کبھی لڑکی نہیں دیکھی کیا؟'' تبھی اس کی نظر عدن پہ پڑی تھی جو بیک مرر سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تمہیں کیوں دیکھوں گا میں تو خود کو دیکھ رہا ہوں مرر میں کیسا شہزادہ لگ رہا ہوں آج ہے ناں جنید؟'' چوری پکڑے جانے پر جنید کو ساتھ گھسیٹا تھا جو مسکراہٹ دبائے بیٹھا تھا۔
''شہزادے اور تم؟'' عزت نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔
''ہاں جی، یقین نہیں آ رہا تو دیکھنا جب ہم اتریں گے تو گاؤں کی لڑکیاں کیسے مڑ مڑ کر مجھے دیکھیں گی۔'' کیا ادا تھی عزت نے گھور کے اسے دیکھا تھا۔
منہ میں کرارا سا جواب آیا تھا مگر گاڑی کو بڑی سی حویلی کے آگے رکتے دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی، اتنی بڑی شاندار حویلی تھی وہ حیرت زدہ تھی (گاؤں میں بھی اتنے خوبصورت گھر ہوتے ہیں کیا؟)
''آپ کی حویلی بہت خوبصورت ہے۔'' وہ جنید سے کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔
''آخر گاؤں کے بڑے جاگیردار چوہدری ہوتے ہیں ہم۔'' جنید نے فخر سے کالر جھٹکا تھا اور انہیں ساتھ لئے اندر چلا آیا تھا، جہاں اس کی فیملی ان کے استقبال کے لئے پہلے سے ہی موجود تھی، خاموش مزاج چہرے پہ ہلکی سی اسمائل لئے،

''معاذ بھائی بھی بہت اچھے ہیں بٹ بولتے بہت کم ہے، پتا ہے عدن مجھے ان کے چہرے پہ بجی مونچھیں بہت پسند ہے کسی مرد کو مونچھیں اچھی بھی لگ سکتی ہیں اور پتا ہے میں نے موبائل میں سے تمہاری تصویر پر مونچھیں ایڈیٹ کر کے دیکھی مگر سوٹ نہیں کی تم ایسے ہی اچھے لگتے ہو مجھے۔'' وہ اب موبائل میں سے تصویریں نکال نکال کر دکھا رہی تھی عدن تصویروں کی بجائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم معاذ بھائی سے دور رہا کرو مجھے اچھا نہیں لگتا وہ تمہیں جن نظروں سے دیکھتے ہیں۔'' نجانے کیا ہوا تھا وہ رہ نہیں سکا تھا بول دیا تیزی سے ٹچ پیڈ پہ انگلی چلاتے عزت کا ہاتھ رکا تھا نظر اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ سامنے دیکھ رہا تھا، سپاٹ، سنجیدہ چہرہ

''میں نے فیل نہیں کیا مگر اب احتیاط کروں گی۔'' اس کے لہجے میں بھی سنجیدگی در آئی تھی۔

''اندر چلیں بہت رات ہو گئی ہے۔'' اب کے وہ بولا تو لہجہ نرمی لئے ہوئے تھا عزت نے سر ہلایا اور اس کے پیچھے چل دی تھی۔

☆☆☆

بی بی جان کی کمر سے درد نکلا تھا وہ دہری ہوئی جا رہی تھی عزت نے انہیں دادو کے تخت پہ لٹایا اور خود ملازمہ کے سر پہ کھڑی ہو کر صفائی کروانے لگی سارا گھر صاف کروا کر جس وقت وہ تھکی ہوئی اندر بڑھی، اگلے ہی لمحے اس کا پاؤں رپٹا اور پھر پورا گھر اس کی چیخوں سے گونج اٹھا بی بی جان دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھتی اٹھی تھی باہر لڑکوں کے ساتھ کام کرواتے عدن جنید اور معاذ بھائی جبکہ مایوں بیٹھی ملتجی تک بھاگی چلی آئی تھی۔

آگے ہی وہ برآمدے میں پاؤں پکڑے درد سے دہری ہو رہی تھی تیزی سے نکلتا خون سفید فرش کو رنگتا چلا جا رہا تھا۔

''عزت!'' عدن نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا پاؤں کی ایڑھی میں بڑا سا کانچ کا ٹکڑا اندر تک دکھائی دیا۔

''یا اللہ جی!'' بی بی جان اتنا خون دیکھ کر خوفزدہ ہوئی۔

''یہ کیا ہو گیا یہاں کس موئے نے کانچ پھیلا رکھے تھے۔'' دادی جان جلال میں آئی تھی۔

''صبح رشیدہ سے گلاس ٹوٹا تھا جگہ صاف تو کر دی تھی اس نے مگر پھر بھی لگتا ہے کوئی ٹکڑا گرا پڑا رہ گیا۔'' جنید کی خالہ بولی تھی۔

''کچھ کرو معاذ جنید ڈاکٹر کو بلاؤ، کانچ نکالو دیکھو کیسے خون نکل رہا ہے اس کے پاؤں سے۔'' اسے تڑپتے دیکھ کر دادی تڑپ ہی تو اٹھی تھی، عدن اسے سنبھال رہا تھا، جنید نے اس کے پاؤں کو پکڑ کر کانچ نکالنا چاہا مگر وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی تھی۔

''نہیں......نہیں......نہیں پلیز۔''

''عزت نکالنے دو دیکھو کیسے خون ضائع ہو رہا ہے۔'' جنید نے اسے نرمی سے سمجھایا مگر وہ نفی میں سر ہلاتے رو دی تھی، جنید نے بے بسی سے عدن کو دیکھا۔

''میری طرف دیکھو عزت۔'' عدن نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما۔

''بہت پین ہے عادی۔'' چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، ہونٹوں سے سسکیاں نکل رہی تھیں عدن کے دل کو کچھ ہوا۔

''عزت......کانچ نکالنے دو جب تک اندر رہے گا تکلیف دے گا، بس تھوڑی سی تکلیف ہو گی پھر سب ختم ہو جائے گا ٹرسٹ می۔'' اس کی سسکیاں برداشت کرنا مشکل تھا، جنید کو اشارہ

کر کے اس نے عزت کا چہرہ تھام کر اپنی طرف کیا، اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی احتجاج کرتی جنید نے آہستگی سے کھینچ کر ٹکڑا اس کے پاؤں سے نکال لیا تھا، کانچ نکلا تو اس کی چیخ نکل گئی، سسکتی ہوئی وہ عدن کے ساتھ لگ گئی تھی، خون بھل بھل نکلنے لگا تھا، عدن نے اسے بازو کے گھیرے میں لیا اور دوسرا ہاتھ اس کے بے دردی سے ضائع ہوتے خون والی ایڑی پہ رکھ کر اسے جیسے بہنے سے روکا تھا، منتہیٰ بھاگ کر فرسٹ ایڈ باکس لے آئی تھی، جنید روئی اور ڈیٹول سے اس کا پاؤں صاف کرنے لگا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی عزت ابھی مرہم لگے گا تو ٹھیک ہو جائے گا درد نہیں ہو گا بلیومی۔" عدن کے سینے پہ سر رکھے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ دبوچ رکھی تھی عزت درد سے بے حال تھی عدن نے آہستگی سے اس کے بالوں کو سہلایا تھا، وہ ہمیشہ سے اس کے آنسوؤں سے ہار جاتا تھا یہ اس کی کمزوری تھی وہ کبھی بھی اسے تکلیف میں یا روتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"لگتا ہے زخم بہت گہرا ہے خون کسی طور پہ بھی نہیں رک رہا، کیا کریں۔"

"ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔" جنید کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

"بہت مشکل ہے یار وہ بہت تکلیف میں ہے چل کر کیسے جائے گی، ڈاکٹر کو یہاں نہیں بلا سکتے کیا؟" عدن سے اس کا تڑپنا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"ڈاکٹر کو یہاں آتے تک پندرہ بیس منٹ لگے گے میں لے آتا ہوں تب تک تم لوگ کسی طرح خون روکنے کی کوشش کرو۔" معاذ بھائی فوراً بولے تھے اور باہر نکل گئے۔

"عدن بیٹا اسے کسی طرح اٹھا کر تخت پر لے چلو دیکھو منٹوں میں کیسے نچڑ سی گئی ہے۔" دادی جان نے بے حال ہوئی عزت کو دیکھا اور عدن سے بولا تھا، جیسے تیسے کر کے جنید نے عارضی طور پر بینڈیج کر دی تھی، عدن اسے سہارا دیئے تخت تک لایا تھا اور پھر ڈاکٹر کے آنے تک وہ اتنی نڈھال ہو چکی تھی کہ عدن کے بازوؤں میں ہی جھول گئی۔

☆☆☆

"کیسی ہے اب وہ؟ کیا میں اس دیکھ سکتا ہوں؟" جنید کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا، ڈاکٹر کے آنے تک وہ اس کے پاس رہا تھا اس کے بعد وہ منتہیٰ کے کمرے میں پہنچا دی گئی جہاں دن بھر خواتین کا ڈیرہ رہا تھا جو ایک سیکنڈ کو بھی کمرے سے باہر نہ نکلی تھی دوبارہ اسے جانے کا اسے دیکھنے کا موقع تک نہ ملا وہ نہیں جانتا اس کے بعد وہ کب ہوش میں آئی تکلیف میں تھی یا آرام آ گیا تھا ابھی رات کا ایک بج رہا تھا وہ بے صبری سے جنید کے آنے کا انتظار کر رہا تھا جو اسے دیکھنے منتہیٰ کے روم میں گیا تھا۔

"منتہیٰ بتا رہی تھی رو رہی تھی بہت درد تھا اسے میڈیسن دی ہے تکور بھی کرتی رہی ہے بتا رہی تھی بہت تیز بخار ہو رہا ہے اسے۔" جنید نے سنی سنائی ساری انفارمیشن اس کے گوش گزار کر دی۔

"میں اس سے مل سکتا ہوں؟" لہجے میں تڑپ تھی جنید نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"مان کیوں نہیں لیتا اس سے محبت ہے تجھے۔" وہ مسکرایا۔

"محبت نہیں ہے مجھے اس سے۔" عدن نے رک کر اسے دیکھا۔

"عشق ہے مجھے اس سے۔" (اب کی بار

ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی)۔

''اس سے دور ہونے کا سوچتا ہوں سانسیں اکھڑنے لگتی ہیں میری۔'' افسردہ سی مسکراہٹ چہرے پر پھیلی تھی۔

''سارا دن بی بی جان دادی ملتجی اس کے پاس رہی مگر میں جانتا ہوں اسے میرا انتظار ہو گا۔''

''وہ میرا ویٹ کر رہی ہو گی پلیز میں اس سے ملنا چاہتا ہوں جنید۔'' آنکھوں میں التجاء سی تھی جنید اس کا ہاتھ تھپتھپاتا ہوا اٹھ گیا۔

''آ جا ملتجی دوسرے روم میں چلی گئی ہے دادی لوگ سو چکے ہیں تیرا رستہ صاف ہے۔'' پانچ منٹ بعد ہی دوبارہ واپس آیا تھا عدن نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا وہ اوندھے منہ بیڈ پہ لیٹی نظر آئی بایاں پاؤں پٹی میں جکڑا ہوا تھا۔

''بہت درد ہو رہا ہے ملتجی آپی۔'' دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ یونہی لیٹی لیٹی بولی تھی آواز بھیگی ہوئی تھی وہ آہستگی سے چلتا ہوا گھٹنوں کے بل کارپٹ پہ بیٹھا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا پاؤں تھاما اور اگلے ہی پل جھک کر اوپر ہونٹ رکھ دیئے۔

''عادی۔'' وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

''بہت درد ہو رہا ہے؟'' دھیرے سے وہ اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا تھا لہجہ سرگوشی لئے شدت و جذبات سے بھرپور تھا پہلے تو اس کی آنکھیں جھلملائی اگلے ہی لمحے وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کے سینے پہ سر ٹکاتے رو پڑی تھی عدن نے اس کے گرد اپنا بازو پھیلایا تھا۔

''عزت بہت تکلیف ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں یار۔'' وہ اس کے شدت سے رونے پر پریشان ہوا تھا۔

''مجھ سے ہلا نہیں جا رہا چل کر کیسے جاؤں گی۔'' سو سو کرتی وہ بولی تھی عدن نے گہری سانس فضا میں چھوڑتے اسے دیکھا تھا گہرے بلو سوٹ میں وہ بغیر دوپٹے کے تھی بال کھلے ساری پشت پہ بکھرے پڑے تھے اس نے آہستگی سے اس کے بالوں پہ ہونٹ جما دیئے۔

''میں کس لئے ہوں یہاں اٹھا کر لے جاؤں گا۔'' جھک کر اطلاع دی عزت کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی نظر اٹھا کر اسے دیکھا جو پہلے یہ اس پہ نظریں گاڑیں بیٹھا تھا۔

''دادو کہتی ہیں لڑکوں سے ایک فاصلہ رکھ کے ملنا چاہیے۔'' بھیگی آنکھوں میں شرارت بھری تھی۔

''دادو سے یہ بھی پوچھنا تھا ناں اپنے شوہر سے بھی فاصلہ رکھ کے ملنا چاہیے کیا؟'' عدن نے اس کی تھوڑی پہ ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اوپر کیا تھا اور گال پہ ٹھہرے آنسو کو نرمی سے صاف کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''دادو نے یہ بھی کہا تھا کہ شوہر اگر اگنور کرے تو اس کی جان لے لینی چاہیے۔'' اب کے وہ اسے تنگ کر رہی تھی تو وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

''اور اگر بے چارا شوہر پہلے سے ہی جان ہتھیلی پہ لئے پھر رہا ہو تو؟'' اب کے وہ بھی شرارت کے موڈ میں آیا تھا۔

''تو پھر سمجھ جانا چاہیے کہ شوہر اب شوخا ہو رہا ہے۔''

ایک سیکنڈ رک کر اس نے عدن کو دیکھا جو اس پہ جھکا ہوا تھا اور پھر دونوں ہاتھ اس کے سینے پہ جما کر اسے پرے دھکیلا اور کھلکھلاتے ہوئے

سیدھی ہوئی تھی، اسی پل دروازہ ناک ہوا تھا اگلے ہی لمحے جنید اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھتے ہی عزت نے تکیے پہ پڑے دوپٹے کو اٹھا کر شانوں پہ پھیلا لیا تھا۔

''کیسی ہو جنگلی بلی؟ تم نے تو آج ڈرا کے ہی رکھ دیا تھا۔'' اندر آتے ساتھ ہی وہ شروع ہوا تھا۔

''اب ٹھیک ہوں۔'' عزت نے مسکرا کر اسے دیکھا، جبکہ عدن اب بھی مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا اس نے جنید کے آنے کا بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔

''کیسے ٹھیک نہیں ہو گی بھلا مسیحا جو اتنا ہینڈسم بھیجا ہے۔''

''ویسے اچھے سے مسیحائی کر تو رہا ہے ناں؟'' جنید نے شرارت سے اسے دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔

''ایں وے یہ منتہیٰ نے بھیجی ہے نیم گرم ریت ہے بول رہی تھی پاؤں کی ٹکور کرتی رہنا درد میں کمی آئے گی۔'' ہاتھ میں تھاما کپڑا عزت کی طرف بڑھایا جس میں ریت بندھی تھی اس سے پہلے عزت تھامتی عدن نے ہاتھ بڑھا کر پوٹلی تھام لی۔

''تم لوگ بیٹھو میں سونے جا رہا ہوں۔'' شرارت سے کہتا ہاتھ ہلاتا وہ باہر نکل گیا جبکہ عزت نے گھور کر اسے دیکھا۔

''نکلو تم بھی میں خود کرلوں گی۔''

''ویس مادام۔'' مسکراتے ہوئے وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کر جھکا تھا اور پھر دونوں کندھوں سے اسے تھام کر بیڈ پہ لٹایا اور اس کا پاؤں گود میں رکھ لیا۔

''عادی میں...... شش۔'' بولنا چاہا مگر اس نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر چپ کروایا اور خود پوٹلی ہاتھ میں تھام کر ٹکور کرنے لگا وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ اسے غنودگی نے آ لیا کچھ دیر بعد وہ اس پہ کمبل ڈال کر باہر نکل آیا۔

☆☆☆

اور پھر ڈاکٹر کی میڈیسن اور دادی کے ٹوٹکوں نے مل کر اس نے زخم کو مہندی والے دن تک بہت زیادہ نہیں کافی حد تک مندمل کر دیا تھا، مہندی کے فنکشن میں پیلے رنگ کا کرتا اور سبز رنگ کا چوڑی دار پاجامہ پہنے گوٹے کے کام سے بھرا نیٹ کا سبز رنگ کا دوپٹہ شانوں پہ پھیلا رکھا تھا (یہ سوٹ اسے بطور خاص دادی نے خود بنا کر دیا تھا) لمبے گھنے بالوں کی چوٹی بنا کر آگے ڈال رکھی تھی جس میں سجے چھوٹے چھوٹے پھول الگ ہی چھب دکھا رہے تھے دونوں کلائیوں میں بھر بھر کے کانچ کی سبز اور پیلی چوڑیاں چڑھائے ان کے ساتھ سرخ گلابوں کے گجرے سجائے اس کی نازک کلائیاں گویا مہک اٹھی تھی، مہندی کا فنکشن بہت زبردست رہا تھا مردوں کا انتظام باہر گراؤنڈ میں جبکہ خواتین کا انتظام لان میں کیا گیا تھا، لڑکے والے خوب دھوم دھام سے مہندی لے کر آئے تھے، ڈھولک کی تھاپ پر رقص کرتے دولہا کے دوست اور احباب آگے آگے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، گاؤں کی پہلی شادی تھی جو عزت نے کھل کر انجوائے کی تھی منتہیٰ کو مہندی لگاتے جمال بھائی (دولہا) سے چھیڑ چھاڑ کرتے وہ منتہیٰ کی دوستوں کے ساتھ وہ آگے آگے تھی اور تو اور منتہیٰ کی دوستوں اور کزنز کے ساتھ مل کر گاؤں کا اسپیشلی رقص بھی کیا تھا جس میں زبردستی دادو اور بی بی جان کو گھسیٹا تھا گھر کے فرد ہونے کے ناطے وہ جنید اور معاذ بھائی کا خواتین میں آنا جانا لگا رہا تھا وہ موقع کی تلاش میں تھا کب وہ اسے اکیلی ملتی ہے، مگر وہ تو صبح

ہے ایسی چمک رہی تھی کہ شاید اسے بھی بھلا بیٹھی تھی۔

اور پھر ایک موقع ہاتھ آ ہی گیا تھا وہ ایک دلکش تھال میں گجرے لیے دو لڑکیوں کے ساتھ کھڑی تھی جب وہ تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

''عزت بات سنو، ماما نے کان کھا رکھے ہیں تمہاری کچھ پکس لے کر انہیں سینڈ کروں جلدی آؤ۔'' اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچا تو وہ تھال لڑکی کو پکڑا کر اس کے ساتھ چلی آئی دو چار پکچر بنوا کر اسے دوبارہ کوئی داود کا کہا کوئی کام یاد آیا تو وہ بھاگتی چلی گئی۔

''چچ...... چچ...... لگتا دیدار ٹھیک سے نہیں ہوا؟'' وہ افسوس سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا جب پیچھے سے جنید کی آواز آئی تھی عدن نے مڑ کر اسے غصے سے گھورا پر بولا کچھ نہیں۔

''فکر نہ کر تیرا یار ہے ناں پھر ٹینشن کس بات کی لے رہا ہے تو؟'' اگلے ہی پل اس کا کندھا تھپتھپایا اور اس طرف چل پڑا جہاں وہ لڑکیوں میں بیٹھی تالیاں پیٹ رہی تھی۔

''عزت!'' پاس آ کر اسے چیخنا پڑا تھا لڑکیوں نے شور ہی اتنا مچا رکھا تھا۔

''جی!'' وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی، وہ اندر شاید تمہیں کوئی خاتون ڈھونڈ رہی تھیں۔

اشارے سے اندر کی جانب اشارہ کر کے بتایا۔

''کون تھیں؟'' عزت نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ انجان بن کر کندھے اچکا گیا۔

''اچھا دیکھتی ہوں۔'' کہتی ہوئی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی، اسے جاتے دیکھ کر جنید نے مڑ کر عدن کو دیکھا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کر کے خود سر کھجاتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اندرونی حصے میں بس اکا دکا ہی عورتیں تھیں جو اپنے اپنے کام میں مصروف نظر آئیں پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھتے وہ کچن کے پاس سے گزری تھی جب اندر موجود کسی نے اس کا بازو تھام کر اندر کھینچ لیا اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے چیخ نکلتی۔

''شش۔'' کی آواز کے ساتھ اس کے منہ پہ مضبوط ہاتھ آ ٹھہرا تھا۔

''عادی۔'' اندھیرا ہونے کے باوجود ہزاروں میں وہ اس آواز اس لمس کو پہچانتی تھی۔

''شش چپ، اب بھاگی تا تو دیکھنا۔'' سرگوشی نما لہجہ تھا اگلے ہی لمحے عدن نے اس کا ہاتھ تھاما اور سب سے نظر بچا کر اسے چھت پہ لے آیا۔

''عادی یہ کیا طریقہ ہے کوئی دیکھ لے تو۔'' وہ جھنجھلائی تھی۔

''تو کیا کروں کام تھا مجھے تم سے کچھ بتانا تھا تمہیں اور میڈم ہے کہ آج ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔'' عدن نے خفگی سے اسے گھورا۔

''اچھا سوری بتاؤ کیا بات ہے۔'' اس کے لہجے میں ناراضگی دیکھ کر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔

''تم بہت پیاری لگ رہی ہو آج۔'' اسے معذرت کرتے دیکھ کر وہ بھی فوراً پھیلا تھا، عزت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔

''بس؟ میں سمجھی پتا نہیں کیا بتانا تھا۔'' وہ اسے تنگ کرتے ہوئے بولی تھی۔

''کچھ اور بھی بتانا تھا۔'' اسے جانے کے لیے پر تولتے دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔

''بتاؤ۔'' وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ممی ٹھیک کہتی ہے تمہیں واقعی چوڑیاں

بہت اچھی لگتی ہے پہنتی رہا کرو۔" اس کے دونوں ہاتھوں کو نرمی سے تھام کر ہونٹوں سے لگایا تھا، عزت نے شپٹا کر آگے پیچھے دیکھا۔

"عادی کوئی آ جائے گا۔" گھبرا کر ہاتھ چھڑوانا چاہا مگر وہ بغیر پرواہ کیے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرتے ہوئے اس پہ جھکا تھا۔

"آ جانے دو، اپنی بیوی سے چھپ کر ملنا اگر گناہ ہے تو میں سزا کا حق دار ہوں۔" لہجے میں شرارت در آئی۔

"عادی پلیز۔" شرم سے سرخ پڑتی وہ سر جھکا گئی تو سر اس کے سینے سے ٹکرایا گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر گرفت مضبوط تھی وہ صرف کسمسا کر رہ گئی۔

"کس نے کہا تھا آج اتنی پیاری لگو۔"

"ہوں۔" انگلی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"بارہ سالوں سے ضبط کر کے بیٹھا تھا خود پہ مگر تم نے دو دن میں ہی سارا ضبط ختم کروا دیا اب جاتے ہی پاپا سے رخصتی کی بات کروں گا اور خبردار جو اس بار بھی پڑھائی کو بیچ میں لائی تو۔" دھیرے دھیرے اس کے کان میں سرگوشی کرتا اینڈ پہ اسے گھورا تھا۔

"جی نہیں، ابھی میں بچی ہوں، پانچ سات سال شادی کا نام بالکل بھی نہیں لوں گی۔" شرارت بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے دونوں ہاتھ اس کے سینے پہ جما کر اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

"بچی ہو، صبر کرو، انیس سال کی اتنی بڑی بچی پہلی بار دیکھ رہا ہوں میں۔" عدن نے اس کا بازو تھام کر دبایا تھا۔

"اف عادی ظالم۔" وہ درد سے کراہی تو عدن نے فوراً ہاتھ چھوڑا تھا ہاتھ ملتے ہوئے عزت نے اسے گھورا تھا اگلے ہی لمحے پیچھے بھاگ گئی تھی پیچھے وہ مسکراتا ہوا سر پہ ہاتھ پھیرتا رہ گیا۔

☆☆☆

بارات والے دن بھی اس کی چھب نرالی تھی گہرے میرون رنگ کی میکسی پہنے بے تحاشا بال کھول کر بائیں کندھے پہ ڈال رکھے تھے کانوں میں جھولتے لمبے آویزے اس کے گالوں سے ٹکراتے تو عدن ملک کا دل سینے میں ٹکریں مارنے لگتا، میرون کلر کی نازک سی کھسہ نما جوتی پہنے ٹک ٹک کرتی وہ یہاں وہاں پھر رہی تھی ابھی بھی لڑکیوں کے ساتھ پھولوں کی پتیاں اٹھائے بارات کے استقبال کے لیے وہ کھڑی تھی بارات آنے والی تھی پر نجانے بی بی جان اور دادو کہاں تھی عدن بھی نجانے صبح کا کہاں تھا بس ایک دو بار سامنا ہوا تھا، انہیں ڈھونڈتی ہوئی وہ اندرونی حصے کی جانب آئی تھی اور ٹھٹک کر رک گئی سامنے ہی تایا ابو تائی امی بابا مما اذان بھائی بھابی عدن بی بی جان اور دادو کے ساتھ بیٹھے نظر آئے۔

"بابا جانی۔" اگلے ہی لمحے وہ چیختی ہوئی بابا جانی کے گلے جا لگی تھی، جنہوں نے اسے دیکھتے ہی بانہیں وا کر لیں تھیں۔

"آئیم سرپرائزڈ، آپ لوگ کب آئے؟" فرداً فرداً سب سے ملتے ہوئے وہ مما کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے آئے۔" مما نے محبت سے اس کا چہرہ چوما۔

"ماشاء اللہ (آج ان کی بیٹی لگ بھی بہت پیاری رہی تھیں شاید زندگی میں یوں پہلی بار تیار ہوئی تھی شاید)۔"

"رات بات ہوئی تھی تب تو آپ نے نہیں بتایا آنے کا اب یوں اچانک۔" وہ واقعی حیران تھی۔

مسکرا دیا۔
''مکھن، لسی، دیسی گھی میں گوندھ گوندھ کے چوریاں کھلائی ہیں دادی جان نے۔''
''ریئلی۔'' مما کا منہ کھلا رہ گیا۔
''ہاں جی پہلے تو بڑے نخرے کیے بعد میں بڑے مزے لے لے کر کھائی تھیں محترمہ۔''
عدن مزید بتا رہا تھا، مما نے بے یقینی سے اسے دیکھا اس سے پہلے وہ کچھ کہتی ان کا موبائل بجا تھا تو وہ اٹھ کر باہر نکل گئی جبکہ عدن اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''اتنی سست کیوں ہو رہی ہو؟'' منہ پر سے دوپٹہ کھینچا تو وہ منہ بسورتے اٹھ بیٹھی۔
''تو اور کیا کروں وہاں کچھ نہ کچھ کر تو لیتی تھی یہاں کوئی کچھ کرنے بھی نہیں دیتا سوؤں نہیں تو کیا کروں چھٹیاں بھی ختم نہیں ہو رہی ورنہ یونی ہی چلی جاؤں۔''
''مما اور چچی کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹا دیا کرو کم از کم مستقبل میں مجھے تمہارے ہاتھ کے اچھے اچھے کھانے تو ملیں گے۔'' عدن نے اسے چھیڑا تھا تو وہ اسے گھورتے ہوئے دوبارہ لیٹنے لگی جب عدن نے اسے بازو سے تھام کر واپس بٹھایا۔
''چپ کر کے بیٹھی رہو ایک تو اتنے دنوں بعد شکل دکھا رہی ہو اوپر سے مزاج ہی نہیں مل رہے میڈم کے۔'' وہ چپ چاپ منہ بسورتی یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔
''اب اتنے پیار سے بھی نہ دیکھو۔'' وہ شرارت پہ آمادہ تھا۔
''اتنی خوش فہمی کیوں ہے تمہیں؟'' وہ مسکرا دی تھی۔
''اسے خوش فہمی نہیں سمی فہمی کہتے ہیں۔'' عدن نے دھیمی آواز میں ٹھنڈی آہ بھری۔
''رات کو جا رہا ہوں۔'' اگلے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہوا۔
''کہاں؟'' عزت نے چونک کر اسے دیکھا
''اسلام آباد میٹنگ کے سلسلے میں دو تین دن لگے گے۔'' اسی پل تایا ابو لاؤنج میں داخل ہوئے تھے پیچھے پیچھے تائی امی چائے کی ٹرے تھامے ہوئے تھیں۔
''ہاں بھئی برخودار تیار ہو میں بس چینج کر کے آیا پھر چلتے ہیں۔'' عدن کے سر ہلانے پہ وہ کہتے ہوئے واپس مڑ گئے تھے۔
''تمہارے بھی کپڑے نکال دیتی ہوں تم بھی چینج کر لو۔'' تائی امی چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے تایا ابو کے پیچھے نکل گئی تھیں۔
''اپنا خیال رکھنا، نمبر آن رکھنا اپنا کال کرتا رہوں گا میں۔'' آہستگی سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے وہ بھی اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

''مگر مما یہ کیسے ممکن ہے، ابھی تو صرف میں میڈیکل کے سیکنڈ ائیر میں ہوں۔'' اگلے دن رات کو وہ سونے لیٹی تھی جب دستک دیتی مما اندر چلی آئی پھر جو بات انہوں نے کی وہ تو سن کے ہی پریشان ہوئی تھی۔
''بیٹا تم جانتی تو ہو تمہارے تایا ہارٹ پیشنٹ ہیں ان کی شدید خواہش ہے عدن کی اور تمہاری شادی جلد از جلد ہو جائے، تم سے محبت بھی تو بہت کرتے ہیں ناں صرف اس سوچ نے انہیں کئی دنوں پریشان رکھا تھا جب ایک دن تم بیاہ کے اپنے سسرال جاؤ گی تو ہم سب کیسے رہیں گے تمہارے بنا بس اسی سوچ نے ہمیں مل کر یہ فیصلہ کروایا تھا اور عدن کا نکاح کر دیں تم یہی رہو گی ہمارے پاس ہماری نظروں کے سامنے اور اب تمہاری اور عدن کی انڈر اسٹینڈنگ دیکھ کر تو

بالکل بھی نہیں لگا تم لوگوں کو ہمارا یہ فیصلہ نہ پسند ہو بلکہ تمہارے تایا کے ساتھ ساتھ اب عدن کی بھی شدید خواہش ہے رخصتی ہو جانی چاہیے۔" ماما نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بڑے پیار سے ساتھ لگایا تھا۔

"مگر ماما میری پڑھائی چل رہی ہے ابھی میں ٹھیک سے فوکس نہیں کر پاؤں گی آپ کو پتا تو ہے ڈاکٹر بننا میرا جنون ہے پھر اس وقت تایا ابو اور خود عدن نے بھی کہا تھا جب تک میری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی تب تک کوئی رخصتی کا نام نہیں لے گا اور پھر اب۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا تو ماما حیران ہوئی انہیں انکار کی امید نہیں تھی۔

"مگر بیٹا تمہارے بابا اور میں بھی یہی چاہتے ہیں تم ایک بار......"

"ماما پلیز۔" ماما کی بات کاٹتی ہوئی وہ بولی تو لہجہ دوٹوک تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بات کرتی ہوں تمہارے بابا سے۔" مما کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں عزت نے پرسوچ نظروں سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ جانتی تھیں عدن تک انکار پہنچتے ہی وہ اسے کال کر کے بازپرس کرے گا تو وہ جو سب کے سامنے ناں ناں کی رٹ لگائے بیٹھی ہے اسے انکار نہیں کر پائے گی اس نے سوچ لیا تھا محبت اپنی جگہ اب وہ اپنی خواہش اپنے خواب اپنا مستقبل داؤ پہ نہیں لگا سکتی تھی، وہ جانتی تھی ایک بار شادی ہو گی وہ پڑھائی پہ فوکس نہیں رکھ پائے گی سو سب کے آگے ڈٹی رہی عدن کی کال آئی تو بنا سنے موبائل آف کر دیا نتیجے میں اگلے ہی دن وہ اس کے سامنے تھا۔

"انکار کیوں کیا تم نے؟" وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"تم وجہ جانتے ہو عادی۔" اس نے سادہ لہجے میں پر اعتماد انداز میں کہا۔

"بس اتنی سی چھوٹی سی وجہ کے لئے تم نے انکار کر دیا۔" وہ بے یقین تھا۔

"چھوٹی سی وجہ؟ تمہارے لئے چھوٹی وجہ ہو گی عدن مگر میرے لئے میرا خواب میرا جنون سب کچھ ہے وہ وجہ۔" آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اعتماد سے بولی عدن نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہارا خواب، تمہارا جنون وہ ہے عزت تو میں کون ہوں پھر تمہارا بتاؤ؟" عدن نے بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"میں نے انکار نہیں کیا عادی بس تھوڑا سا ٹائم مانگا ہے پڑھائی ختم ہوتے ہی تم جیسے ہی کہو گے میں ویسا ہی کروں گی پر اس، صرف دو تین سال اور پلیز۔" التجائیہ انداز تھا، عدن نے سر نفی میں ہلایا۔

"عادی کیا ہو گیا ہے تمہیں تم پہلے تو ایسے نہیں تھے تم نے خود کہا تھا میری پڑھائی تک کوئی رخصتی کی بات نہیں کرے گا اور اب تم خود ہی۔" وہ الجھی تھی۔

"کیوں کے اب مجھ میں صبر نہیں رہا جب میرے نکاح میں ہونے کے باوجود تمہارے پرپوزل آ رہے ہیں تو تم کیا چاہتی ہو میں کبوتر کی طرح آنکھیں موند کر تماشا دیکھتا رہوں وہ معاذ بھائی، سمجھتے کیا ہے اپنے آپ کو میں چپ چاپ ان کی حرکتیں برداشت کرتا رہا صرف جنید کی وجہ سے اور اب لے دے کر بی بی جان کو رشتہ لے کر آنے کو بول دیا وہ تو اچھا ہوا جنید کو خبر ہو گئی اس نے ہمارے نکاح کے بارے میں راز کھول دیا ورنہ...... میرا دماغ کھول رہا ہے بس میں بتا رہا

ہوں عزت اب تم انکار نہیں کرو گی، پڑھائی وڑھائی سب شادی کے بعد کر لینا بس میں پاپا کو تمہارے ہاں کہنے کا بول دوں گا تم بھی بس ہاں ہی بولنا انہیں۔" وہ بازو دبوچے اسے اپنے حواس میں نہیں لگا تھا۔

"عادی ایسے کیسے ہاں بول دوں، جو کیا معاذ بھائی کا قصور ہے، میں تو جانتی تک نہیں اور ویسے بھی اگر ان کا پرپوزل آ بھی جاتا تو میں انکار ہی کرتی تم جانتے ہو میں تمہارے علاوہ کسی اور کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" وہ پریشانی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں نہیں جانتا عزت تم آج ہی ہاں بولو گی پاپا کو۔" وہ ہٹ دھرم تھا یہ آج اسے پتا چلا تھا اس کے معاملے میں جنونی تھا یہ بھی اسے ابھی پتا چلا تھا۔

"میں ہاں نہیں کروں گی میں اپنی بات پہ قائم ہوں ابھی بھی۔" وہ بھی تو اسی کا خون تھا ناں اس سے بھی چار ہاتھ آگے ضدی۔

"آخری فیصلہ ہے تمہارا؟" عدن نے بے حد سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا ایک سیکنڈ کے لئے عزت کو اس کی نظروں سے خوف آیا تھا مگر جانتی تھی نرم پڑ گئی تو اپنے خواب قربان کرنے ہوں گے۔

"ہاں۔" آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے کہہ گئی (حالانکہ دل انجانے خوف سے دھڑ دھڑک رہا تھا)۔

"ایز یو وش۔" کہتا ہوا وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

صبح سے وہ نوٹ کر رہی تھی گھر کی فضا کچھ بوجھل بوجھل تھی مگر سوائے عدن کے سب گھر والوں کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا عدن کل رات کی بحث کے بعد اسے دکھائی نہ دیا تھا تائی امی سے دو تین بار سامنا ہونے پر اسے لگا وہ شاید روتی رہی ہیں مگر وہ اپنا وہم سمجھ کر ٹال گئی مگر ابھی وہ لاؤنج میں آئی تو بے اختیار رک سی گئی، تائی امی رو رہی تھیں جبکہ پاس بیٹھی مما اسے دلاسے دے رہی تھیں، وہ چلتی ہوئی تھوڑا آگے آئی تو تائی امی بے اختیار اسے دیکھ کر آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر نکل گئی عزت نے ناسمجھی سے مما کو دیکھا جو خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"عدن آج رات کی فلائٹ سے لندن جا رہا ہے۔" (ٹھہر کر اسے دیکھا۔)

"ہمیشہ کے لئے۔" دھماکہ کیا تھا۔

"کیا؟" بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

"ایسے کیسے کر سکتا ہے وہ؟ کیسے جا سکتا ہے؟"

"روک سکتی ہو تو روک لو آگے تمہاری مرضی، تمہارا جو بھی فیصلہ ہو ہم سب پھر بھی تمہارے ساتھ ہونگے تمہارے تایا اور تائی بھی۔" مما کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی اور وہ سن سی بیٹھی رہ گئی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ پیکنگ کر رہا تھا جب وہ دندناتی ہوئی اس کے سر پر جا پہنچی تھی۔

"ایکسکیوزمی؟" عدن نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑوایا تھا اس سے وہ تو ساکت ہی کھڑی رہ گئی۔

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو عادی، تائی امی کی حالت دیکھی ہے تم نے؟" اگلے ہی پل وہ نرم ہوئی تھی جانتی تھی یہ وقت غصہ دکھانے یا بات منوانے کا نہیں تھا۔

"میری ماں ہے تم سے زیادہ مجھے فکر ہے

تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تم خود پہ دھیان دو اپنے خوابوں پہ اپنے فیوچر پہ باقی کوئی کیا کر رہا ہے تمہیں ضرورت نہیں ٹینس ہونے کی۔'' الٹے سیدھے کپڑے بیگ میں ٹھونستے وہ غصے میں بولا۔

''تائی امی اتنا رو رہی ہے صبح سے اور تایا ابو ہارٹ پیشنٹ ہے جانتے ہو ناں اسٹریس لینا ٹھیک نہیں ان کے لئے۔'' آخری پتا پھینکا، شاید رک جائے۔

''تم...... تم عزت ملک۔'' بازو سے دبوچا۔

''تمہیں میری فیملی کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور ہاں تمہارے پاس چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جاتے ہی اپنے پاس بلالوں گا اور تم...... تم رہنا اپنے خوابوں کے ساتھ۔'' جھٹکا دے کر اسے پرے دھکیلا وہ لڑکھڑائی پر سنبھل گئی۔

''اور میں...... میرا کیا ہوگا یونہی باندھ کے لے جاؤ گے ہمارے رشتے کو ساتھ میں۔'' آنکھیں ڈبڈبائی عدن کے ہاتھ کچھ پل کو رو کے۔

''ٹینشن مت لو باندھ کے نہیں رکھوں گا تمہیں بندوبست کر کے جاؤں گا، جاتے ہی طلاق کے پیپر بھجوادوں گا تمہیں۔'' عدن کا لہجہ کسی بھی احساس ورحم سے عاری سفاک و زہر خند تھا عزت پہ تو گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا، اسے حواس معطل ہوتے محسوس ہوئے۔

''عادی!'' اس سے پہلے وہ اسے تھامتی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح وہ گرتی چلی گئی شاید تکلیف ہی اتنی ناقابل برداشت تھی کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔

''عزت!'' اگلے ہی لمحے وہ اس پہ جھکا تھا، ڈوبتی ہوئی نبض پہ ہاتھ پڑتے ہی وہ اسے اٹھائے باہر کی جانب بھاگا تھا۔

☆☆☆

آپریشن تھیٹر کے دروازے میں نصب چھوٹے سے شیشے سے اس نے اندر جھانکا تو خاموشی کی سفید چادر میں لپٹا وجود اس کی آنکھوں کے سامنے تھا صد شکر کہ یہ سفید چادر چہرے کو ڈھانپے نہیں تھی چہرے پہ لگا آکسیجن ماسک علامت تھی کہ زندگی ابھی باقی ہے سانسیں چل رہی ہیں، دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے آنکھوں کو بے اختیار بند کر کے گہرا سانس خارج کیا۔

رات کافی بیت چکی تھی ڈاکٹرز کی طرف سے اطمینان کا اشارہ ملتے ہی عدن نے باقی گھر والوں کو گھر بھیج دیا تھا اذان بھائی اور بھابھی بس پاس تھے، وہ بھی کچھ دیر پہلے گھر کے لئے نکلے تھے۔

جس وقت وہ مکمل ہوش میں آئی تو ہاسپٹل کے بیڈ پہ موجود تھی بائیں طرف موجود نرس شاید ڈرپ چینج کر رہی تھی اور دائیں صرف وہ موجود تھا اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے آنکھیں ہنوز بند تھیں شاید سو رہا تھا اسے دیکھتے ہی سارا واقعہ یاد آ گیا تھا اور وہ الفاظ۔

آنکھیں فوراً بھر آئی تھیں سرعت سے اس کے دبے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا اور رخ موڑ لیا اس حرکت سے عدن کی آنکھ کھل گئی تھی۔

''عزت!'' وہ تیزی سے اٹھ کر سیدھا ہوا تھا، اب کی بار لہجہ سرگوشی لئے ہوئے تھا مگر وہ رخ موڑے لیٹی رہی۔

''عزت پلیز...... آنکھیں کھولو...... بات کرو مجھ سے......'' التجائیہ لہجہ تھا مگر جواب ندارد، چند پل یونہی بیت گئے۔

''آئم سوری عزت، میں وہ سب نہیں کہنا چاہتا تھا، بلیو می۔'' عزت کا ہاتھ تھاما جسے جھٹکے سے چھڑا لیا گیا۔

''پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ غصے سے بولی عدن نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''عزت یقین کرو میں تمہیں کبھی بھی چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا وہ سب تو۔''

''میں نے کہا مجھے تم سے بات نہیں کرنی سمجھ نہیں آتی میری بات۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ اتنے زور سے چیخی تھی عدن تو عدن نرس بھی بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی۔

''عزت!'' مگر سننے کی بجائے وہ تیزی سے اٹھی تھی اٹھنے کی کوشش میں ہاتھ میں لگی ڈرپ کی سرنج کسی نس میں الجھی تھی ڈرپ میں خون کی آمیزش ہونا شروع ہو چکی تھی۔

''پاگل ہو گئی ہو عزت۔'' عدن نے اسے اٹھتے دیکھ کر جھٹکے سے واپس بٹھایا تھا اور سرعت سے سرنج ہاتھ سے کھینچ کر نکالی اور نس کے اوپر روئی رکھی تھی اتنی سی کوشش سے ہی وہ جیسے نڈھال ہو چکی تھی عدن کے سہارا دیتے ہی وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، عدن نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے بازو کے گھیرے میں لیا تھا۔

''میں مر جاؤں گی، مجھے کوئی خواب پورا نہیں کرنا کوئی پڑھائی نہیں کرنی، کوئی جاب نہیں کرنی، اگر تم نے مجھے چھوڑنے کا سوچا بھی تو میں خود کو ختم کر لوں گی تم...... تم عادی جو بھی کہو گے میں کروں گی، مگر اللہ کا واسطہ مجھے طلاق مت دینا، سچ میں، میں مر جاؤں گی۔'' وہ شدت سے رو رہی تھی، پورا وجود ہل رہا تھا، جب عدن نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوپر اٹھایا تھا۔

''عزت میری جان، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، تمہیں چھوڑنے کا تم سے الگ ہونے کا بالکل بھی نہیں، وہ سب تو، ماما چچی جان اور بھابھی کا پلان تھا انہوں نے تمہیں سیدھا کرنے کا سوچا ساتھ میں مجھے ملا لیا، ہاں مجھے لندن جانا تھا بٹ ایک ویک یار، باقی کی باتیں سب چچی جان نے بولنے کو کہیں، میں خود نہیں کہنا چاہتا تھا وہ سب، تمہاری قسم یار، اور میں جانتا ہوں وہ سب کہتے میں نے خود کتنی تکلیف سے گزرا ہوں، آئی سوئیر، وہ سب میرا پلان نہیں تھا، میں تم سے دور جانے کا سوچوں تو سانسیں اکھڑنے لگتی ہیں چھوڑنے کا سوچوں تو مر ہی جاؤں۔'' عقیدت سے نظریں اس کے چہرے پہ سجائے وہ اردگرد کو فراموش کیے کہہ رہا تھا۔

''اور اگر آپ کے اتنے سیریس مذاق پہ میں مر جاتی تو؟'' اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں،

''جب تک میں زندہ ہوں ناں تمہیں مرنے نہیں دوں گا، یہ وعدہ رہا۔'' دھیرے سے اس کی نم آنکھوں کو ہونٹوں سے چھوا تھا وہ سٹپٹا کر دور ہوئی کمرے میں ان کے علاوہ نرس بھی موجود تھی جو ''میں ڈاکٹر کو بھیجتی ہوں'' کہتی ہوئی مسکراہٹ دباتی باہر نکل گئی۔

''بہت بدتمیز ہو تم۔'' شرم سے سرخ پڑتی وہ بمشکل بول پائی تھی جب عدن نے بے اختیار اس کے گرد مضبوط بازوؤں کا حصار باندھ کر اسے اپنے قریب کیا تھا۔

''اب جیسا بھی ہوں یار، خوش قسمتی سے تمہارا ہی ہوں۔'' پیار بھری سرگوشی تھی عزت نے آہستگی سے پلکیں موند کر اسے سینے پر سر رکھ دیا تھا اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر بجا لائی تھی جس نے صحیح وقت پہ صحیح فیصلہ کرنے کی ہمت دلائی تھی۔

☆☆☆

السرعشقہ

سدرۃ المنتہیٰ

آٹھویں قسط کا خلاصہ

پربھات کو ٹیم کے ساتھ حویلی لے جایا گیا ہے ہراساں کرنے کے لئے۔
پربھات سکھاں پر ایک ماضی کا بھید کھول دیتی ہے، اسے حویلی میں گزارا، وقت اور پہلی ملاقات یاد آئی ہے، حبیب کے ساتھ۔
حبیب کے ماضی کا چیپٹر کھلا ہے، جب وہ حویلی پہنچا ہے۔
اور اسے شمع کے ساتھ شادی کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔
پربھات نے شمع کو بتا دیا ہے کہ وہ کون ہے، شمع نے خوف زدہ ہو کر انہیں نکل جانے کا حکم دیا ہے، پربھات کی دوست روبی نے دروازے کے اندر ایک پراسرار کھڑکی میں اپنا ہاتھ ڈالا تو اور اگلی جانب سے کسی حبشی عورت نے پکڑ لیا ہے، اسی بہانے ان کی رباعی سے ملاقات ہو گئی ہے۔
پربھات یہاں سے جاتے ہوئے اپنے آبائی قبرستان میں رکی ہے، روبی خوف زدگی میں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتی ہے۔
شفیعت نے حبیب سے چیزل کے بارے میں بات کی ہے اسے شک ہے کہ چیزل انہی کا بیٹا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

نویں قسط

''آج میرا بچڑا سویرے جیجی ماں کے پاس آ گیا ہے۔'' وہ وہیں جائے نماز کے ساتھ بیٹھ گیا، جائے نماز ذرا اونچی چوکی نما تخت پر بچھی تھی اور یہ تخت سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا تو وہ سر میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''ساری رات نہیں سویا جیجی ماں، نیند روٹھ گئی ہے۔''

''کیوں نہیں سویا میرا شیر، کس کو دل پر لے رکھا ہے؟ کون سی سوچ نے تجھے سونے نہ دیا؟'' وہ متفکر ہوئیں۔

''دل پر بہت بڑا بوجھ لے لیا ہے جیجی اماں۔''

سکھاں سمجھ رہی تھی کہ سنایا اسے جا رہا ہے، ڈر کے مارے سہم سی گئی کہ کہیں وہ دلیری کا مظاہرہ نہ کر بیٹھے جواب تک ہونٹوں سے کہا نہیں وہ کہہ ہی نہ ڈالے۔

''کون سا بوجھ لے لیا ہے دل پر میرے شہزادے نے، اللہ سوہنڑاں ہر بوجھ سے بچائے تجھے، تیری ذمہ داریاں کبھی بوجھ نہ بنیں تیرا۔''

''جیجی ماں، میں چلوں، کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔'' سکھاں کے لئے بیٹھنا دشوار ہوا جا رہا تھا۔

''ہاں ...... تو جا سکھاں ...... آرام کر لے، لگتا ہے تو بھی ساری رات نہیں سوئی آج، میں بھی نہیں سو سکی، شاہ بانو سے پوچھو لگتا ہے اسے بھی نیند اچھی نہیں آئی ہو گی، ایسا ہوتا ہے، کچھ بھی بڑا ہونے سے پہلے نیندیں اڑتی ہیں، بس خدا کرے آگے جو ہو سو خوشیاں لائے، چل تو جا۔'' جیجی کافی دنوں بعد چست اور بہتر تھیں، لیکن جاگنے کی وجہ سے آواز میں کچھ نقاہت بھی تھی، سکھاں سلام کر کے کمرے سے کھسک گئی۔

''جیجی ماں آپ کیوں نہیں سوئیں؟''

''حبیب! تیرے کندھے پر جو بار آ گیا ہے، اس بار کو آدھی عمر ہم سب نے اپنے اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے بچڑا، پر اب وقت آ گیا ہے کہ تو اپنی ذمہ داری قبول کر لے اور حویلی میں ایک بار پھر خوشی آئے، سکون بھری خوشی حبیب۔''

''خوشی جیجی ماں، کون سی خوشی، مجھے تو کوئی خوشی محسوس نہیں ہو رہی۔''

''تیری زندگی میں خوشی ابھی آئی کب ہے بچڑا، اس خوشی کو تو فی الحال ہم محسوس کر رہے ہیں، تجھے تو جب پتہ چلے جب یہ خوشی تیرے آنگن میں پوری طرح اتر آئے، شادی کر کے دیکھ لے پھر دیکھ خوشی جھوم کر آئے گی تیرے پاس اور اس کا سوچ تو دل مطمئن ہو جائے گا تیرا، بالکل اچھا...... دل جھوم جائے گا، خوش ہو جائے گا، تسلی رکھ۔''

''آپ اتنے سارے خواب میرے پلے مت باندھیں۔'' کہہ کر چپ ہو گیا۔

(کچھ فیصلوں سے خوشی کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، ہم بس شاید فیصلوں کو نباہ رہے ہوتے ہیں، جیجی ماں) شمع خوش ہے؟

''تجھے اس کی پرواہ ہے؟'' وہ جیسے کھل اٹھیں تھیں۔

''اس کی زندگی کا سوال ہے جیجی ماں، ظاہری بات ہے یہ بات سر فہرست آپ کو سوچنی چاہیے تھی اور سوچ میں رہا ہوں۔''

”یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے چریا، پاگل، سن، بچیاں تو انتظار کرتی ہیں اس پل کا، اڑے چریا اس نے تو سالوں سوچا ہوگا اور جو سالوں تک سوچتا رہے اس کا ذہن اتنا تو تیار ہو جاتا ہے کہ وہ خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔“

”پھر مجھے کیوں نہیں بتایا آپ نے جیجی ماں، میں بھی کم از کم خوشی سے پھول جاتا، اگر دماغ بنا ہوتا تو......“

”یہ تو اب شاہ بانو کا کام تھا کہ تیرا ذہن بناتی، لیکن میرے بچے میں نے سوچا میرا بچڑا ہر ذمہ داری کے بوجھ سے آزاد ہو کر علم کی جستجو میں رہے، وقت جب آئے گا تو شادی بھی ہو جائے گی۔“

”جیجی ماں ایک عرض کروں، اگر آپ خفا نہ ہو تو؟“

”کہو میرے چاند۔“

”جیجی ماں، شمع بی بی کے جوڑ کا رشتہ، میرا مطلب ہے کہ شمع بی بی کی عمر کا رشتہ ہوتا تو کیا زیادہ مناسب نہ تھا ان کے لئے؟“

”حبیب تو ٹھیک کہہ رہا ہے، لیکن عنایت کے سامنے کسی کی چلتی ہے کیا، وہ تہیہ کر بیٹھا تھا، پھر جب سے شمع کے ماں باپ گئے تو چاچے نے ناز تو نہیں اٹھائے لیکن کبھی جھڑکا نہیں، ٹوکا نہیں، شمع کو کبھی مسترد نہیں کیا، اسے بیٹی کی طرح ہی رکھا، مر کے جواب تو ہم سب کو دینا تھا نہ، شمع میں کوئی کمی ہے تو بتا؟ اور تجھے اس کی عمر سے فرق پڑتا ہے تو بتا۔“

”نہ...... نہیں جیجی ماں، ان میں تو کوئی کمی نہیں ہے، میں تو بس ان ہی کی وجہ سے فکر مند ہوں۔“

”تو اگر فکر مند ہے تو فکر نہ کر، اسے بلوا کر پوچھ لوں گی میں۔“

”یہ اچھا رہے گا، میں چاہتا ہوں کہ ان کی مرضی سے ہو، جو بھی ہو۔“

”وہ فکر نہ کر حبیب، وہ خوش ہے۔“

”حبیب، ایک بات سن، عورت کی آدھی زندگی مرد کے سامنے گزرتی ہے، تو جو آدمی اس کے سامنے نہیں ہوتی سو اس کے گھر پر ہوتی ہے، اس کے بچوں کی پالنا میں اور پہلے اس کے خیالوں میں، جب وہ ہو تو سامنے اور جب وہ نہ ہوں تو اس کے انتظار میں، تو سمجھ شمع کو تیرا انتظار ضرور رہا ہوگا، پھر یہ بھی تو دیکھ کہ تیرے علاوہ اور ہے کون بھلا اس کے جوڑ کا، تیرے جیسا، تجھ جیسا اور یہ بھی دیکھ کہ اور ہے کون تیرے جوڑ کا...... اس جیسا، اس کی طرح، تیرے چاچی کی بیٹی ہے تیرے ساتھ خونی رشتہ ہے اس کا، تیرے جوڑ کی تیری منگ ہے۔“

☆☆☆

”یہاں وقت حاکم ہے اور ہم محکوم، یہ کھیلتا ہے، یہ ہمیشہ کھیل جاتا ہے، چہرے پر جیسے صدیوں کی اداسی چھائی ہوئی تھی اور نقاہت بھی سن مائی، فیروز کو بلا اسے کہہ کہ ماں نے بلایا ہے۔“ بچی کے اندر آنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”بی بی سائیں فیروز تو دیر سے گھر آتے ہیں اور کبھی تو آتے ہی نہیں ہیں۔“

''وقت کیا ہوا ہے بچی؟ میں کب سے سو رہی ہوں؟''
''جیجی ماں سانجھی ہوگئی ہے۔'' (مغرب کھسک رہی تھی)۔
''اذانیں آئے کتنی دیر ہوئی ہے بچی؟''
''جیجی ماں بیس منٹ تو ہو گئے ہوں گے، سانجھی کا وقت جا رہا ہے، آپ سو رہی تھیں وچیں (عصر) بھی گزر گئی۔''
''آج میں کتنا سوئی ہوں، تو نے اٹھایا کیوں نہیں بچی۔''
''جیجی ماں آپ کو اچھی نیند آئی ہوئی تھی، اتنی اچھی نیند آپ کو کم آتی ہے، میں نے سوچا آپ آرام کر لیں، پھر آپ ہی تو کہتی ہیں کہ نماز پر رب اٹھا دیگا۔''
''ہاں پر آج میں نے رب کو نہیں کہا تھا۔''
''بڑی جیجی بتاتی تھیں کہ رب کو کہنا نہیں پڑتا، رب خود اٹھا دیتا ہے، ماں خیری نے یہ بات بتائی تھی۔''
''ہاں بچی رب کو بڑا کچھ کہنا نہیں پڑتا وہ واقعی اٹھا دیتا ہے، پر آج کی نیند بھی بڑی میٹھی تھی، گہری تھی، مجھے پہلے کبھی ایسی نیند نہ آئی تھی مجھے، چل تو پانی رکھ وضو کا سانجھی کھسک بھی گئی تو کیا ہوا، ادا نہ ہوئی، قضا پڑھ لیں گے۔''
''ادا نہیں ہوتی تو بندہ قضا کر لیتا ہے۔''
''بہت کچھ قضا کر لیتا ہے بندہ، فقط نمازیں ہی نہیں، کاش وقت کی قضا بھی ہو پاتی، کاش ہر گناہ کی قضا ہوتی۔'' وہ بڑبڑاتی جا رہی تھیں۔
''میں وضو کا پانی رکھتی ہوں بی بی ماں، آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا دوپہر کا، اس کے لئے بھی کرتی ہوں۔''
''سن بچی، وہ چلی گئی ہے نہ؟''
''جی...... وہ مہمان بی بی، ہاں جی وہ چلی گئی...... پر وہ۔''
''کیا وہ؟''
''وہ بڑا دروازہ کھل گیا ہے جیجی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔
''بڑا دروازہ...... اس نے کھولا؟''
''جیجی کھولنا پڑا، وہ لڑکی کا ہاتھ پھنس گیا تھا۔''
''وہ وہاں کیا کر رہی تھیں دونوں؟''
''وہ چھوٹے سائیں کے کمرے میں جھانک رہی تھیں۔''
''اچھا...... چل وہ چلی تو گئی ہیں نہ؟''
''جی چلی تو اسی وقت گئیں۔''
''چل ٹھیک ہے، کچھ لے گئیں؟''
''نہ جیجی، نظر تو کچھ نہیں آیا ان کے ہاتھوں میں۔''
''اچھا چل تو وضو کا پانی رکھ جلدی سے، پھر ساگ پکانا اور اوطاق میں پیغام بھجوا دے کہ فیروز

سائیں رات کا کھانا حویلی آکر کھائیں آج، ماں نے بلایا ہے۔"

"جی جیجی، جیسا حکم۔" بچی کمرے سے گئی تھی اور ساتھ ہی انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"رے وقت، آج بڑا دروازہ بھی کھل گیا۔" انہیں لگا جیسے ماضی کا باب کھل گیا ہو۔

☆☆☆

اس نے کتاب چھانٹی کر کے ان کے درمیان یہ دو نئی کتابیں رکھ دیں تھیں، ایک ادبی تنقید کی کتاب تھی اور ایک کہانیوں کی اس کے اندر کچھ کاغذات بھی تھے، اس نے کھولے تو چھوٹے چھوٹے موتیوں جیسے لفظ سیدھ میں لکھے ہوئے تھے۔

اس نے پڑھنا شروع کیا، وہ کسی ادھوری کہانی کا خاکہ تھا کچھ مکالمے تھے، اس نے سوچا یہ لکھائی کتنی خوبصورت ہے شاید اس کی ہو، ایک دو تو وہ پڑھ چکی تھی، تیسرا کاغذ تہہ تھا جس کے اوپر اندھیرے کا محبت نامہ لکھا ہوا تھا۔

کاغذ کی دوسری سمت تھا، تمہارے نام، وہ جو ٹیڑھے حرفوں والے ہند سے لکھنے والی لڑکی تھی، جس کی زندگی میں تم سیدھے موتیوں کی قطار کی طرح ابھر کر آئے۔

"واہ۔" اس نے کاغذ یونہی لپیٹے ہوئے ہی کتاب کے اندر رکھ دیا، ابا کی بات یاد آ گئی کہ کسی کے راز پڑھنا گناہ کی بات ہے، اس نے سوچا چلو اس نے کبھی رابطہ کیا تو بتا دے گی، ورنہ جب بھی گاؤں جانا ہوا، اسے جوں کا توں دے گی، کتابیں رکھ کر اس نے کھڑکی سے گھاس کی طرف دیکھا، پودے مرجھائے ہوئے تھے اور گھاس کچھ سوکھی، کئی روز سے پانی نہیں دیا گیا تھا گھاس کو، گھر خالی پڑا تھا جب سے وہ نکلی تھی، کچھ ہی روز کی بے قاعدگی سے گھر کتنا الجھا ہوا لگ رہا تھا، جیسے خفا خفا سا۔

اس نے سوچا تھوڑی سیٹنگ چینج کی جائے، لیکن روبی بھی گھر چلی گئی تھی اور اسے سخت تنبیہ کر گئی تھی کہ فی الحال ایک ہفتے تک فون بھی سوچ سمجھ کر کرنا اور اب اگلے ایک سال تک کہیں بھی لے جانے کی بات مت کرنا، وہ سخت خفا ہو کر گئی تھی اس پر اس نے ہنستے ہوئے ہامی تو بھر لی تھی لیکن اسے معلوم تھا کہ ہفتہ گزر گیا تو وہ خود فون کر کے پوچھے گی کہ کدھر ہو اور اگر تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا تو وہ کہے گی کہ۔

"ستو پرہ؟ کہیں چلنا نہیں؟ کوئی کام دھندہ؟"

"نہیں تو نکالو، چلتے ہیں، زیادہ نہیں تو گھوم پھر کر آ جائیں گے۔" وہ خود اکتا جاتی تھی۔

"بس یہ تھوڑا عرصہ وہ فری لانس کام کرے گی یا پھر اپنے لئے مختلف جابز کے اشہارات پر ٹک مارک کرتے ہوئے سوچے گی، ایک دو انٹرویو دے آئے گی اور پھر انٹرویو میں فیل ہونے کے بعد ہزاروں القابات اپنے سر سے اتار کر اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نکل پڑے گی۔"

روبی کا خیال آتے ہی یہ سوچنے کے بعد سر جھٹک کر وہ باہر چلی گئی لان کے پاس اور اسی وقت فون کے بجنے پر اس کو واپس اندر آنا پڑا تھا، فون سارنگ کا تھا، اس کے لہجے میں خوف اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

وہ بتا رہا تھا کہ ان لوگوں نے رابطہ کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ عنقریب ان کو چھوڑ دیں، لیکن

یہ کہتے ہوئے رو پڑا کہ۔

''پربھات دعا کرنا وہ اسے چھوڑیں تو صحیح سلامت چھوڑیں، میرے گھر میرے باپ کی لاش نہ آئے، میرا باپ آئے۔'' اس نے فون رکھ دیا تھا، اس سے پہلے اس نے بتایا تھا کہ چیزل کا نمبر بند ہے اسے خود اطلاع دے دے۔

اس نے سوچا کہ وہ چیزل کے فون کی بجائے اس کے گھر کے لینڈ لائن پر ٹرائی کر لے اور اس نے یہی کیا تھا، لیکن پہلے سے بھی زیادہ اس کی ماں کا لہجہ عجیب تھا، جس نے ابھی فون اٹھایا تھا، بلکہ زیادہ پوچھ کچھ تو نہ کی بلکہ سیدھا سیدھا کہہ دیا کہ اچھا ہوگا بیٹے یہاں فون نہ کرو تو، بلکہ یہ زیادہ اچھا ہوگا کہ چیزل کو فون ہی نہ کرو تو، انہوں نے تو کہہ کر رکھ دیا، لیکن وہ حیرانیوں میں ڈوب گئی تھی، چیزل کا انداز تو سمجھ سے باہر تھا، لیکن آج ان کا بھی ہوگیا۔

گویا کہ کوئی بات ٹرانسفر ہوئی ہے۔

بات نہ بھی ہوئی ہو تو کیفیت لہجہ، یا احساس ہوا ہے اور اس سے اثر بھی پڑا ہے، تو گویا وہ اس کے لئے حد درجہ کیئر فری ہوگیا ہے، کوئی بھی کیفیت جو یکطرفہ ہو اس کا اس قدر پھیل جانا اور اثرات چھوڑنے کا مطلب تھا کہ اس کی ریپو بھی اثر انداز ہو رہی ہے، ایسا سوچ کر ہی اس کا دل برا ہوگیا تھا۔

اسے لگا کہ اب تو چیزل کو فون کرنا ہی پڑے گا کم از کم ایک بار تو ضرور ہی کرنا پڑے گا، بہت کچھ واضح کرنا ضروری تھا۔

☆☆☆

''وہ وہاں ہے، اس نے بتا دیا ہے انہیں کہ وہ میری بیٹی ہے وہ اسے تکلیف دیں گے شفیعت، تم بس ٹکٹ کراؤ، دیکھو اگر میرے اندر طاقت ہوتی تو یوں میں پڑا ہوا تمہاری منتیں نہ کر رہا ہوتا۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

''میں کراتی ہوں، ابھی کچھ روز تھے لیکن میں کراتی ہوں، آپ فکر نہ کریں، لیکن ایک بات ذہن میں رکھیں ابا، آپ پہلے سے بہتر ہیں لیکن آپ کو مزید بہتر ہونا ہے، اپنے اندر طاقت پیدا کریں ابا، ابھی بہت سی منزلیں سر کرنی ہوں گی لیکن سر فہرست اپنی بچی ہوئی چیزیں مکمل کرنی ہیں، جو مراحل رہ گئے وہ فرائض، ابا اپنے اندر زندگی پیدا کریں، ہم زندگی لے کر ہی جی سکتے ہیں، ورنہ جیتے جی ہم ادھورے جیتے ہیں، بہت ادھورے...... ابا...... میں...... کرتی ہوں بات...... فکر نہ کریں۔''

''شمع خدا جانے میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔''

''اسے کیا لگتا ہوگا یہ سن کر کہ میں زندہ ہوں، وہ یقیناً مجھے بددعائیں دیتی ہوگی، کہتی ہوگی، حبیب شاہ تجھے حویلی نصیب نہ ہوگی، کہتی ہوگی حبیب شاہ تجھے آبائی قبرستان نصیب نہ ہوگا، کہتی ہوگی تیری لاش یہاں سے نہیں گزرے گی، وہ چاہتی ہوگی کہ میں بے نام مر جاؤں، میرے ساتھ میرے خاندان کا کوئی احساس نہ جائے۔''

''کتنی عجیب بات ہے نہ شفیعت کہ انسان آخری وقتوں میں اپنے گھر لوٹنا چاہتا ہے، آپ

جس انداز سے لوٹنا چاہتے ہیں، آپ کو ایسے نہیں لوٹنا چاہیے، آپ کے پاس تو وقت نہ بھی ہو تو آپ کو خدا سے وقت لینا چاہیے ابا، بہت تکلیف ہوتی ہے ابا، آخر ایک اولاد کا وارث اتنی آسانی سے اپنے مرنے کی بات کیسے کر لیتا ہے، وہ کیسے کسی کے دکھ کا اندازہ نہیں کر پاتا، سوچیں ذرا ہم یہاں سے باپ کی بجائے لاش لے جاتے ہوئے کیسے لگیں گے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم بھی مجھے پربھات کی طرح بلیک میل کرو گی اب؟"

"نہیں ابا فائدہ ہی نہیں ہے، آپ خود ہار بیٹھے ہیں، قسمت کی کرنی کیا ہو گی کہ آپ خود ہی یہ سب کر رہے ہیں، آگے جا کے آپ ہی سے شکوے کریں گے، ارے زندگی کے لئے انسان لڑتا تو ہے ابا، آپ تو ہار مان لیتے ہیں۔"

"میں کیا کروں شفیعت آثار بتا رہے ہیں، تو کیا بتاؤں نہ تم لوگوں کو، آگاہ بھی نہ کروں، دھوکہ دوں، تم لوگوں کو ذہنی طور پہ تیار نہ کروں؟"

"یہی سب کرنا تھا تو یہ صدیوں پرانا بند ہوا ڈربہ کیوں کھول دیا ابا آپ نے، کیوں پرہ کو وہاں بھیجا ہے؟ کیوں پرانے وقتوں میں جھانک کر اذیتیں دی ہیں خود کو بھی اور ہمارے لئے کھڑی کر دیں۔"

"کیا اپنی آخری خواہش کی پاسداری نہ کروں؟ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں ہے کہ قبر اپنے دیس کی مانگوں اپنے گھر کی، کیا اتنا بھی حق نہیں ہے میرا کہ اپنوں کے درمیان آخری گھر کی تمنا کروں؟ بتاؤ شفیعت۔"

"ابا تمنا کرنے اور خود کو وہاں تک لے جانے میں فرق ہے، مجھے لگتا ہے آپ پل پل خود کو موت کی طرف لے کر جا رہے ہیں، معاف کیجئے گا بہت سخت کہہ گئی ہوں میں، لیکن سچ یہی ہے، آپ کو اس لئے یہاں لے کر نہیں آئی تھی کہ دن رات آپ یہ تمنائیں دہرائیں، کیا خاک ٹھیک ہوں گے آپ کہ جب زندگی کی ضرورت ہی نہیں رہی آپ کو، وہ لوگ تو یاد ہیں جو نہیں رہے اور جو آپ کے پاس ہیں، میں...... پرہ...... محمود...... ہم سب کیا ہیں؟ ہمارے درمیان رہنے کی کوئی تمنا نہیں رہی آپ کو؟ حد ہو گئی، میں تو بلکہ خوش خبری دینے لگی تھی، آپ کو کہ بیرسٹر محمود نے ٹکٹ ایکسٹینڈ کرا دی ہے، وہاں جا کر پتہ چلا ہے کہ بھابھی ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں اور فی الحال ظاہرے دو مہینے تک سفر برا ہو گا ان کے لئے اس لئے انہوں نے آگے بڑھوا دیا ہے ویزہ۔"

"یہ تو اچھی خبر ہے، لیکن...... کیا میں پورا سال اس خوشی کے لئے زندہ رہ پاؤں گا؟"

"آپ تمنا تو کر سکتے ہیں نہ ابا، آپ ہی نے کہا تھا کہ تمنا کی جائے تو وقت وسیع ہونے لگتا ہے، گنجائش نکل آتی ہے، آپ ہی نے کہا تھا۔"

"تمنا تو کی جا سکتی ہے، ایک زندہ انسان قبرستان کی تمنا کر سکتا ہے تو کیا زندہ رہ کر اپنی نسلوں کو آگے بڑھتا ہوا دیکھنے کی نہیں کر سکتا؟"

"ہاں کر سکتا ہے، تمنا تو میں نے تمہارے بچوں کی بھی کی ہے، تمنائیں تو ہزار ہیں، رہ راہ،

کی شادی کی تمنا بھی ہے۔"

"تو پھر زندہ رہ کر ان تمناؤں کے لئے دعا کیجئے ابا، معاف نہیں کروں گی اگر جنگ نہ لڑی تو۔"

"جنگ...... باقی ہے؟"

"ہاں اپنی ضد سے جنگ لڑیں، اپنی ناامیدی سے جنگ لڑیں ابا جانی، جنگ لڑیں گے تو ہار جیت کا فیصلہ بھی ہو سکے گا نہ...... بغیر لڑائی کے ہارنا شہسواروں کا شیوہ نہیں۔"

"مطلب تم کہتی ہو کہ میں لڑ کر ہاروں۔" اس بار شفیعت نے اسے باقاعدہ گھورا تھا، تو وہ کھوکھلی ہنس ہنس دیا۔

"تم اسے بولنے کیوں نہیں دیتی ہو شفیعت، یہ بیچارہ بولنے کا حق رکھتا ہے۔"

"بے موقع، بے محل کسی بات کی تک نہ بھی ہو، تب بھی۔"

"تک کیوں نہیں ہے، تک تو ہے یار، وہ ایک شادی شدہ بندہ ہے اس خواہش پر اختیار رکھتا ہے، خواہش تو کر سکتا ہے نہ اور تم بھی کر سکتی ہو، تم بھی ایک شادی شدہ عورت ہو کم از کم یہ تو کہو کہ پیارے ابا اس لئے جئیں کہ میرے بچے آپ کی گود میں کھیلیں۔"

"جو نصیب میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، کہنا ضروری نہیں ہوتا۔"

"اچھا تو یہاں نصیب آ گیا فوراً سے، میں تمنا نہ کروں؟" نعمان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"تو اب اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تم لوگ مجھے کیوں پھنسا رہے ہو؟"

"تم نے تمنا کی ہے؟ بولو۔" نعمان اس نے ایک بار۔

"نہیں پیارے ابا، میں چاہتی ہوں آپ لڑیں، ہار جیت کی پرواہ کیے بغیر لڑیں، میں چاہتی ہوں آپ دعا کریں۔"

"تمنا اور دعا میں تھوڑا فرق ہے جانی، تمنا میں کرتا ہوں دعا تم لوگ کرو، تم کرو، پرہ کرے، نعمان کرے۔"

"محمود کے پاس تو تمنا کا بھی وقت نہ ہوگا، خدا بس اسے اہل وعیال والا کرے، اولاد والا کرے، نسلیں بڑھیں اس کی پھلیں پھولیں، لیکن میری نسل تو تم لوگ بھی ہو۔" نعمان اسی وقت کمرے میں آیا تھا۔

"میری نسل تو وہ بھی ہو گی جو تمہاری اولاد ہو گی، نانا تو ان کا بھی کہلواؤں گا نہ، کیوں نعمان؟ بالکل ایسا کوئی امکان ہے ویسے حال ہی میں؟" اس نے پہلے انہیں پھر شفیعت کی طرف دیکھا اور اس کے نظر نہ ملانے پر کندھے اچکا دیئے۔

"مجھے تو نظر نہیں آ رہا، آپ کی ایک بیٹی تو شادی سے ہی فی الحال انکاری ہے اور دوسری بھی کہا ہو تو۔"

"کبھی نہیں کہا، مجھے تو لگتا ہے سوچا تک نہیں۔" وہ جھٹ سے بول پڑا۔

"معلوم تھا مجھے، برا کیا، دیکھو تم دونوں ڈاکٹر ہو کوئی مسئلہ ہو تو ہینڈل ہو سکتا ہے، بات چیت تو

کرو آپس میں یار۔"

"مجھے آپ اس وقت بالکل وہ لیڈی ہیلتھ ورکر لگ رہی ہیں جو گھر گھر جا کر میاں بیوی کو بات چیت کرنے کے مشورے دیتی ہے۔" وہ جھٹ سے بولتے ہوئے ان کی دوائیں رکھنے لگی۔

"ہاں اب تم جو بھی کہو، ویسے یہاں آنے کے بعد تم نے مجھے پرہ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، اسی طرح جرح کرتی ہو۔"

"ہاں بھئی آپ سیدھے بھی ایسے ہی ہونگے شرافت کی زبان آپ کو اچھی نہیں لگتی۔"

"چلو تو سمجھ رہے ہو نہ نعمان میاں، کچھ لوگوں کو شرافت کی زبان سمجھ نہیں آتی تم نے بڑے لحاظ کر لئے، اب تھوڑا رعب چلا لو، ہرج نہیں۔"

"بہت خوب، میں یہاں اسی لئے لائی تھی آپ کو۔"

"دیکھو تم غصہ کرو تو کرتی رہو، لیکن میں نے اپنے بیٹے کو ایک بار بھی شوہروں کی طرح اکڑتے نہیں دیکھا، ایک حسرت ہے میری اسے تم پر حکم چلاتا ہوا دیکھنے کی۔"

"دکھا دی نہ اپنی پیر پائی آپ نے، پرہ سچ کہتی تھی دنیا کا ہر مرد دنیا سے زیادہ عورت پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔"

"لیکن مانتا پھر بھی عورت کی ہے، شفیعت تمہیں اندازہ ہونا چاہیے، تم اس بندے پر خفا ہوتی ہو جس نے گدھے کی طرح تمہارے سامنے سر جھکا رکھا ہے، ارے میں کہوں گا اور یہ تم پر حکم چلانا شروع کر دے گا کیا، حد کرتی ہو تم۔"

"آپ بہت غلط سمت بات کو لے گئے ہیں ابا!" اسے فی الحال یہاں کھڑے ہونا دشوار محسوس ہو رہا تھا، وہ سوپ کا بہانہ کر کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"وہ خفا ہو گئی، آپ نہ کرتے ایسی باتیں۔" نعمان کو فکر ہو رہی تھی۔

"وہ میری بیٹی ہے لیکن نعمان، وہ غلط ہے، تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نہیں جان پا رہا کہ وہ کیسے چلتی ہے تمہارے ساتھ، کس طرح رہتی ہے، یہ مانتا ہوں کہ وہ تمہارا بظاہر خیال بھی رکھتی ہے لیکن بہت ساری چیزوں میں وہ اس طرح سے خیال نہیں رکھتی، دکھ ہوتا ہے مجھے کہ اب تک تمہاری خوشی کو وہ اپنی خوشی نہیں سمجھ پا رہی۔"

"آپ فکر نہ کریں بابا، میں نے اس کے ساتھ کمٹمنٹ کی تھی کہ میں اس سے شکایت نہیں کروں گا، تو بس نہیں کروں گا، وہ میرے ساتھ ہے، وہ میرے ساتھ رہ رہی ہے اور میرا تھوڑا بہت خیال رکھتی ہے، شاید فی الحال میرے لئے اتنا کافی ہے، میں اتنا ہی ڈزرو کرتا ہوں شاید۔" اس کی آواز میں ہلکی سی نمی تھی۔

"آپ نے دوائی لی؟" اس نے بات بدلی تھی۔

"تم اس سے کہیں زیادہ ڈزرو کرتے ہو نعمان بیٹا، بہت زیادہ۔"

"خوشی ہے کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں، اب میں آپ کو بابا کہتے وقت کبھی یہ نہیں سوچ پاؤں گا کہ آپ میرے اصل باپ نہیں ہیں۔"

"تم میرے بیٹے ہو نعمان، تم میرے ہی بیٹے ہو، میں نے تمہیں پیدا بھی نہیں کیا، اور پالا بھی

نہیں ہے لیکن اس کے باوجود تم میرے بیٹے ہو، مجھے بہت عزیز ہو اور یہی بات اہمیت کی حامل ہے کہ اس وقت محمود میرے ساتھ نہیں ہے، لیکن تم میرے ساتھ ہو۔'' وہ ان کے نزدیک آ گیا تھا، تو انہوں نے اسے خود سے لگا لیا، ان کا دل چاہتا تھا محمود بھی کبھی ان سے آ کر یوں لپٹے، کہ بچہ معلوم ہو، ایسے ہی آ کر بیٹھے، ایسے ہی بات کرے ایسے خیال رکھے، لیکن نعمان کی قدر وہ شروع دن سے محسوس کرتے ہوئے آئے تھے اور یہاں آ کر تو کچھ اور ہی ہو گئی تھی۔

شفیعت سوپ گرم کر کے لائی تو اس نے نعمان کو ان سے یوں لپٹا دیکھا جیسے وہ ان کے سینے پر سر رکھے ہوئے کوئی تسکین لے رہا ہو اور وہ اس کے کسی دکھ کا مداوا کر رہے ہوں، اسے اندر آتا دیکھ کر وہ سیدھا ہوا تھا۔

''سوپ پی لیں اس کے بعد دوا لینی ہے۔'' وہ خاصی سنجیدہ تھی اور نعمان نے محسوس کیا تھا کہ اس کی طرف جان بوجھ کر نہیں دیکھ رہی۔

''نعمان تم مجھے سوپ پلاؤ۔''

''بالکل ابا جی۔'' اس نے سوپ کا پیالہ میز سے اٹھایا اور ان کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا اور انہیں اپنے ہاتھوں سے چمچ لے کر پلانے لگا۔

''ٹھہر جاؤ...... ذرا گرم ہے۔''

''میرے خیال سے آپ پہلے سے بہتر ہیں، میں ذرا دوسرے کمرے میں جا کر سونا چاہتی ہوں۔''

''ہاں ٹھیک ہے، تم تھک گئی ہو گی نومی بیٹھا ہے میرے پاس۔''

''بالکل میں دوائی کھلاؤں گا انہیں اور اس کے بعد جب تک آپ کو نیند نہیں آ جاتی ہم باتیں کریں گے۔''

''ہاں...... یہ اچھا آئیڈیا ہے، تم اپنے بچپن کی شرارتیں بتانا، وہی جو تم اکثر بتاتے ہو۔''

''بالکل اور آپ ہر بار کی طرح ایسے سنیئے گا، جیسے کہ میں پہلی بار بتا رہا ہوں آپ کو۔''

''ٹھیک ہے ڈن ہے۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولے تھے۔

''ٹھیک ہے تو میرے خیال میں فی الحال میرا یہاں کوئی کام نہیں ہے، میں جا سکتی ہوں۔''

''ہاں بالکل تم آرام سے جاؤ۔'' انہوں نے خوشی خوشی کہہ دیا حالانکہ وہ روز دیر تک اسے پاس بیٹھا کر رکھتے تھے۔

آج کمرے سے کچھ دیر بعد ان کے ہنسنے بولنے کی آواز آتی رہی اور اس نے بستر سے اٹھ کر دیکھا تو جب کافی دیر سے آواز آنا بند ہو گئی تھی تو وہ اٹھی اور کمرے میں جھانکا، وہ اپنے بستر پر اور نعمان صوفے پر ہی آڑھا ترچھا لیٹے لیٹے سو گیا تھا۔

اس نے تسلی سے اس کے اوپر کمبل ڈالا، بتی بند کر کے لیمپ آن کیا اور کمرے سے نکل کر پھر سے اسی کمرے میں آ گئی تھی۔

کچھ تو تسلی بھی ہوئی کہ ان کا موڈ فریش تھا اور کچھ نعمان پر عجیب طرح کا غصہ بھی تھا۔

بالآخر کروٹیں بدل بدل کر اسے بھی نیند آ گئی، رات لیٹ نائٹ جب نعمان اٹھ کر اس کمرے

میں آیا تو اسے گہری نیند میں پایا، جاگنے کی باری اب اس کی تھی، حالانکہ اس نے سوچا تھا کہ وہ جاگ رہی ہوگی تو وہ اس سے بات کرے گا، یقیناً اس وقت اس کے دل میں کئی سوال، وسوسے اور شکوے پل رہے ہونگے، لیکن ان کو رفع کرنے کا ہمیشہ کی طرح موقع اسے کم ہی ملتا تھا، کبھی حالات آڑے آجاتے تھے تو کچھ اس کا موڈ، جو کم کم ہی ملتا تھا۔

☆☆☆

''مجھ سے بھاگتی کیوں ہو تم سکھاں؟'' وہ راستے میں آگیا تھا۔

''راستہ نہیں روکتے سائیں، راستہ روکنے والے اچھے نہیں کہلائے جاتے اور آپ تو حویلی میں اچھے کہلائے جاتے ہیں۔''

''عشق اوسان چھین لیتا ہے سکھاں، بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جسے یاد کیا جائے وہ آجائے، ایسا ہوا ہے سکھاں، یہاں میرا دل چاہتا ہے اور وہاں تم آجاتی ہو میرے سامنے۔''

''عشق خود میرے پیچھے پیچھے آرہا ہے، تو بتاؤ میں کیا کروں؟''

''وہ آنا اتفاقی تھا، پیغام دینا تھا آپ کو کسی کا۔''

''پیغام تو مجھے تمہاری آنکھوں سے مل گیا ہے سکھاں۔''

''غلط سمجھ رہے ہیں آپ حبیب سائیں۔''

''مجھے صحیح غلط کی پہچان مت کراؤ سکھاں، اتنا تو تمہیں بھی پتہ ہے کہ عشق ایک آنکھ سے نہیں ہوتا اس کے لئے دو آنکھوں کا مل جانا ضروری ہوتا ہے، دو آنکھیں مل گئی ہیں سکھاں۔''

''عشق آنکھوں کا دھوکہ ہے صاحب۔''

''عشق دھوکہ نہیں ہے سکھاں، آنکھیں دھوکا کھا سکتی ہیں پر عشق دھوکہ نہیں کھا سکتا۔''

''آنکھیں اگر کھا سکتی ہیں تو سمجھیں یہی دھوکہ ہے، عشق نہیں ہے، عشق ہے ہی نہیں، سراب ہے۔''

''سراب نہیں ہے سکھاں، جسے سراب کہتی ہو وہ عشق ہے۔''

''میرا راستہ چھوڑ دیں حبیب سائیں۔''

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ عشق کرنا چھوڑ دوں؟''

''آپ کے سر پہ حویلی کی پگ ہے اور میرے کندھوں پہ عزت کی ذمہ داری، وہی جو میرے باپ کے پاس ہے، صرف عزت آپ اپنی عاقبت نہ خراب کریں اور نہ ہی میری عزت پر حرف آئے، راستہ چھوڑ دیں حبیب سائیں۔''

''راستہ چھوڑ رہا ہوں سکھاں وقتی طور پر، لیکن یہ یاد رکھنا جتنی شدت سے انکاری ہو، اتنی شدت سے ہامی بھروگی۔''

''محبت دھمکا رہی ہے۔'' وہ طنز اور بے بسی سے مسکرائی۔

''دھمکا نہیں رہی، اس امتحان کے لئے تمہیں تیار کر رہا ہوں جس کے لئے خود کو ہامی بھروا چکا ہوں، تم بس تیار رہنا، جتنی مختصر تمہیں عشق ہوا ہے، اس سے کہیں زیادہ کم عرصے میں یہ امتحان لے گا۔''

''یہ لے گا امتحان، کیونکہ جہاں عشق ہو وہاں امتحان آتا ہے، کبھی کبھار تو امتحان ہی نہیں آتا، بلکہ جنگ ہوتی ہے اور جنگ کے بعد آپ کو معلوم ہے حبیب سائیں کہ لوگ مرتے ہیں۔''
''جانتا ہوں سکھاں کہ خون ہوتے ہیں، روایتوں کے شکنجے تنگ ہوتے ہیں۔''
''اور یہ بھی حبیب سائیں کہ دھول اڑتی ہے اور عشق کے ہاتھ کچھ بھی نہیں لگتا۔'' اس نے قبل از وقت شکست تسلیم کر لی تھی۔
''ایک جانب دھول اڑتی ہے حبیب پیر، دوسری جانب دھواں۔''
''تو گویا تم مجھ سے کہیں زیادہ چل چکی ہو سکھاں؟'' وہ حیران کھڑا تھا اور اسے لگا، سکھاں دھول کے اندر گم ہوتے لگی ہے۔
موسم میں سردیوں کا کہر کھل گیا تھا، چہروں کے آگے پیروں کے اوپر دھواں تھا، گھومتا ہوا، دن اپنے اوقات گن رہا تھا اور تیزی سے کھسکتا ہوا رات کے لئے راستہ ہموار کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

صبح ان کا سانس اکھڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا اسے۔
آج ان کا چیک اپ بھی تھا۔
''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ ناراض ناراض سی تھی۔
''تم مجھ سے خفا ہو؟''
''نہیں......آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''
''مجھے لگتا ہے کہ شفیعت مجھے کسی کی دعا بچا رہی ہے، کیونکہ بار بار موت کی طرف بڑھنے کے بعد واپسی، جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ مجھے کسی امتحان کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔''
''دیکھو پربھات بھی لگتا ہے بڑے مسئلوں میں الجھی ہوئی ہے پہلے احتجاج کرتی تھی فون بند ہونے پر، لیکن اب شاید قبول کر گئی ہے، یا تو بہادر بن گئی ہے، اس نے خود کو ہزار مصروفیت میں پھنسا دیا ہے، ویسے میسج تھا اس کا کہ وہاں سے نکل رہی ہے، تصویریں بھی بھیجی ہیں، تم نے مجھے دکھائیں نہیں؟''
''قبرستان کی تصویریں ہیں، وہ بھی پاگل ہے۔''
''تو دکھا ہی دو۔''
''دکھا دوں گی، اٹھنے کی کوشش کریں، سستی چھوڑیں تیار ہو جائیں، نکلنا ہے ہمیں ویسے ہی آج چیک اپ ہے، پھر کچھ روز ہی رہتے ہیں، یہاں سے جانے میں۔''
''شفیعت سنو مجھ سے خفا ہو جاؤ لیکن نعمان سے مت ہونا۔''
''آپ کو وہ اس قدر مظلوم آخر کیوں لگتا ہے، جبکہ ہے نہیں اور اب مسلسل ایسی باتیں کر کے مجھے غصہ مت دلائیں۔''
''اچھا نہیں دلاتا۔''
''ویسے بھی آنے والا ہوگا آپ کا چہیتا، میں کپڑے نکالتی ہوں آپ کے۔''
''شفیعت، پربھات کو بتاتی ہو نہ کہ میں ٹھیک ہو گیا ہوں؟''

"ہاں...... کہہ دیا ہے۔"

"خدا جانے تم اپنی بات ثابت کر پاؤ گی یا......" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری لیکن اسے سامنے دیکھ آنکھیں دکھائیں تو وہ ہنس دیئے۔

"چلو نہیں کہتا مائی، کچھ نہیں کہتا، خفا مت ہو۔" وہ بیڈ کی سائیڈ کو پکڑ کر آہستگی سے اٹھے، ان کے جسم میں لرزش تھی جو اس نے محسوس کی۔

وہ پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوئے تھے، اسے فکر نے آلیا، اسی وقت نعمان بھی آ گیا تھا تیار ہو کر۔

وہ کپڑے انہیں تھما کر کمرے سے نکل گئی نعمان کو ہدایات دے کر انہیں کپڑے تبدیل کرنے میں مدد دے، کیونکہ کچھ روز پہلے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے ان کا پاؤں پھسلا تھا بچ تو گئے تھے لیکن کچھ چوٹ آئی تھی۔

شفیعت نے باہر جا کر پربھات کو ایک میسج کیا تھا کہ ابا نے ضد کر کے ٹکٹ کرالی ہے اور انہیں سمجھاؤ کہ علاج اچھے سے ہونے دیں، وہ بہتر ہیں لیکن انہیں مزید کیئر کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

انہوں نے بیٹھ کر فیروز کو آج بہت کچھ بتانا تھا، پتہ تھا کہ وہ بگڑ بھی سکتا ہے چڑ بھی سکتا ہے، لیکن یہ بہت ضروری تھا، وہ آ چکا تھا۔

"بلایا اماں؟"

"ہاں...... آؤ فیروز بیٹھو۔"

"کیا ہوا اماں، جلدی بتا، جانا ہے، کون مر گیا کہ جلدی میں بلایا۔"

"آج تو بیٹھ جا ماں کے پاس، کون مر گیا۔" وہ اس کی بات پر ہنس دیں۔

"یہ پوچھ کہ کون کون نہیں مرا، میرے تو سب مر گئے، بس ایک میں رہ گئی، ایک وہ رہ گیا، باقی سب گیا، سب گیا فیروز۔"

"اماں سیدھی طرح بتا دے، کیا ہوا، کیا رہ گیا۔"

"فیروز اس حویلی کا وارث زندہ ہے، حبیب شاہ زندہ ہے، یہ جو لڑکی آئی تھی، یہ اس کی بیٹی تھی۔"

وہ اس بات پر پہلے چونکا پھر بے ہنگم طریقے سے ہنس دیا۔

"حبیب شاہ زندہ ہوتا اماں تو لوٹ کر نہیں آتا، اتنا عرصہ کدھر مرا رہا، ایک چھوکری نے کہا اور تو نے مان لیا، واہ اماں۔"

"وہ سچ کہہ رہی تھی، فیروز وہ سچ کہہ رہی ہے۔"

"تجھے کیسے پتہ اماں، ثبوت کیا تھا اس کے پاس؟"

"اس کی شکل اس کی دادی اور میری چاچی شاہ بانو سے بہت ملتی ہے۔"

"واہ اماں، واہ ایک چھوکری کی بات لے کر بیٹھ گئی ہے۔"

"تجھے کہہ رہی ہوں نہ کہ یہ سچ ہے تو مانتا کیوں نہیں فیروز۔"

"مان لیتا ہوں چل، پر تو نے مجھے اس وقت کیوں نہیں بتایا اماں، قیدی تھی وہ ہمارے قید کر لیتے اسے کم از کم اس لڑکی سے الگوا لیتا کہ وہ ادھر آئی کیوں ہے۔"

"چھ یا ہوا ہے تو فیروز، اسے کوئی نقصان دیتا تو پھنس جاتا، حبیب کی بیٹی ہے، پھنسانے میں دیر نہ کرتی، پھنسانے تو آئی تھی۔"

"مجھے تو حیرت ہے اماں، وہ آئی اور کچھ کہے سنے بغیر ہی چلی گئی۔"

"خبر گیری کے لئے آئی تھی وہ فیروز، پہلی بار آئی اور دھمکی پر چلی گئی، لیکن دیکھنا تو دوسری بار آئی تو آسانی سے نہیں جائے گی۔"

"وہ آئے گی، میں بس تجھے خبردار کر رہی ہوں کہ تو ذہنی طور پر تیار رہے۔"

"وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اماں، آ کر دکھائے حویلی اب ٹانگیں نہ توڑ دوں اس کی۔"

"نہ فیروز نہ، ٹانگیں توڑنے کی بات نہ کرنا، دعا کر کہ وہ آئے اور اپنے باپ کو لے کر ہی آئے۔"

"وہ اب اس دھول مٹی میں لوٹ کر کیا کرے گا ماں۔"

"دعا کرو وہ اس دھول مٹی میں لوٹے، وہ لوٹے دعا کر میں اسے اپنے سامنے زندہ دیکھوں، تھوکوں گی اس کے سامنے، دل تو چاہتا ہے اس کے منہ پر تھوک دوں، منہ پر نہ سہی منہ کے سامنے تو تھوکوں گی، ایک ہی بات ہے، سالوں پرانی خواہش ہے میری، اسے برا بھلا کہوں، بلکہ فقط برا کہوں اور اسے تھوکوں، وہ اسی قابل تھا وہ اسی قابل تھا، وہ تو میں نے اسے نہیں سمجھا، دھوکہ کھا گئی۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

"تو آرام کر لے اماں، غصے میں ہے، جانتا ہوں بڑھاپے کا غصہ بھی تیز ہوتا ہے، آرام کر لے اور ڈر نہ، کچھ نہیں ہوتا، کچھ نہیں کر لیں گے وہ، آ کر جائیداد مانگیں گے نہ، دے دینا اسے قبروں کا ڈھیر، قبرستان لے جائے اپنے ساتھ، سارے مردے گڑے اکھاڑ کر، بڈھا آئے گا حق وصول کرنے، ہک ہا۔" وہ مذاق میں بات اڑا کر لے گیا۔

"یہ نہ کہہ، یہ نہ کہہ فیروز، میں تو کہتی ہوں قبر میں کیوں لے جائے، مرے ہوؤں کا سکون نہ غارت کر فیروز شاہ، دعا کر، اسے قبرستان بھی یہاں کا نصیب ہو، شہر میں مرے، شہر کی مٹی میں دب جائے، لیکن ایک بار ایک بار وہ یہاں آئے، قسمت اسے ایک بار ضرور یہاں لائے، وہ آ کر اس دھول مٹی ہوتی حویلی دیکھ لے، وہ آئے اور ایک بار میں اسے برا کہوں، میں بھی اس کی تذلیل کروں، میری باری بھی آئے، میری باری بھی آئے۔"

فیروز ان کے اوپر کمبل ڈال کر چلا گیا تھا اور وہ کتنی دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں۔

"بس یہ دعا ہے، مالک اس کو اتنی حیاتی دے اسے ایک بار قسمت یہاں لائے، دیکھ لے کہ حبیب حویلی کا ذرہ ذرہ تجھ سے نفرت کرتا ہے، تو دیکھ لے، ایک شمع ہی نہیں پوری حویلی ہی۔" وہ کانپتے ہوئے رو دی تھیں، جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی تھی، بوڑھی ہڈیوں میں بخار کی لہر سرائیت کر گئی۔

☆☆☆

''پہلے تو مجھے یہ غم تھا کہ وہ میری طرف دیکھتی نہیں، دھیان نہیں دیتی، اسے میری محبت کا احساس نہیں، حویلی میں شادی کی تیاریاں ہونے لگی تھیں اور میں نے اس کا راستہ روکا، اس سے بات کی، اس سے اظہار محبت کر کے ہلکا ہو گیا تھا، لیکن اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔''

''میں نے وقت لیا اور میرے والد عنایت شاہ نے جلدی مچا لی تھی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ شمع خوش ہے بھی یا نہیں نہ ہی اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی، لیکن اسی کی خوشی کو بہانہ بنا کہ میں نے رو کنا چاہا تھا، لیکن الٹ ہوا پرورانی شمع کے کمرے میں شگون کی مہندی لے جانے لگیں، عورتیں تو مجھے پتہ چلا کہ آج مہندی کی رسم ہے۔''

''اس رات مہندی کی رسم میں سکھاں بھی شامل تھی اس رات میں اس سے نظر نہیں ملا پا رہا تھا، اگلے دن پتہ چلا کہ اسے بخار ہے اور میں اپنی ناکامی شکست کی آگ میں جل رہا تھا۔''

''میرے ہاتھوں پر شمع کے نام کی مہندی تھی، لیکن میرے دل پر سکھاں کا نام کندہ تھا، جو مٹنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔''

''جیسے جیسے شادی کا وقت قریب آرہا تھا، ویسے ویسے میرا دل جکڑتا ہوا جا رہا تھا۔''

''میں کیسے شمع کو جھوٹے خواب دکھاتا، جھوٹی سنگت دیتا، ایسے لگتا تھا یہ مہندی سکھاں کے دل کے خون سے تھاپی گئی ہے اس کی نگاہیں اور اس کا کترانا مجھے ڈوب جانے کو کہہ رہا تھا۔''

''جیجی کہہ رہیں تھیں یہی وقت ہے خوش رہو، خوشی کے وقت خوش رہتے ہیں، وہ جیسے مجھے خوشی کے وقت خوشی کی اداکاری کا کہتی ہیں، وہ شاید بھانپ گئیں تھیں میری ناخوشی لیکن وہ میرے اندر جھانک نہیں پا رہیں تھیں، نہ ہی جھانکنا چاہ رہیں تھیں۔''

''اس رات سکھاں کو جب بخار تھا اور میں مرید خانے میں اسے دیکھنے گیا تھا، خیری نے جیجی کو بتایا تھا کہ سکھاں کو تیز بخار ہے، وہ دوائی نہیں لے رہی، میں نے اس کے لئے دوا منگوائی تھی اور خود لے کر گیا تھا دوائی، اس نے دوا تو لے لی، میرے کہنے پر اور مجھے سمجھانے لگی کہ جس رشتے کا عہد لیا ہے اس رشتے کو نبھاتا، محبت کا کیا ہے، وہ تو ہو ہی جاتی ہے اور بہت کچھ بگڑ بھی جاتا ہے، لیکن اسے بگاڑنے مت دو، دل تک ہے تو دل تک رکھو، آنکھوں تک بھی آجائے تو گناہ کرتی ہے، زبان تک آجائے تو قہر برپا ہو جاتا ہے۔''

''وہ ایسے بولتی تھی کہ مجھے بھی بولنا سکھا دیا تھا اس نے، خیری نے ہمیں دیکھا، لیکن یقین تھا کہ بات دب جائے گی لیکن کلی کھڑکی سے اگر سوڈھی نے بات کرتے ہی دیکھا تو مجھے معلوم تھا کہ بات بگڑے گی، میرے جانے کے بعد خیری نے سکھاں سے کیا کہا مجھے نہیں معلوم تھا۔''

''لیکن اتنا تو پتہ چل ہی گیا کہ بات آگے تک پہنچ چکی ہے۔''

''سچ پوچھو تو میں یہی چاہتا تھا کہ بات کھلے، آگے بڑھے، تاکہ سب پر عیاں ہو جائے اور کسی طرح سے اس شادی میں رکاوٹ آجائے۔''

''بات پہنچی ہی عنایت کو تھی، عنایت شاہ کی دربار میں مجھ سے پہلے اس کی طلبی ہوئی تھی۔''

''اس دن میں نے اسے سوڈھی کے ہاتھوں پیغام بھیجا کہ اب اگر سچ کھل ہی گیا ہے تو جھوٹ مت بولنا، میں تمہارے ساتھ ہوں، حبیب شاہ کے جو دل میں ہے تمہاری قسم جس نے پوچھا

زبان پر آ جائے گا، شان و شوکت کے بھرم سے کہیں زیادہ تم سے منسوب محبت کی بدنامی ہو گی، تم بس قائم رہنا، مجھے اٹل پاؤ گی، ایک موقع ہم مل کر اپنی زندگی کو دیتے ہیں۔''

''میں نے اسے چٹ بھیج دی، آدھا بار اس کے کندھوں پر تھا اور آدھا بار میرے کندھوں پر تھا، سکھاں کے والد تک خبر گئی تھی، اس کی خبر گیری بھی ہوئی اور اس روز دن ڈھلتے ہی بعد نماز مغرب جیجی کے کمرے میں سکھاں کے والد کی، میری اور سکھاں کی طلبی تھی۔''

''یہ خبر حویلی میں ہوا کی طرح اڑ گئی تھی۔''

''میری ماں شہر بانو کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا وہ میری وجہ سے اور بھی دب گئی تھی۔''

''میں اپنے کمرے تک سکھاں مرید خانے تک اور شمع کے احساسات کا مجھے قطعی علم نہیں تھا۔''

''مجھے بس اپنے ساتھ کیے گئے وعدے کا پاس رکھنا تھا، معلوم تھا کہ جیجی سے نظر ملانا مشکل ہو گا، سب جانتا تھا کہ عنایت شاہ کے سامنے نظر اٹھانا مشکل ہو گا اپنی ماں کی ڈھال نہیں بن پایا تھا، لیکن...... مجھے بس یہ تسلی تھی اپنے لئے کہ جیسے اچھے وقت گزر جاتے ہیں۔''

''ویسے اس کڑے وقت کو بھی گزر جانا تھا، لیکن کڑے وقت کا گزرنا کتنا کڑا ہوتا ہے اور وہ کتنا طویل ہوتا جاتا ہے پربھات، یہ مجھے اسی دن پتہ چلا تھا جب دن ڈھل جانے والا تھا۔''

''چیپٹر مکمل تھا، آگے خالی بریکیٹ اور نکتے تھے۔''

''اگلا منظر شاید آگے ہو، وہ کھنگالنے لگی تھی اور اسی وقت بیل ہوئی تھی، اس نے دیکھا تو نمبر اجنبی تھا۔''

''اور اس نے اٹھا لیا تھا، آواز لڑکی کی تھی لیکن وہ پہچان نہ سکی۔''

''معاف کیجئے گا پہچان نہیں سکی۔''

''رباعی بات کر رہی ہوں۔'' لہجہ دھیما اور سبھاؤ بھرا تھا۔

''اوہ رباعی...... کیسی ہیں آپ؟ معاف کیجئے گا آواز نہیں پہچان سکی۔''

''کوئی بات نہیں، ہم پہلی بار بات کر رہے ہیں ویسے بھی۔''

''ہاں یہ تو ہے، ویسے مجھے آپ کی کال کا انتظار بھی تھا۔''

''پوچھ سکتی ہوں کس لئے؟''

''بس یونہی، لیکن ہاں، آپ کے کچھ کاغذات تھے ان کتابوں میں، میں تہہ شدہ چٹ نہیں کھولی، لیکن کوئی ادھوری کہانی تھی وہ پڑھ چکی ہوں۔''

''چلو کوئی بات نہیں، راز بھی اچھوں کے پاس آتے ہیں، ویسے آپ کی اطلاع کے مطابق یہ سب خیالی تھا، آپ چاہیں تو یہ چٹ پڑھ سکتی ہیں۔''

''خیالی ہے؟ مطلب؟''

''مطلب یہ کہ پربھات صاحبہ ہم اپنی زندگی میں بہت ساری خیالی کہانیاں بنتے ہیں، ایک کہنے والا کہتا ہے۔''

''سوچنے والے لب ہوتے ہیں جو سوچتے ہیں۔''

''لیکن ایک لکھنے والے کا یہ مرض ہے کہ وہ لکھتا ہے۔''

''بس یہ سمجھ لیں کہ جسے لکھنا آ گیا ہو، وہ لکھے گا۔''
''وہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا، خود اپنے راز بھی وہ لکھ لیتا ہے، لکھے بغیر نہیں رہ پاتا اور جو لکھا ہوتا ہے وہ کبھی کبھار تو اشارہ ہوتا ہے، اور کبھی الہام ہوتا ہے، تو گویا آپ لکھتی ہیں۔''
''ہاں میں بھی مجرم ہوں۔''
''دیکھنے میں اس قدر مزیدار شخصیت نہیں لگتیں آپ۔''
''لیکن باتوں سے تو لگتی ہے۔'' وہ کہتے ہوئے ہنس پڑی۔
''کم تو آپ بھی نہیں لگتیں پربھات۔'' اس کی مسکراہٹ اس نے فون کی دوسری طرف محسوس کی تھی۔
''لیکن میں لکھتی نہیں، ہاں بولتی ضرور ہوں، یہ اثر مجھے اپنے باپ سے ملا ہے۔''
''تو آپ پر اثرات ہیں۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرائی۔
''بالکل ہیں، لیکن رباعی، ایک معذرت مجھے دوسری طرف سے سارنگ کی کال آ رہی ہے، مجھے اس سے بات کرنی ہے، حالانکہ میں جانتی ہوں کہ ہمارے پاس ایک دوسرے سے پوچھنے اور بتانے کے لئے بہت ساری باتیں ہیں لیکن فی الحال یہ بریک لینا پڑے گا۔''
''بالکل لے لیں پربھات آرام ہے جب چاہیں تب کر سکتی ہیں، چلیں پھر میں نمبر سیو کر لیتی ہوں، اللہ حافظ۔'' اس نے کہہ کر فون کاٹا اور سارنگ کا نمبر ملانے لگی تھی، اس کا نمبر مصروف جا رہا تھا، اب فکر ہونے لگی تھی، نمبر کافی دیر تک مصروف تھا، اس نے بالآخر احرار کو کال کر لی وہ شہر سے باہر تھا اور پھر اسی وقت اس نے دوبارہ سارنگ کا نمبر ملایا جو ناٹ ریسپانڈنگ آ رہا تھا۔
لیکن خوش قسمتی یہ کہ چیزل کی کال آ گئی، وہ اسے بتا رہا تھا کہ تحسین لاہوتی کو وہ لوگ چھوڑ گئے ہیں، لیکن بندہ آدھا ختم ہے، بہت حالت خراب ہے اس کی وہ فوری طور پر سارنگ کی طرف جا رہا ہے تاکہ انہیں فوری ہسپتال لے جایا جائے۔۔
اس نے اسے رابطے میں رہنے کا کہا تھا اور جب ساتھ چلنے کو کہا تو چیزل نے یہ کہہ کر منع کر دیا۔
''کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں یہیں لانا پڑے، کیونکہ قریبی علاقے کے ہسپتال اتنے اچھے نہیں ہونگے، اس لئے وہ یہیں رہے فی الحال اسے یہ بات سمجھ آئی تھی، لیکن فی الحال اسے سارنگ کے گھر والوں کی فکر ہو رہی تھی کہ کس کشمکش کا شکار ہونگے، سندس، مہراب خاتون، سکھاں اور سارنگ تو حد درجہ پریشان ہوگا۔''
وہ اس پریشانی کو محسوس کر سکتی تھی، کیونکہ اسی طرح کی پریشانی سے گزر چکی تھی، گو کہ شفیعت کے تسلی بھرے میسجز نے اس کی تسلی تو کرا دی تھی، لیکن اندر ہی اندر یہ ڈر کتنا پختہ ہوتا ہے، سارنگ کس کرب سے گزرا ہوگا اسے اندازہ تو تھا ہی لیکن اس کے میسجز سے مزید ہو گیا تھا، جب اس نے کہا تھا کہ باپ آئے، باپ کی لاش نہیں، وہ بے چینی سے چیزل کی اگلی کال کا انتظار کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

''سے کی بھید نہیں ہے یہ چھوکری، عشق پاؤں پاؤں چل کر آتا ہے، پہلے گھنٹی بجاتا ہے، پھر

دستک دیتا ہے اور اگر دروازہ کھول کہ جھانکو تو اندر آجاتا ہے۔"
اسے یاد آیا وہ حویلی سے چپکے سے نکل آئی تھی، پیغام تھا طلبی کا اور اس نے پہلی بار سوچا تھا کہ بھاگ لئے، بچالے ایک مصیبت سے اسے بھی اور خود کو بھی، وہ طلبی سے کچھ دیر پہلے ہی نکلی تھی حویلی سے اور رخ آپ ہی آپ بڑی دربار پرانے قبرستان سے کچھ پہلے ایک جھونپڑی والے بابے کی طرف ہو گیا تھا، اسے یاد تھا بچپن میں جب چاچا ضمیو مورتیاں بناتا تھا تو وہ جا کر بیٹھتی تھی اور ویسی ہی مورتیاں بنانے کی کوشش کرنے میں کئی بار ناکام بھی گئی تھی البتہ وہ نہیں تو اس سے مشابہہ کچھ مورتیاں حبیب ضرور بنالیا کرتا تھا، پہلی بار اس شخص سے وہ تب متاثر ہوئی تھی، پھر اس کے بعد کبھی کبھار بگھی میں اسے اسکول جاتا ہوا دیکھتی تو ایک گلہ سا ابھرتا تھا دل میں، باپ کو کہتی کہ۔
"ابا ہم بگھی میں کیوں نہیں جاتے؟"
"بیٹا ہم بھی تو بگھی میں جاتے ہیں۔"
"نہیں ابا یہ پرانا تانگہ ہے کھٹارہ۔" اس نے گھر میں سنا تھا چاچے میٹری کا کھٹارہ، سوائے یہ تانگہ کھٹارہ ہی لگتا تھا اور سچ میں تھا بھی کھٹارہ، اسے تصور آتا کہ وہ گھر میں پلی بلی کی طرح ایک پیر سے لنگڑا کر چلتا ہے، وہ تصور باندھتی تھی اور رات کو جسے باپ پکارا کرتی اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی اور پوچھتی کہ ابا بھلا آسمان میں تارے کتنے ہوتے ہیں؟ تبھی سے سوال پوچھنے کی عادت تھی۔
"بہت سارے۔"
"نہ پر ہیں کتنے؟ گن کہ بتانہ۔"
"تو گن کہ بتا اسکول تو تو جاتی ہے مجھے گننا آتا ہو گا مجھے تھوڑا ہی آتا ہے گننا۔"
وہ گننا شروع کرتی، ایک کے بعد دو، تین چار اور سو تک گنتے ہوئے پھر سے بھول جاتی کہ کدھر سے گنتی شروع کی تھی، پھر کہتی ابا بھول گئی۔
وہ ہنس دیتے، کہتے جھلی چھوکری جو گننے میں نہ آئے اسے نہیں گنتے۔
اور جب یہ بعید کھلا تو احساس ہوا تکلیف کا احساس کیوں گننے میں نہیں آتا، وہ سوچ رہی تھی کہ ابے کو معلوم ہو گیا ہے، وہ کیا سوچتا ہو گا، شرم سے گردن جھکی جاتی تھی، وہ حویلی میں خبری کو ہامی بھر کر اس کے کھسکتے ہی نکل آئی تھی۔
اور رخ چاچا ضمیو کی جھگی کی طرف تھا۔
چاچا ضمیو مورتیں اور برتن گھڑتے گھڑتے کب بڈھا بابا بن گیا اسے خود بھی پتہ نہ چلا تھا، اب وہ دیوانوں جیسا حال لئے بیٹھا ہوتا تھا، دن بھر لوگ اس کے پاس کچری کے لئے آتے تھے اور رات کو وہ کبھی کبھار جنگلوں میں نکل جاتا تھا، ان دنوں موسم سرد تھا، اسے اندازہ تھا کہ وہ جھگی میں ہو گا، وہ دروازے کے باہر جا کھڑی ہوئی تو اندر سے آواز آئی کہ۔
"آجا پٹ سکھاں، اندر آجا۔"
"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں آئی ہوں۔"
"پتہ چل گیا تھا، تیری آواز سنی تھی آج تو رو رہی تھی سکھاں، تو بڑا روئی ہے، تیرا باپ بھی رویا

ہے، چل بیٹھ ادھر، یہ روٹی کھا، تو بھوکی ہے کچھ نہیں کھایا تو نے دن بھر۔"

"یہ بھی پتہ چل گیا آپ کو؟"

"ارے چری تیری شکل پہ لکھا ہوا ہے کہ تو غمزدہ ہے، آنکھیں بتا رہی ہیں روئی ہے، شکل بتا رہی ہے، بھوکی پیاسی ہے، چل آ بیٹھ۔"

"دل نہیں چاہتا چاچا۔"

"تو کھا دل کے لئے نہیں اپنے لئے کھا، پر کھا۔" وہ بیٹھ گئی اور چھوٹے چھوٹے نوالے لینے لگی تھی۔

تھوڑی دیر بعد روٹی کے تین ٹکڑے ختم ہوئے چوتھا اس نے پلیٹ میں ڈھک دیا، پانی کے گھونٹ لئے۔

"میں سو جاؤں چاچا؟"

"نہ دھی، سونا نہیں، ابھی نہیں سونا، اگر ابھی سو گئی تو سوتی رہ جائے گی، تجھے ابھی پیش ہونا ہے۔"

"لیکن میں پیشی نہیں دینا چاہتی چاچا۔"

"اڑے چری زبان دے کر آئی ہے اور کہتی ہے کہ پیشی نہیں دوں گی، یہ کہاں کا انصاف ہے۔"

"پر چاچا۔"

"چل اگر کہہ دیا ہے تو کر دکھا، ہو سکتا ہے اسے تیرا انتظار ہو۔"

"آپ کو کیسے پتہ؟"

"وہ آیا تھا میرے پاس، رو پڑا تھا، کہہ رہا تھا نصیب آزماؤں گا آپ دعا کیجئے گا۔"

"چل دیکھ وہ دعا لینے آیا تھا اور تجھے قسمت خود لے آئی۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں پٹ، بس ہے تو ہے، نہیں ہے تو نہیں ہے، تو ہامی بھر بیٹھی ہے تو جا، دے آ امتحان، امتحان تو آتے ہیں چری، امتحان تو آتے ہیں نہ۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہیں آپ، امتحان آتے ہیں۔"

"واقعی آتے ہیں۔"

"تو پھر چل کچھ تو دلاسہ آ گیا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے چاچا، دعا کرنا بس زبان سے جھوٹ نہ پھسلے، لیکن پتہ ہے کہ ابا رس جائے گا اور تجھے پتہ ہے چاچا ابا رس جائے تو رب رس جاتا ہے، دعا کرنا رب نہ رسے۔"

"رب نہیں رستا سکھاں اور ابا بھی نہیں اس، بس کبھی کبھار تقدیر رس جاتی ہے۔"

"تو بھی اسے آزما لے، ہو سکتا ہے تیرے ساتھ یہ کچھ بھلا کر لے، ہو سکتا ہے کہ تقدیر بن جائے۔"

جھگی سے نکلتے وقت آخری جملہ اس نے دروازے کے باہر جا کر سنا تھا۔

(جاری ہے)

یہ رنگ محبت کا

حنا اصغر

رانی کے ساتھ اس کو کھانا دینے چلی آئی اس کی آواز پر سلطان ہڑبڑا کر اٹھا بیٹھا، اس کو اپنے خوابوں میں اتنی بار دیکھ چکا تھا کہ حقیقت میں دیکھنے کے بعد بھی خواب کا سا گماں ہوا۔

''بتایا نہیں تم نے سلطان؟'' زرمینے نے رانی کی جانب دیکھا جو ندی کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی۔

''فصل کی وجہ سے معروف ہوں اس لئے کسی سے بات کرنے کا ٹائم نہیں ملتا، خیر تم کھانا لے کر کیوں آئی ہو کسی بچے کے ہاتھ بھیج دیتی مائی فضلہ کہاں ہے اس کو دیتی۔'' اس کی آواز میں چھلکتی بیگانگی نے زرمینے کو متوحش کر دیا۔

''تمہیں ہوا کیا ہے سلطان؟''

''کچھ نہیں ہوا ہے زرمینے تم اتنی بچی نہیں ہو، جانتی ہو ناں یہ چھوٹا سا گاؤں ہے اس گاؤں میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ہم سے خار کھاتے ہیں چوہدریوں کی ہم سے منہ ماری رہتی ہے ہر وقت وہ بدلہ لینے کے لئے نیچا دکھانے کے لئے کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں تمہیں بڑے ابا نے بھی بارہا منع کیا ہے کہ یوں گھر سے باہر اکیلے نہ نکلا کرو لیکن تم کسی کی بات سنوتب ہے ناں۔'' وہ سرد و سپاٹ لہجے میں بولا۔

''میں تمہاری وجہ سے آئی ہوں سلطان تمہیں کھانا دینے۔'' زرمینے نے بوکھلا کر کہا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھیگ گئی، لیکن سلطان تو جیسے پتھر کا ہو گیا تھا اس نے اونہہ کر کے ایک طرف کو سر کا دیا۔

''مجھے تم سے ایک کام بھی تھا سلطان۔'' وہ منمنا کر بولی، اب کی بار سلطان کی آنکھوں میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔

''کیا کام تھا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز سے رعونت اور سپاٹ پن جاتا رہا۔

اس کی نگاہیں بڑی پکڈنڈی سے آتے بہرام کی جانب اٹھیں، زرمینے بھی اس کو آتا دیکھ چکی تھی اور پتہ نہیں کیوں سلطان کو زرمینے کی آنکھوں کی روشنی دو چند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اس کے دل میں آرے سے چلے سلطان بخت بچپن سے ہی زرمینے کو چاہتا آیا تھا اور اس کی بے بے کہتی تھی زرمینے اس کی دلہن بنے گی اور زرمینے سلطان کو چھوڑ کر اس کے بڑے بھائی کی دلہن بننا چاہتی تھی اس خبر کو سننے کے بعد سلطان انگاروں پر لوٹ رہا تھا، دن کا چین اور رات کا سکون ایکدم سے غارت ہو گیا، ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتی زرمینے کو استعجابیہ انداز میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہنے کا مشغلہ اب تمام ہونے والا ہے سلطان صاحب آپ کی محبت اب آپ کے بھائی کی محبت بننے جا رہی ہے، دل نے گھرکا وہ ہڑبڑا کر ہوش کی دنیا میں آیا جیسے کسی نے چانٹا دے مارا ہو۔

''بتاؤ کیا کام ہے؟'' اس کی نگاہیں ابھی بھی بہرام پر جمی ہوئی تھیں جو کھاریاں سے آ رہا تھا سفر کی تھکان دور سے ہی ان کے پرشکن لباس اور چہرے سے عیاں تھی۔

''ابا میاں اگر تم سے کچھ کہیں......تو......تو تم......'' اس کے ٹوٹے ہوئے لفظوں نے سلطان کو برزخ میں دھکیل دیا۔

''زرمینے بی بی جیسا آپ چاہتی ہیں ویسا ہی ہو گا، میں یہاں کھڑے ہو کر قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے حق میں فیصلہ دینے کے بعد میں تمہیں اس گاؤں میں کبھی نظر نہیں آؤں گا، تمہاری شادی کے بعد اس جگہ چلا جاؤں گا جہاں تمہارا سایہ بھی نہ ہو گا یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔'' زرمینے کی آنکھوں میں نمی سے تیرنے لگی، وہ بے یقینی سے سلطان کی جانب دیکھنے لگی، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی

لیکن اس سے پہلے ہی سلطان بولا۔

''جاؤ زر مینے بہرام آ رہا ہے اس کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔'' وہ کہہ کر رخ موڑ گیا، زر مینے نے ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی رانی کو آواز دی وہ دونوں چلتی ہوئی بہرام کے قریب پہنچی، بہرام نے پرتپاک انداز میں ان کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ باتیں کرتا ہوا گھر کی جانب مڑ گیا، سلطان کا دل مختلف حصوں میں ٹوٹ کر بکھرنے لگا ساری عمر وہ اسی خوش فہمی میں رہا کہ زر مینے اس کو چاہتی ہے اس کا حد درجے خیال رکھنا التفات برتنا ہر عید تہوار پر اس کے لئے اپنے ہاتھوں سے کرتے کاڑھنا اس کے لئے کھیر پکانا اس کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کرنا وہ اس کی اپنائیت کو اس کا پیار سمجھتا تھا اور اب حقیقت آشکار ہوئی تو احساس ہوا وہ یہ خیال اس کے بھائی کی وجہ سے رکھتی تھی اپنے دیور کی حیثیت سے اسی حقیقت نے سلطان سے اس کی خوشیاں ایک جھٹکے میں چھین لی تھیں۔

☆☆☆

''سلطان زر مینے لاہور جانا چاہتی ہے اسی لئے بھابھی اور میں نے سوچا ہے تمہارا اور اس کا نکاح کر دیا جائے پھر تم اس کو لاہور لے جاؤ جانتے ہو ناں زر مینے کی ماں اسی فیڈریشن کی صدر تھی لاہور سے حاصل پور آتے ہوئے ظالموں نے اس کو گولی مار دی، زر مینے نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا ہے اور اب وہ اس فیڈریشن میں کام کرنا چاہتی ہے، تو بتاؤ اب تم کیا چاہتے ہو میاں صاحبزادے؟'' ابا میاں کے الفاظ اس کے ٹوٹے بکھرے اعصاب پر برچھی کی طرح پڑے اور وقت ہوتا تو وہ پھولے نہ سماتا اور راضی بہ رضا ان کو اپنی رضا مندی دے دیتا لیکن وہ حیران تھا وہ کیسے باپ تھے جو بیٹی کی خواہش کو پس پردہ ڈال کر محض سلطان کے مرتے ہوئے باپ کی آخری خواہش کو دل سے لگائے ہوئے تھے۔

''وہ...... وہ ابا میاں...... میں...... میں زر مینے سے......'' سلطان کی آواز حلق میں پھنس گئی اس کو ایسا لگا جیسے وہ مزید کچھ نہیں بول پائے گا اس نے اپنی ہمت مجتمع کیں اور ایک ہی سانس میں بولا۔

''میں زر مینے سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

اس نے ان کے سرخ پڑتے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور نگاہیں جھکا لیں۔

''کیا...... ہوش میں تو ہو تم سلطان بخت، کیا کہہ رہے ہو، جانتے ہو ناں زر مینے تمہاری بچپن کی منگ ہے، تمہارے باپ نے مرتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا تھا حالانکہ زر مینے کے لئے اس کے ننھیال میں بہتیرے رشتے ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں لیکن مجھے بھائی کی آخری خواہش کا خیال ہے اگر مرے ہوئے بھائی کا منہ نہ ہوتا تو تمہارے کہنے کے فوراً بعد بیٹی کو کسی کے ساتھ بھی بیاہ دیتا بہر حال اب گلے پڑا ڈھول تو بجانا پڑے گا، اس فصل کے بکنے کے فوراً بعد تم دونوں کا نکاح کر دیا جائے گا۔'' وہ کہہ کر رکے نہیں تھے، ان کے جاہ و جلال اور غیض و غضب سے ایک لمحے کو سلطان بخت جیسا کڑیل جوان بھی دہل گیا، اس دن وہ گھر نہیں گیا اور گھر سے کھانا نہیں آیا، وہ جانتا تھا پوری حویلی میں اس کے انکار کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہو گی اور بے بے تو اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں ہونگی ایک لڑکی کی خوشی کی خاطر اس نے کتنے لوگوں کو دکھی کر دیا تھا۔

''کیا ہوتا اگر زر مینے مجھ سے شادی کر لیتی۔'' دل نے ہوک بھری اس نے اپنی آنکھوں

پہ بازو رکھ لئے اور چت لیٹ گیا، نیند کہاں آنی تھی یونہی اٹوانٹی کھٹوانٹی لئے پڑا رہا۔

''میں تم سے یہ نہیں پوچھونگی تم نے یہ سب کیوں کیا؟ اور نہ یہ پوچھونگی اس سے تم کیا جتانا چاہتے ہو بس سلطان بخت میں تمہیں تمہارا وعدہ یاد دلانے آئی ہوں۔'' زرمینے کی لعن طعن پر وہ اٹھ بیٹھا لیکن یہ کیا یہ تو کوئی اور ہی زرمینے تھی جس کی آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں جل رہی تھیں، چہرہ سرخ تھا۔

''مرد کے بچے ہو تو اپنا وعدہ نبھاؤ، سلطان بخت اس ہفتے جا رہے ہو ناں فصل لے کر تو خود بھی غائب ہو جاؤ یہ گاؤں چھوڑ دو کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں چاہ کر بھی میں تمہارا سایہ نہ دیکھ سکوں مجھے نفرت ہے تم سے اگر تم یونہی میرے سامنے رہو گے تو میں جی نہیں پاؤں گی اور مر گئی تو میرا باپ جیتے جی مر جائے گا اس لئے بہتر ہے تم اپنا وعدہ نبھاؤ۔'' وہ بھپر کر بولی، سلطان بخت اپنی جگہ سے ایسے اچھلا جیسے غلطی سے کانٹوں کے بستر پر بیٹھا ہو۔

''زرمینے ہمیشہ اپنی منوانے کے لئے دوسروں کی زندگیوں ان کی خوشیوں کو تیاگ دینے کا فن کہاں سے سیکھا ہے تم نے بہرحال میں اس زہر کے پیالے کو پی جاؤں گا میں تمہاری قسم کھاتا ہوں اس اتوار کے بعد تم اپنی زندگی میں کوئی ایسا اتوار نہیں دیکھو گی جب میں تمہیں نظر آ جاؤں یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں اس کے جانے کے بعد کافی دیر زرمینے وہاں بیٹھی روتی رہی۔

☆☆☆

''جیسے ہی تم منگل کو آؤ گے بھائی صاحب تمہارا اور زرمینے کا نکاح کر دیں گے اس کے ہفتہ بعد تم دونوں لاہور روانہ ہو جائیں۔'' بے بے نے کھانا اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا وہ جو اپنا رخت سفر باندھے ہوئے تھا محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا اس نے اپنے بیگ میں محض دو تین سوٹ رکھے چند کتابیں اور کچھ گھر والوں کی یادیں اس کے علاوہ زادِ راہ کے لئے وہ کچھ نہیں لے جانا چاہتا تھا، فصل وار لے کر جا رہا تھا جبکہ وہ تو فصل بیچنے کے لئے جانے والا بھی نہیں تھا، سب سے ملنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آیا بیگ اٹھانے وہاں زرمینے کو براجمان دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹکا گیا پتہ نہیں کیوں، یہ لڑکی اس کا امتحان لینے سے باز نہیں آئی تھی۔

''سلطان بخت ایک بار پھر سوچ لو بزدل لوگ میدان کارزار کو دیکھ کر ہی دم دبا کر بھاگ جاتے ہیں تم انسانوں کے سمندر میں گم ہونے جا رہے ہو یہ عیش و آرام چھوڑ کر جی پاؤ گے کیا؟'' اس کا استہزائیہ انداز جلا کٹا لہجہ اس کے چاروں طرف جلتی آگ کو کم نہیں کر پایا تھا سلطان اس کے قریب ہوا اس کا بازو پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔

''میں کتنا ہی بزدل کیوں نہ ہوں زرمینے گل تم سے جو عشق کیا ہے ناں، اس نے اتنی طاقت دی ہے کہ خود کو تیاگ دینے میں بھی ایک پل نہیں لگاؤں گا۔'' اس کی سانسیں زرمینے کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، زرمینے نے حیرت سے سلطان بخت کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں تیرتی حیرانگی سلطان بخت سے چھپی ہوئی نہیں تھی، سلطان بخت نے جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا اور بیگ اٹھا لیا۔

''سلطان بخت...... سلطان بخت میری بات سنو، ہمیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ اس کے پیچھے چلائی لیکن سلطان بخت سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

لاہور میں ایک زرعی فارم میں کام کرنے کے دوران سلطان کی ملاقات دار سے ہوگئی وہ دار کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے حیران رہ گیا تین سال کے عرصے کے بعد بھی دار ویسے کا ویسا ہی تھا وہ بڑی بیقراری سے لوگوں کا ہجوم چیرتا ہوا دار کے قریب پہنچا دار ابھی ایک لمحے کو حیران رہ گیا اور اگلے ہی پل وہ اس سے بغلگیر ہوگیا۔

''کہاں کھو گئے تھے سلطان تمہیں ڈھونڈنے میں ایک عرصہ لگا یا بہرام بخت اور ابا میاں نے لیکن تم نہیں ملے بے بے تمہاری جدائی میں بیمار رہنے لگی ہے۔'' وہ اس کو لے کر فارم سے باہر آگیا۔

''لاہور آیا تو کچھ دنوں سڑکوں پر پھرتا رہا پھر ایک دوست کے توسط سے اس فارم میں جاب مل گئی اب تین سالوں سے یہی کام کرتا ہوں۔''

''زندگی کو چھوڑ کر زندگی کی تلاش کرنا کیسا لگا، سلطان بخت سود و زیاں کا احساس تو ہوا ہوگا سلطان بخت۔''

''نہیں ہوا بس بے بے اور بہرام کی یادوں نے زندگی کی کٹھنائیوں سے لڑنے کا حوصلہ دیا، وہ سب کیسے ہیں اب؟'' سلطان بخت نے بیقراری سے پوچھا۔

''کچھ عرصہ پہلے بہرام سے بات ہوئی تھی بے بے بہرام کے ساتھ سکھر چلی گئی ہیں آج کل وہی بہرام بخت کی پوسٹنگ ہے۔''

''حویلی تو ویران ہوگئی ہے تقریباً میں نے وعدہ کیا تھا ملنے آؤں گا بہرام بخت کے بیٹے سے ملوں ذ ٹائم ہی نہیں ملا۔'' سلطان کو اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہوا، جس موڑ سے بچنے کے لئے وہ بھاگتا رہا تھا قسمت اس کو ایک بار پھر اسی موڑ پر لے آئی تھی۔

''بہرام بخت کی شادی ہوگئی ہے کیا؟'' سلطان نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا اور گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا، دار بھی اس کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''ایک سال پہلے ہوئی ہے بہرام کی شادی اب تو ایک بیٹا بھی ہے۔'' دار نے میز پر سے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا، سلطان بخت کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ آن سجی۔

''میں جانتا تھا وہ جلد ہی شادی کرے گی اس کو لاہور جو جانا تھا، اپنی ایسوسی ایشن چلا رہی ہے محترمہ اکثر ٹی وی پر نظر آتی ہے شادی کے بعد ایک نکھار سا آگیا ہے اس میں، وہ لا ابالی پن تو کہیں کھو سا گیا ہے۔'' سلطان بخت نے جیب سے سگریٹ نکالیا ور سلگانے کے دوران تبصرہ کیا۔

''کس کی بات کر رہے ہو رانی تو سکھر میں ہے بہرام کے ساتھ اس بے چاری میں اتنا دم خم کہاں کہ لیڈر بنی پھرے دو وقت کی روٹیاں ہی تھاپ لے بڑی بات ہے۔'' دار نے سلطان کے چہرے کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

''زرمینے ...... زرمینے گل کی۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''یہاں زرمینے گل کا کیا ذکر تمہارے انکار کے بعد وہ بڑے میاں کے ساتھ لاہور آگئی انہی کے ساتھ ہی ہوتی ہے وہ۔''

''کیا؟'' سلطان پر خود ساختہ محل کا ملبہ گرنے لگا اس کو اپنا وجود دھول مٹی میں دھنستا ہوا محسوس ہوا۔

''زرمینے گل تو بہرام سے شادی کرنا چاہتی تھی ناں۔'' سلطان کو اپنی ہی آواز دور سے آتی

ہوئی محسوس ہوئی۔

''پاگل ہوگیا تمہارے جانے کے بعد کافی وقت اس نے ہاسٹل میں گزارا ایک سال بعد میں نے اپنے لئے پیغام بھجوایا تو بڑے میاں نے کہا کہ زرمینے کہتی ہے اس کی شادی بچپن سے ہی سلطان بخت سے ہوگئی تھی بیٹی کے غم نے ہی تو بڑے میاں کو چارپائی پر ڈال دیا ہے۔'' دار کی آواز سلطان پر ہتھوڑے کی طرح برسنے لگی۔

''سلطان بخت...... سلطان بخت میری بات سنو، ہمیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' سلطان بخت کا جی چاہ رہا تھا خود کو شوٹ کردے اس کی ایک غلط فہمی اور بلاوجہ کی ضد نے اس کی اور زرمینے گل کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا بغیر سوچے سمجھے اس نے چھوٹی سی بات کا اتنا بڑا تماشا بنا دیا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا سلطان؟ آخری وقت تک سب یہی سمجھتے رہے کہ تم کسی اور کو پسند کرتے ہو تم اس لئے بتانے میں ہچکچاتے ہو، تمہیں سب نے بہت ڈھونڈا لیکن ملے ہی نہیں۔'' سلطان ایکدم سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے زرمینے گل کا پتہ چاہیے۔'' دار نے خوشگوار حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور سرعت سے زرمینے کا پتہ بتانے لگا۔

☆☆☆

ویٹنگ روم میں بیٹھے اس کو بامشکل پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ کسی نے انتہائی جہالت سے دروازہ کھولا وہ چونکا اور مقابل ہستی کو کھڑا دیکھ کر اخبار خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا وہ اٹھ کھڑا ہوا، سفید کاٹن کے شلوار قمیض کے اوپر سفید دوپٹہ اوڑھے وہ اس زرمینے کا ہلکا سا پرتو بھی نہیں تھی جس کو وہ چھوڑ آیا تھا۔

''ت...... تم...... سلطان...... کیسے......

شگفتہ شگفتہ ــــــ رواں دواں

ابن انشاء

اچھی کتابیں

پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشا

دخل در معقولات

ابن انشا

ابن انشاء کی تازہ تصنیف

دخل در معقولات

شائع ہوگئی ہے

آج ہی اپنے قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

چوک اردو بازار لاہور

042-3731797, 37321690

ہو؟" اس کی آواز کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔

ریسپشنسٹ نے کہا سلطان بخت آئے ہیں حاصل پور سے مجھے لگا شاید میرا سلطان آیا ہو جس کو میں نے حاصل پور کی گلیوں میں ڈھونڈا تھا اور تمہیں یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر یقین ہی نہیں آیا کہ تم آ گئے ہو، حالانکہ مجھے امید تھی بھروسہ تھا اپنے رب پر کہ تم آ جاؤ گے۔" وہ اپنے ہاتھوں کی پوروں سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی اس کے سرخ چہرے پر بکھرے جا بجا آنسوؤں نے اس کو دلکش بنا دیا تھا۔

"میں نے کئی بار تمہیں دیکھا اور یقین جانو جب جب تم پر نظر پڑی میرے زخم پھر سے ہرے ہو گئے زر مینے میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا کہ منہ پھیر لیتا اور محبت کا اختیار عرصہ ہوا تم نے چھین لیا۔"

"میں نے چھین لیا سلطان بخت، حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے سب خود سے فرض کر لیا تم نے خود ہی عدالت لگائی جہاں وکیل بھی تم تھے اور جج بھی تم خود، مجھے تو تم نے موقع ہی نہیں دیا کہ میں تمہیں صفائی بھی دے سکوں اور مجھے شرم آتی رہی خود سے کہ تم یہ سمجھتے رہے کہ میں بہرام بھائی کو پسند کرتی ہوں حالانکہ میں تو سمجھتی رہی تھی کہ ہماری محبت اتنی مضبوط اور گہری ہے کہ اس کو کسی صفائی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں نہیں تھے لیکن بھیگا لہجے نے سلطان کو پشیمانی کے بحر میں دھنسا دیا۔

"میں نے خود سنا تھا تم نے کہا تھا بہرام تمہیں اچھا لگتا ہے سلطان تو ایک بزدل انسان ہے، اس کے دل میں پھنسی آخری کیل جس کو وہ نکالنا چاہتا تھا، میں تمہیں دیکھ چکی تھی جیجی رانی کے پوچھنے پر شرارت سے کہہ دیا لیکن تمہارے بدلے ہوئے طور اطوار مجھے کھٹکا گئے میں تمہیں وضاحت دینے آئی تھی اور تم مجھ سے اتنے بدگمان ہو چکے تھے کہ تم نے میری بات کو سنا ہی نہیں حالانکہ میں پوچھنے آئی تھی اگر ابا میاں ہماری شادی کے بارے میں پوچھیں تو تم کیا جواب دو گے اور تم نے جو جواب دیا میں کافی عرصہ تک شاک میں رہی۔" اس کے حرف حرف نے اس کو ہلکا پھلکا کر دیا۔

"جانتے ہو میں تم سے خاص طور پر ملنے کے لئے آئی ہوں ورنہ مجھے آج میٹنگ کے لئے جانا ہے، دار کا فون آیا تھا کہ وہ آ گیا ہے اس سے مل لینا اب نہ ملیں تو پھر شاید ہی وہ ہاتھ لگے۔" وہ ہنس کر بولی۔

"کیا دار نے؟" سلطان کو حیرت ہوئی۔

"ہاں دار نے فون کر کے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا اور تم نے اس کو کیا کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو لیکن فخر نہیں کرتے۔" وہ جلے کٹے انداز میں بولی، سلطان کھل سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا پھر بولا۔

"بتاؤ اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"کون سا فیصلہ؟" وہ ذرا آگے ہوا اور ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"تم دلہن کہاں بنو گی لاہور میں یا سکھر میں۔" اس کے سوال پر وہ جھینپ گئی پھر شرمگیں مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی۔

"سکھر میں دلہن بنوں گی۔" اور اس کے اقرار کے ساتھ ہی سلطان قہقہہ لگاتا ہوا اس کو ایسا لگنے لگا جیسے اپنے اندر چلنے والی کافی عرصہ پہلے کی جنگ میں وہ اب فاتح ہوا ہو سلطان کو ہر طرف وہ فتح کا جھنڈا لہراتا ہوا نظر آیا۔

☆☆☆

سالِ نو کی نوید

عائشہ رانا

سرد ہوا کے تیز جھونکے سے پردہ کھڑکی کے سامنے سے سرک چکا تھا کہر رستہ بناتی ہوئی پہلے سے یخ بستہ کمرے میں مزید ٹھنڈک بکھیرنے لگی، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائیں آنکھیں موندیں وجود کو سردی کے احساس نے تحریک دی اور اس نے آنکھیں کھول دی ہوا اس کے شفاف چہرے پر پڑی سیاہ لٹوں سے اٹھکیلیاں کرتی، ہوا کی سرگوشیاں ایک طرف، سرد تیز لہر ٹھٹھرتے ہوئے وجود میں سنسنی پیدا کر رہی تھی اس نے اپنے گرد چادر کو اچھی طرح لپیٹ لیا اور کھلی کھڑکی سے پہلو تہی کرتے ہوئے سینے سے لگی کتاب کو بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

ٹیبل پر پڑے اخبار کو اٹھا کر گود میں رکھتے ہوئے دوبارہ سے اخبار پر نگاہیں جما دیں۔

وہ اپنی محبت کے مرقد پر پہلی اور آخری بار آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی لیکن بعض اوقات انسان کو دل بڑی کنجلک شے ثابت ہوتا ہے کس آن کس رنگ کو اوڑھ لے پتہ ہی نہیں چلتا اس آن کے اندر سوئی حسرت سے چند چنگاریاں نکلیں اور ان کی جلن سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، اس نے نم آنکھوں سے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دسمبر کے آخری دن کے دھندلے چاند کو دیکھا جو بار بار سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ کر شاید ایک اور سال کے جانے کا سوگ منا رہا تھا اس کے چہرے پر مزید سوگواریت پھیل گئی اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر ایک بار پھر سے آنکھیں موند لیں۔

لیکن فرار کہاں؟ ماضی چپکے سے اپنے اوپر پڑی وقت کی گرد کو جھاڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آن بسا اور وہ ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

”یہ پیار محبت کچھ بھی نہیں ہوتا یہ سب افسانوی باتیں ہیں، یہ عشق و محبت صرف ناولوں اور کہانیوں کی حد تک ہی ہوتا ہے حقیقت میں کچھ بھی نہیں، پریکٹیکل لائف اس سے ذرہ ہٹ کے ہے۔“ اس کے مقابل کرسی پر بیٹھے ہتھیلی پر ٹھوڑی جمائے اسے دیکھتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولا ان دونوں کے درمیان ٹیبل حائل تھی، وہ ہمیشہ ایسے ہی لنچ ٹائم میں اپنے فیورٹ کیفے ٹیریا میں اپنی فیورٹ کافی پیتے ہوئے دونوں کسی نا کسی موضوع پر بحث کیا کرتے تھے، ہمیشہ موضوع بحث کی ابتداء زوبار یہ غضنفر کی طرف سے ہی ہوتا تھا اور ہمیشہ کی طرح اس کا پسندیدہ موضوع بحث محبت ہی رہا تھا، جیسے وہ بار بار محبت کا ذکر چھیڑ کر اس کے اندر جھانکنے کی سعی کر رہی ہو یا شاید وہ اسے کھوجنے میں لگی تھی لیکن ہمیشہ کی طرح مقابل بیٹھے شخص کی بے نیازی سوا نیزے پر تھی۔

وہ محبت کا قائل نہیں تھا وہ زندگی کی ڈگر کو کسی جستجو پر چلانے کا قائل تھا وہ تھوڑے وقت میں بہت کچھ پا لینے کی خواہش رکھتا تھا وہ زندگی کو ایسے پلیٹ فارم پر لانا چاہتا تھا جہاں وقت کا ضیاع کیے بغیر وہ اونچی چھلانگ لگا سکے ایک طرح سے وہ اپنی خواہشوں کا غلام تھا وہ دونوں ایک ہی آفس میں کام کرتے تھے۔

”اکیس ویں صدی جہاں ہر سو ایجادات کو دوڑ لگی ہوئی ہے ہر کوئی دوسرے پر سبقت لے جانے کی جستجو میں ہیں لوگ چاند کو تسخیر کر چکے ہیں اور سیاروں پر رسائی حاصل کر رہے ہیں اور یہاں مس زوبار یہ غضنفر محبت کے لحاف میں گھسی خواب بن رہی ہیں واہ، زبردست۔“

میرا انداق اڑاتے ہوئے اس نے اپنی بات کو خوب انجوائے کیا اور کافی کا سیپ لیتے ہوئے بات جاری رکھی، میں اسے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ محبت

اسے محسوس کریں محبت اک احساس کا جذبہ ہے جیسے چاندنی کی چاندنی اور پھول کی خوشبو کو محسوس کیا جا سکتا ہے، ایسے ہی محبت بھی اک مسحور کن احساس ہے۔" میں نے اپنی نگاہیں دوسری سمت مرکوز کر لیں، میرا دل چاہا اسے کہوں میری آنکھوں میں محبت محسوس کریں مگر میں شاید بزدل تھی، اس نے کچھ دن پہلے ہی یہ خبر سنائی تھی کسی دوسری کمپنی میں جاب کے لئے اس نے جو اپلائی کیا تھا اس کا مثبت جواب آچکا تھا اور اس کا پیکیج بہت اچھا ہے جیسے ہی پروجیکٹ کمپلیٹ ہوگا وہ وہاں چلا جائے گا جس پروجیکٹ پر وہ کام کر رہا تھا وہ بس تکمیل کے مراحل میں تھا اور وہ بہت خوش تھا وہ ہمیشہ کام کے معاملے میں بہت پریکٹیکل ذمہ دار اور محنتی تھا بس اس کے خواب بہت اونچے تھے خواب دیکھنا غلط نہیں لیکن خوابوں کو خواہش بنا کر خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگنا کبھی کبھی غلط ثابت ہوتا ہے اور پھر کمپنی کو اس کے چھوڑنے کے جوں جوں دن قریب آنے لگے ویسے ویسے میرے دل کی بے کلی بڑھنے لگی، دن کو آنکھیں مسکراتیں تو شب کے آخری پہروں میں اللہ کو یاد کرتے، کسی کو مانگتے بھیگی رہتیں پھر ......پھر وہ دن بھی آ گیا وہ چلا گیا اور دنیا کی بھیڑ میں گم ہو گیا اور میں نے اس کی جدائی میں (خدا کو) ڈھونڈ کر عرفان ذات کو پالیا۔

☆☆☆

ایسے ہی پھر کوئی تین سال بعد سر راہ ملاقات ہوگئی، وہ بدل گیا تھا یا پھر میری آنکھیں برسوں پرانے منظروں کے ساتھ دیکھنے کی عادی تھی میں نہیں جانتی۔

"کچھ بولو گی نہیں؟" ساحل سمندر کے کنارے میرے برابر چلتے ہوئے جب خاموشی حد سے زیادہ طویل اور تکلیف دہ ہونے لگی تو اس نے فضا میں سوئی خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔

"کیا بولوں؟" گیلی ریت پر اپنے جوتوں کے نشانات چھوڑتے ہوئے میرے لہجے میں جذبات کی ہلکی سی آنچ بھی نا تھی۔

"محبت پر بھی نہیں بولو گی آج؟" اس کا لہجہ کچھ سلگا سلگا سا تھا کوئی خاص تپش لئے۔

"میری ان آنکھوں میں میرے اس وجود میں کیا آج بھی آپ کو محبت نظر نہیں آتی جو لفظوں کی پوشاک پہناؤں موحد آفندی! اچھی بات تو یہ ہے کہ محبت کی تعریف کے لئے بھی موزوں الفاظ کا ذخیرہ میرے پاس تھا ہی نہیں۔"

"کیا مجھے محبت پر بولنا چاہیے جبکہ آپ کو ہمیشہ محبت سے چڑ رہی ہے ویسے آپ کیوں سننا چاہتے ہیں؟" نہایت طمانیت سے جواب دے کر میں ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی اور آتی جاتی لہروں کی روانیوں سے محظوظ ہونے لگی۔

"کیونکہ...... کیونکہ مجھے محبت ہو گئی ہے۔" اس نے جیسے اپنے تئیں بہت بڑا انکشاف کیا تھا، لیکن اسے میرے چہرے پر کوئی حیرت انگیز تاثرات نا ملے تھے اور نا ہی میں نے اس کی جانب دیکھا۔

"تمہیں تعجب نہیں ہوا؟" اس کی حیران سی آواز نے میرا تعاقب کیا۔

"نہیں۔" میں نے دوبدو جواب دیا۔

"کیونکہ جو لوگ محبت کا جس شدت سے انکار کرتے ہیں محبت انہیں اسی شدت سے اپنے ہونے کا احساس اور یقین دلاتی ہے کیونکہ شعوری طور پر ہی سہی، منفی ہی سہی، وہ محبت کو سوچ ضرور رہے ہوتے ہیں اور سوچیں ہمیشہ ذہن میں لگے جالوں کو صاف کر کے راستہ دکھاتی ہیں یہ تو ہونا ہی تھا موحد آفندی۔"

"وہ میرے باس کی بیٹی ہے اس قدر

خوبصورت اور حسن کا بنا مجسمہ کہ پہلے کبھی نا دیکھا لیکن اسے حاصل کرنا میرے لئے شاید بہت کٹھن آمیز ہے لیکن میں اسے ضرور حاصل کروں گا۔'' اس کی آواز میں حاصل کر لینے سے قبل حاصل ہو چکنے کا غرور تھا، ''میں'' آشنا دل میں بھلا محبت کیسے پنپ سکتی ہے۔

''زوبار یہ تم نے کسی سے محبت کی؟''

''خدا نے ایسا کون سا دل بنایا ہے جو محبت سے خالی ہو میں بھی تو اس کائنات کا حصہ ہوں میں بھی اک دل رکھتی ہوں۔'' دل چاہا کہ اسے ہر حقیقت سے آگاہ کر دوں جس محبت سے وہ آج تک نا آشنا رہا اسے آشنا کر دوں لیکن شاید میں محبت کو بے مول ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی میں آج بھی بزدل تھی، محبت بھی وہ جو ہر لمحہ سلگتی ہو، یک طرفہ محبت بھی راکھ میں دبی اس چنگاری کی طرح ہوتی ہے جو ایک دن سلگ سلگ کر راکھ کا حصہ بن جاتی ہے۔

''کیوں، کیا میں محبت نہیں کر سکتی؟'' پانی کے چند قطروں کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پھونک مار کر اڑاتے ہوئے میں نے اس پر چوٹ کی، وہ حسب عادت تھوڑا سا جھنجلایا۔

''میں اس محبت کی بات کر رہا ہوں جو ایک عورت کو ایک مرد سے ہوتی ہے کی تم نے؟''

''ہوں، کی ہے۔'' میری آواز خود با خود سرگوشیوں میں ڈھل گئی اتنی کہ بمشکل مجھے ہی سنائی دی۔

''کس سے؟'' وہ متجسس تھا۔

''اس کی شناخت سے آپ کو کیا ملے گا؟''

''اوں ہوں، ملے گا تو کچھ بھی نہیں پھر بھی پتہ تو چلے؟''

''آپ کی بات نفع سے لے کر نفع پر ختم ہوتی تھی پھر آج یہ انقلاب کیسے آ گیا؟'' پانی میں اپنے معمولی خدوخال والے عکس سے نظریں چراتے ہوئے آخر میرا لہجہ تھوڑا سا ترش ہو ہی گیا۔

''جب سے مجھے اس سے محبت ہوئی۔'' دھیمے لہجے میں وہ بولا وہ واقعی کوئی اور تھا۔

''یقیناً محبت سود و زیاں سے بالاتر ہوتی ہے مگر آپ یہاں بھی غلط کہہ رہے ہیں کیونکہ نفع تو آپ نے نام نہاد محبت میں بھی سوچا یہ الگ بات اب کے دولت کی صورت میں ہی نہیں بلکہ حسن کی صورت میں بھی ہے۔''

''میری محبت کی یوں تو توہین نہ کرو۔'' وہ خفا خفا سا رخ موڑ گیا۔

''اپنی ذات کی توہین کیونکر کروں گی میں، جبکہ میری زندگی تو......'' میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''بہر کیف میں محبت کے پس پردہ اس نفس کی توہین کر رہی ہوں جس نے اندر ادھم مچا دیا ہے آپ کے قدم نفسانی خواہشیں میں جکڑے گئے ہیں موحد آفندی، آپ کو ایسی لڑکی سے محبت کیوں نہ ہوئی جو عام مگر باطن میں سراپا محبت ہوتی ظاہری طور پر دولت مند نا سہی، لیکن دلی طور پر محبت سے مالا مال ہوتی۔'' میں نے ایک بار پھر اپنے عکس کو بغور دیکھتے ہوئے اسے سوال تھمایا۔

''چھوڑو ان باتوں کو۔'' وہ کھسیا سا گیا۔

''ان باتوں میں تم نے میرا سوال گول کر دیا بتاؤ نا، لگتا ہے تم نے اسے پا لیا جب ہی اتنی پر سکون ہو۔'' اس کے چہرے پر اشتیاق کے رنگ بکھرے ہوئے تھے میں نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔

''محبت پانے نہ پانے سے مشروط نہیں بعض لوگ پا کر بھی کھو دیتے ہیں اور بعض کھو کر بھی پا لیتے ہیں۔''

''مطلب!'' پانی میں کنکر پھینکتا اس کا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔

''عقل کہتی ہے میں نے اسے کھو دیا لیکن دل..... وہ آباد ہے، نفس کی اجارہ داری محبت کا کھوکھلا پن ہے موحد آفندی۔'' میں نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''کیا تمہارے اندر اس کی طلب نہیں جاگتی؟'' حیرانی سے کھلی اس کی بڑی بڑی آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔

''پتہ ہے جب میرے اندر طلب جاگتی ہے تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر اپنی اوقات کے نشتر چبھو کر اسے بھولا سبق یاد کروانے لگتی ہوں، وہ کرلاتی ہوئی تھوڑی دیر بعد اپنی اوقات سنتے سنتے سو جاتی ہے اور پھر یہ طلب ہمارے جیسے لوگوں کا روگ نہیں یہ امراء کے محلوں میں پل کر جوان ہوتی ہے اور پھر ان کے مردہ ہوتے ہی کسی اور نئے رئیس کے وجود میں خودرو گھاس کی مانند جنم لے لیتی ہے اور ہم لوگ اس دہشت کی تیز دھوپ میں وہ چھتری سر پر تانے کھڑے ہوتے ہیں جس کے جا بجا بڑے بڑے سوراخوں سے برہنہ دھوپ زندگی کے ترازو میں روح اور طلب کو بے مول کر دے۔'' آسمان پر ہولے ہولے بڑھتے سیاہ دھبوں کو دیکھ کر میں نے اسے دیکھا جس کے چہرے پر نفس کا سیاہ دھبہ پڑ چکا تھا۔

''کبھی کبھی بے قراری ہوتی ہے تھوڑی دیر کے لئے، پھر سکون مل جاتا ہے اس کی رضا سوچ کر۔''

''تم بہت تلخ باتیں کرنے لگی ہو۔''

''تلخی کے پردے میں چھپی سچائی اسے ہی اچھی لگتی ہے جو سچ سے محبت کرنے والا ہو۔'' میں اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے میری تقلید کرنے میں دیر نا کی۔

''میرے لئے دعا کرو گی ناں۔'' اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ پھنساتے ہوئے دھیرے سے کہا، خشک شام مزید سرد ہو گئی۔

''اس محبت کے لئے جو نس کی تابع نہ ہو میں عروج کی دعا کروں گی۔'' اپنے دونوں ہاتھ رگڑ کر گرم کرتے ہوئے میں نے شگفتہ لہجے میں صدق دل سے جواب دیا۔

''چلتا ہوں پھر شاید کبھی ملاقات ہو۔'' وہ اک بے نیاز سی نگاہ مجھ پر ڈال کر اس راستے پر ہو لیا جو میری مخالف سمت کو جاتا تھا ہم دونوں مخالف سمتوں میں چلنے والوں کی صرف ایک قدر مشترک تھی اور وہ تھی محبت، لیکن محبت میں ہم دونوں کے نظریات الگ الگ تھے، لیکن آج محبت کے بارے میں اس کی سوچ میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی ویسے بھی تبدیلی کا جان لیوا احساس صدیوں پر محیط نہیں ہوتا کبھی ایک لمحہ بدلاؤ کے احساس کو جھٹکے سے لا پٹختا ہے، یہ ضروری نہیں کہ بدلاؤ سیدھے راستے پر متعین ہو یہ تبدیلی راہ کو کھوٹا بھی کر سکتی ہے اس کی محبت جیت جائے گی یہ اس کا یقین تھا جبکہ اس کے نفس کو سرشاری اور ایمان کی موت ہو جائے گی میرا ادراک قوی تھا۔

☆☆☆

ٹھیک چھ ماہ بعد دوبارہ وہ اس کے سامنے موجود تھا، وہ بہت خوش اور پرجوش نظر آ رہا تھا۔

''پتہ ہے زوبار یہ غضنفر مجھے میری محبت مل گئی، عرشیہ بھی میری محبت میں اتنی ہی دیوانی ہو چکی ہے جتنا کہ میں اور آخر کار میں نے اسے اپنی محبت کے سانچے میں ڈھال ہی لیا وہ اپنے باپ کی ضدی اور لاڈلی بیٹی ہے اور پھر اس کی ضد کے آگے اس کا باپ ہار گیا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بہت زیادہ پرجوش ہو رہا تھا اس کی خوشی دیدنی تھی۔